

مشائخ ہوشیارپور

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

مشائخ ہوشیارپور

—— از ——

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی (ہوشیارپوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

بعد حمد و نعت کے یہ اضعف العباد میاں عطاء اللہ ساگر وارثی ہوشیارپوری عرض پرداز ہے کہ مجھ کو اوائل عمر سے ہی بزرگان دین و اولیاء اللہ کے ساتھ محبت و اعتقاد ہے اور اکثر بزرگانِ دین کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ جن بزرگانِ دین کا تذکرہ کتاب ہذا میں درج ہے ان بزرگوں کے نام اب تک باقی ہیں جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانیں دیں اور اس کے عشق و محبت میں وفات پائی۔

ہرگز نمیرد آں دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

عفی عنہ

کتاب ——— مشائخ ہوشیار پور
مصنف ——— میاں عطاء اللہ ساگر وارثی
ناشر ——— میاں محمد شہزاد ساگر وارثی
تعداد ——— پانچ سو
تاریخ اشاعت ——— فروری ۱۹۹۱ء
پریس ——— طیب جمال پرنٹرز۔ لاہور
ہدیہ ——— ۱۵۰ روپے
کتابت ——— اسرار احمد
پتہ ——— وارثی منزل، پاک سٹریٹ اسلام آباد کالونی
سمن آباد لاہور

فہرست

انتساب

حضرت سرکار وارثِ عالم پناہ حافظ حاجی سیّد وارث علی شاہ اعلیٰ مقامہٗ قصبہ دیوی شریف تحصیل وضلع بارہ بنکی یو۔پی بھارت) کے منظورِ نظر بابا رحمت علی چشتی صابریؒ کی پھلواڑی حاجی خالد وارثیؒ، شہزاد وارثیؒ اور غلام فرید وارثیؒ کے نام۔



بابا رحمت علی چشتی صابری (والدِ محترم مصنفؒ)

دیباچہ

میرے دل میں مشائخ ہوشیار پور لکھنے کی ضرورت اور اُمنگ ایسے پیدا ہوئی کہ میں نے ایک عرصہ تک اولیائے لاہور۔ سندھ، پنجاب، رام پور، بدایون، لاہر پور، حیدرآباد دکن، بنگال، قصور اور دہلی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کیا۔ لہٰذا اس اُمنگ اور آرزو کے پیشِ نظر مشائخ ہوشیار پور لکھنا شروع کر دئے اور یہ بھی خواہش تھی کہ یہ چھپ جائے، تاکہ جن محبانِ اولیا کو اولیائے اکرام سے عقیدت و محبت ہے۔ مستفیض ہوں اور روحانی مسرتیں حاصل کر سکیں۔

ویسے بھی میرا تعلق اس ضلع ہذا سے ہے جہاں میں پیدا ہوا۔ بچپن گزارا اور یہیں سے ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا اور اپنی آنکھوں سے پاکستان معرضِ وجود میں آتے دیکھا۔ پھر یہیں سے جب مُلک کا بٹوارہ ہوا کن کن مشکلات کا سامنا ہوا اور ہجرت کر کے پاکستان پہنچے۔

اس کے پہلے باب میں ضلع ہذا کو ہوشیار پور تاریخ کے آئینے میں تفصیلی طور پر تحریر کیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین اکرام اس ضلع کی تاریخ سے استفادہ کریں اور معلومات سے روشناس ہو سکیں۔

دوسرے باب میں برِصغیر ہند و پاکستان میں مذہب اسلام کی آمد جس سے اقوام ہنود متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر خود بھی انہوں نے اسلام کی تبلیغ بڑے احسن طریقے سے کی۔

تیسرے باب میں تحریک پاکستان میں ہوشیار پور کا کردار جس میں مسلم لیگ کے لیڈروں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور انتخابات میں مُسلم لیگ، کانگرس اور دیگر جماعتوں کے مقابلے میں ہر اسٹیشن پر کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اور بزرگوں کی دعاؤں سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ کتاب ہذا میں رُوح فرسا واقعات کہ کس طرح سے لوگ ہجرت کر کے مقدس سرزمین پاکستان پہنچے کس طرح سے ہندوؤں، سکھوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی ابھی تک ان واقعات کے یادوں کے نقوش ذہن پر کچھ ایسے

کندہ ہو چکے ہیں جو مٹانے سے بھی نہیں مٹتے جن کو پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ابھی تک بڑی تعداد میں مسلمان عورتیں جو اب تک بوڑھی ہو چکی ہیں اور سینکڑوں بچے جو فسادات میں والدین سے علحدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں رہ گئے اپنے مذہب اسلام سے الگ ہو چکے ہیں۔ میرے ایک بڑے گہرے دوست نے جو کہ چند سال پہلے بطور زائر بھارت گیا تھا اس نے راقم الحروف کو ایک ایسا سچا واقعہ جو دل کو تڑپا دینے والا تھا۔ سنایا کہ میں موضع ہردو تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور پنجاب، بھارت میں خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے مزار اقدس پر حاضری دے رہا تھا۔ وہاں پر ایک ایسی عورت سے ملاقات ہوئی جو مسلمان تھی۔ اس نے بتایا کہ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا ہندوؤں، سکھوں کے فسادات شروع ہو چکے تھے۔ اس دوران میں ہمارے گاؤں پر بھی ہندوؤں سکھوں نے بہت بڑا حملہ کیا۔ اس حملے میں عورتوں مردوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔ جوان لڑکیوں کو جبرًا اغوا کیا گیا ان جبرًا اغوا شدہ لڑکیوں میں بدقسمتی سے میں بھی تھی اور ایک میری بھابی تھی۔ ہمارے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کی گئیں۔ کہاں کہاں ہمارے سودے ہوئے۔ آخر کار میں ایک بوڑھے سکھ کے ہاتھوں میں بکی۔ جس سے اولاد ہوئی اور اب جوان ہو چکی ہے۔ بوڑھا سکھ جو میرا خاوند تھا اس کا کریا کرم ہو چکا ہے۔ میں یہاں اس مزار اقدس پر ایک مسلمان ہونے کے ناطے سے اکثر آتی ہوں۔ شاید کسی پاکستانی سے میری ملاقات ہو جائے اور میرے کچھ عزیز و اقارب جو اب پاکستان میں ہیں۔ ان کو میرے متعلق اطلاع کر سکیں۔ میری آخری خواہش یہ ہے کہ مرنے کے بعد میں ان بدکرداد کافروں کے ہاتھوں نذر آتش نہیں ہونا چاہتی۔ میں چاہتی ہوں کہ مسلمانی طریقے پر میرا آخری وقت ہو اور عزیز و اقارب مجھے اپنے ہاتھوں سے دفن کریں۔

ضلع ہذا کا چوتھا باب مشائخ ہوشیار پور کے عنوان سے تحریر کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ باب مکمل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین اکرام بزرگوں کے حالات سے مستفیض ہو سکیں۔

کتاب ہذا کی تدوین و ترتیب میں جو مشکلات پیش آئیں۔ وہ تو بظاہر کافی ہیں، مگر میرے قلبی لگاؤ اور ازلی شوق و محبت نے ان پریشانیوں کو محسوس نہیں ہونے دیا۔ ان بزرگان دین کے حالات اور خاکہ حیات کو یکجا کرنے کے لیے جن دوستوں احبابوں کو زحمت دی۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو اپنی کم علمی کی وجہ اور عقیدت و محبت زیادہ رکھنے کی وجہ سے زبان زد عام روایتوں سے معلومات فراہم کرتے رہے۔ میرے مقاصد کی ان زبانی روایتوں سے تکمیل ہوتی نظر نہ آئی تو لائبریریوں کا رخ کیا۔ وہاں پر جا جا کر کتابوں کو کھنگالتا رہا، لہذا ان سے کچھ کچھ مواد بھی ملتا رہا، مگر تشنہ لبی رہی۔ اگر آج بھی ادیب محقق حضرات اور اہل محبت قلم نگار اپنی ذہنی صلاحیتوں کو

بروئے کار لائیں آگے بڑھیں اور بھرپور دستِ تعاون اس سلسلے میں بڑھائیں تو اس ضلع میں جن بزرگ ہستیوں نے اسلام کی تبلیغ میں حصّہ لیا۔ دامے درمے قدمے سخنے اسلام کی خدمات سر انجام دیں۔ گندے ذہنوں کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں کھڑا کر دیا۔ اس معاشرے کے بدکردار لوگوں کے قلوب میں انقلاب پیدا کیا۔ ان کی بدفطرت عادات و افعال سے ان کو آگاہ کیا گیا، تاکہ اصلاحی پہلو اختیار کریں۔ ان میں مذہبی لگاؤ اور عشق و محبت کا رجحان پیدا کیا گیا۔ اخوت پرستی کا سبق دیا گیا۔ معاشرے میں رہنے کے لیے اصول بتائے۔ والدین کے آداب۔ بزرگوں کے آداب غرض کہ دُنیا میں ایک پُر سکون زندگی بسر کرنے کے لیے اسلامی اصول بتائے گئے اور عملی زندگی کا حصّہ بنائے گئے۔ ان کے سامنے ایسا کردار پیش کیا گیا۔ بقول حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کوئی اجنبی میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا دُنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب آپ ہیں کہ جو نعمتیں بادشاہوں کو میسّر نہیں ہیں وہ گھر بیٹھے سب لوگ آپ کے قدموں میں لاکر رکھتے ہیں۔ دُنیا میں ہر آدمی طرح طرح کے فکر میں رہتا ہے، مگر آپ کو نہ کھانے کی فکر ہے۔ نہ مکان کا فکر ہے۔ نہ خدمت گاروں کا فکر ہے کہ بغیر فکر کے آپ کے لیے ہر چیز موجود ہے۔ مجھے اس اجنبی کی یہ بات سُن کر رونا آگیا اور مَیں نے اس سے کہا یہ سب نعمتیں اس واسطے لوگ مجھے دیتے ہوں کہ وہ لوگ کسی نہ کسی دکھ میں مُبتلا ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ لے کر آتے ہیں کہ میری دُعا سے اُن کا دکھ دُور ہو جائے گا۔ اس طرح اگر صبح سے شام تک پچاس دُکھیا بھی میرے پاس آئیں تو مجھے اُن کے پچاس دکھ سُننے پڑتے ہیں۔ اور جب میں ان کا دکھ دُور ہونے کے لیے خدا سے دُعا کرتا ہوں تو ہر ایک کا دکھ اپنے اُوپر طاری کرتا ہوں، کیونکہ بغیر اس کے دُعا قبول نہیں ہوتی۔ پس جو آدمی رات دن سو پچاس دکھوں میں بمتلا رہتا ہو۔ اس کو نہ نعمتوں میں مزا آتا ہے نہ خدمتوں میں اور نہ کسی اور چیز میں۔ ایسے ہی نفوس قدسیہ کے حالات زندگی جو کوشش بسیار سے دستیاب ہو سکے۔ قدرے اختصار کے ساتھ درج کیے گئے ہیں۔ ابھی تک کئی ایسے بزرگانِ دین ہیں۔ امثالاً۔ قصبہ بھنگالہ میں سرکار برہمی شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ دسوہہ کے نواح میں پیر دریائیؒ اور پیر بھیلاہیؒ، منصور پور اور کول پور کے نواح میں میاں شہاب علی دولہا۔ ہوشیار پور کے نواح میں شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ۔ سالار غازی علیہ الرحمۃ۔ اس کے علاوہ بھی بہت ایسی بزرگ شخصیتیں ہیں جن کے اسمائے گرامی ذہنوں سے بھی نکل چکے ہیں۔ اسی ضلع میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے۔ نہ ان کے مزار اقدس کا کسی کو پتہ ہے اور نہ ہی آپ کے اسم گرامی سے کوئی شخص واقف ہیں۔ ان کے مزاروں پر روایتی میلے بھی انعقاد پذیر ہوتے تھے جس سے اس دور کے ثقافتی زندگی کی عکاسی ہوتی تھی۔ عوام میلوں میں بلا تمیز مذہب و ملت شرکت کرتے تھے۔ اپنے اپنے علاقوں کی مقامی روایات کو زندہ رکھے ہُوئے تھے اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ نام نیک رفتگاں ضائع مکن۔

آخر میں ان احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے ساتھ اس کتاب کی ترتیب میں بھرپور دستِ تعاون بڑھایا۔ خاص کر حضرت میاں آصف صاحب صابری مدظلہ العالی مولوی تاج الدین صاحب صابری اور صوفی محمد الیاس صاحب صابری جن کی بھرپور محبت نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک بار پھر ان احباب کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر کتاب ہذا میں کوئی غلطی پائیں تو احباب و ناظرین عفو فرمائیں۔ کتاب ہذا خیر و برکت کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ مَیں کوئی مشہور مصنف نہیں ہوں کہ میرا نام ہو جائے۔ میری دُعا ہے کہ جو بھی کتاب ہذا کا مطالعہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو دینی و دُنیاوی نعمتوں سے نوازے اور نوازتا رہے۔ اللّٰھم ارزقنا آمین۔

خادم الفقراء

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

یکم رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ ہجری



(۱)

تقریظ

ایک کتاب 'خیرالوارثین' جو بزرگان سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ وارثیہ خصوصاً حضرت حاجی سیدنا وارث علی شاہ دیوہ شریف، حضرت بیدم شاہ وارثی اور حضرت حاجی حیرت شاہ وارثی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل ہے میاں عطاء اللہ ساگر وارثی زیور طبع سے آراستہ کر کے شائع کر چکے ہیں۔ اب یہ ان کی دوسری کاوش و کوشش ہے جو انہوں نے مشائخ ہوشیار پور کے نام سے ترتیب دی ہے۔ یہ لگن اور شوق کی بات ہے۔ ورنہ یہ راہ بہت ہی کٹھن اور دشوار گزار ہے جیسے کسی نے کہا ہے۔

بہت کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی
کیسے میں بھر لاؤں مدھوا سے مٹکی

لیکن باوجود اس 'پنگھٹ' کی راہ کٹھن ہونے کے میاں ساگر وارثی افتاں و خیزاں گرتے پڑتے دن رات کی کوشش و کاوش، تجسس و جستجو کے پنگھٹ پر پہنچ ہی گئے اور مدھوا سے مٹکی بھر ہی لائے۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ او

تاہم سرزمین ہوشیار پور جہاں زرعی لحاظ سے ایک سرسبز و شاداب اور باغ و بہار علاقہ ہے۔ وہاں مردم خیز خطہ ہونے کے سبب سے بھی ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس علاقہ میں حضرت مسعود العالمین بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی چلہ گاہ بھی 'جھڑی' بابا صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جھڑی ایک چھوٹا سا جنگل ہے مگر گنجان زیادہ ہے۔ جس کو عرصہ تک حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے ذکر و فکر سے معمور رکھا اور شہر ہوشیار پور سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر کوہ شوالک کی وادیوں میں (بعض حضرات کے قول کے مطابق) حضرت بابا صاحب کے چشمۂ فیضان سے سیراب شدہ آپ کے خلیفہ سیدنا حضرت شاہ

نور جمال چشتی رحمۃ اللہ علیہ موضع گلزار سلیرن میں محو استراحت ہیں۔ اسی بابرکت شہر ہوشیار پور کے ایک غیر معروف مکان کے صحن میں حضرت سید حافظ غلام چشت رحمۃ اللہ علیہ خانوادہ چشتیہ نظامیہ کے خلیفہ مدفون ہیں۔ اسی علاقہ کے ایک موضع عالم پور کوٹلہ میں 'احسن القصص' کے مصنف حضرت مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما ہیں۔ اسی پُر بہار خطہ کے ایک مشہور و معروف قصبہ ٹانڈہ شریف میں خاندان عالیہ چشتیہ صابریہ کے فاضل و افضل بزرگ حضرت خواجہ شیخ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے خلفاء محو خواب ہیں۔ اس لحاظ سے اس کتاب کو صرف مشائخ ہوشیار پور کے نام سے موسوم کرنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ میرے خیال میں اس کو گلشن مشائخ ہوشیار پور کہا جائے تو زیادہ موزوں اور احسن ہوگا۔

جناب ساگر وارثی کے فرمان اور خواہش کے مطابق دو تاریخی قطعات برائے زیر نظر کتاب پیش کر رہا ہوں۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

قطعہ اوّل

عجب ہی پھولا پھلا گلشن مشائخ ہے
یہ سرزمین سدا گلشن مشائخ ہے
ہوا خیال جو تاریخ طبع کا آصف
فلک سے آئی ندا گلشن مشائخ ہے

(۱۴۰۶ ہجری)

قطعہ دوم

خلد بریں ہے یا ہے گلستان اولیاءؒ
ہوشیار پور مخزن و بستان اولیاءؒ
آصف اُنہی کے قدموں کی برکت سے بن گئی
یہ سرزمین بھی گلشنِ فیضان اولیاءؒ

(۱۴۰۶ ہجری)

پیش کردہ

آصف صابری جالندھری، تاندلیانوالہ

۱۳ رشوال المکرم ۱۴۰۶ھ

(۲)

بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ کَانَ حَرْفاً ۔ کے فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تحت میرے محسن میاں عطااللہ ساگر وارثی اپنے فریضہ سے باحسن عہدہ برا ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اسی یقین کامل اور عقیدۂ راسخ کی مہک جس کی پیوند اُن کے دل میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ وارثیہ کے فیض رُوحانی سے عطر بیز ہے اپنے حلقۂ احباب کو خصوصاً اور گردو پیش کو عموماً معطر کرنے کی اُمنگ لیے ہوئے "خیر الوارثین" کے بعد صحیفہ "مشائخ ہوشیار پور" کی پاکیزہ اشاعت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

خاکسار اس مقدس کوشش کے خیر مقدم کے لیے چمنستان قلندری کا ایک خوشہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

آتش استی بزم عالم برفروز
دیگراں راہم زسوزِ خود بسوز

اہلِ ذوق کی خدمت میں التماس ہے کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

دُعا ہے کہ یہ پاکیزہ اشاعت "ذِکرِ الصّٰلحین تنزل الرّحمۃ" کا بے پایاں خزینہ ثابت ہو۔ آمین

خاکپائے اولیائے عظام

محمد ریاض الحق قریشی چشتی حقانی

خلف الرشید مخدوم میاں محمد عبدالحق
قادری چشتی حقانی سراجی

اس کتاب کے بارے میں

چند باتیں

تذکرہ رجال اسلامی تاریخ کا ایک اہم موضوع ہے۔ مسلمان مؤرخین اور تذکرہ نگاروں نے اس پر بے پناہ کام کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ بعض حضرات نے کسی ملک، بعض نے کسی صوبے اور بعض نے کسی ضلعے اور علاقے کے علماء و فضلا اور صوفیا و مشائخ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ بہت بڑی اور اہم خدمت ہے جو اہلِ علم نے سرانجام دی ہے۔ "مشائخ ہوشیار پور" اس موضوع کی کتابوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

اس کے مصنّف میاں عطا اللہ ساگر وارثی کو تصنیف و تالیف میں مہارت کا دعویٰ نہیں، وہ اپنے آپ کو عالم اور محقق بھی نہیں قرار دیتے۔ وہ منکسر اور متواضع قسم کے آدمی ہیں۔ یہ کتاب اُن کے خلوصِ قلب اور حُسنِ نیت کی آئینہ دار ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب شہر اور ضلع ہوشیار پور کی تاریخی حیثیت سے متعلق ہے۔ عنوان ہے "ہوشیار پور تاریخ کے آئینے میں"

دوسرے باب میں برِّصغیر پاک و ہند میں اسلام کی نشر و اشاعت کے بارے میں ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں۔

تیسرے باب میں وضاحت کی گئی ہے کہ تحریکِ پاکستان میں ہوشیار پور کے مسلمانوں کا کیا کردار اور کیا حصہ تھا۔ چوتھا باب مشائخ ہوشیار پور کے حالات و کوائف پر مشتمل ہے اور درحقیقت اس کتاب کا یہی موضوع ہے۔

کلمۂ حق کے اخذ و قبول میں برِّصغیر پاک و ہند کی سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ مکّہ اور مدینہ جنہیں مرکزِ اسلام کی حیثیت حاصل ہے، ارضِ ہند سے بہت دُور تھے اور اس زمانے میں آمد و رفت کے خاص ذرائع بھی نہ تھے، لیکن یہ خطہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اس کی تعلیمات سے آشنا ہو گیا تھا۔ پھر جلد ہی یہاں کے باشندوں کی اچھی خاصی تعداد نے اسلامی احکام و اوامر سے وابستگی اختیار کر لی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ یہاں کے قصبات و بلاد اور دیہات میں قال اللہ و قال الرسول (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور ملک کے گوشے گوشے میں اسلام کی صاف سُتھری تہذیب و ثقافت کے دائرے وسیع ہونے لگے۔ انہی دنوں خطۂ پنجاب میں بھی اسلام داخل ہوا اور اس نواح کے لوگوں پر اللہ کی ادائے رحمت سایہ فگن ہوئی۔ ہوشیار پور کا ضلع بھی پنجاب میں شامل ہے جسے آزادیٔ وطن کے بعد مشرقی پنجاب کہا جانے لگا ہے۔ اس کے باشندے بھی اسلام سے متاثر ہوئے اور اسے قبول کیا۔

مصنف نے مناسب الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے اور جو اولیاء و مشائخ اس ضلعے اور شہر میں پیدا ہوئے اُن کے حالات بیان کیے ہیں اور اپنے انداز میں اُن کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔
علماء و مشائخ کے حالات و سوانح سے باخبر ہونے کے لیے اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ بڑا ضروری ہے۔

محمد اسحاق بھٹی

ایڈیٹر سہ ماہی "المعارف"

ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور

۴ر فروری ۱۹۹۰ء بمطابق ۷ر رجب ۱۴۱۰ھ

مشائخ ہوشیار پور

علم اور عرفان کی روشنی پھیلانے والے بزرگوں کے حالاتِ زندگی اور کارناموں کو اُجاگر کرنا اہلِ علم پر قرض بھی ہے اور فرض بھی ــــ کیونکہ یہ اولیائے کرام دراصل اسلام کے چلتے پھرتے سفیر تھے جن کی کوششوں اور قربانیوں سے برِصغیر میں توحید کا اُجالا پھیلتا چلا گیا ــــ جن لوگوں کو ریسرچ کا حوصلہ اور لکھنے کا سلیقہ ہے اُنہیں ضرور یہ خدمت انجام دینی چاہیے۔

عموماً دیکھا گیا ہے کہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کے تذکروں میں حُسنِ عقیدت کی جلوہ گری زیادہ ہوتی ہے، لیکن اگر عقیدت کی مہک میں تحقیق کا پسینہ بھی شامل ہو تو لکھنے کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ میاں ساگر وارثی نے یہ حق اسی شان سے ادا کیا ہے۔

مصنف نے ضلع ہوشیار پور کی تاریخ بیان کرتے ہوئے عہدِ قدیم کے تاریک گوشوں سے طلوعِ اسلام کی روشنی تک ــــ اور اس کے بعد برصغیر کی تقسیم تک ہر دور کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور ہر عہد کے بزرگوں کے حالات بڑی عرق ریزی سے جمع کیے ہیں اور اُن کا ہر بیان دستاویزی ثبوت کی ضمانت کے ساتھ قلمبند ہوا ہے ــــ جو بھی اس کتاب کو پڑھے گا، وارثی صاحب کی محنت اور تحقیق کی داد دے گا۔

اس تحقیقی کتاب کی ایک اضافی خوبی یہ ہے کہ ہوشیار پور کے بزرگوں کے حالات بیان کرتے ہوئے ضمنی طور پر جن برگزیدہ ہستیوں کے نام زبانِ قلم پر آ گئے ہیں اُن کے تفصیلی حالات بھی فٹ نوٹ میں درج کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح یہ برِصغیر کے اولیائے کرام کی انسائیکلو پیڈیا سی بن گئی ہے جو حوالے کے طور پر بھی کام آئے گی۔

ساگر وارثی صاحب نے مصنوعی عبارت آرائی سے گریز کیا ہے اور سیدھی سچی بات کو نہایت صاف ستھری زبان میں بیان کیا ہے۔ یہ اُن کی سالہا سال کی محنت کا ثمر ہے اور اس کا ورق ورق موضوع سے اُن کی محبت اور لگن کی گواہی دیتا ہے۔ اُمید ہے کہ اہلِ دل اور اہلِ نظر اُن کی کاوش کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے۔

ادریس صدیقی
۱۲/ اکتوبر ۸۸ء لاہور



مصرعہ تاریخ

میاں ساگر وارثی صاحب کے طرزِ تحریر و اسلوبِ بیان سے فعلاً و عملاً نابلد ہوں۔ آپ چونکہ اُن کے معترف ہیں اور اس اعتراف میں احترام کا پہلو نمایاں ہے اس لیے وہ ہستی میرے لیے بھی قابلِ احترام ہے۔ اس زمانہ میں اہلِ نظر کی پہچان میں قبلہ وارثی صاحب سے زیادہ معتبر اور کون ہوگا۔ اُن کی نوازش ہے کہ مجھے مشائخ ہوشیارپور کے لئے مصرعہ تاریخ کہنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اُسی وقت قلم لے کر بیٹھا اور مصرعہ ہوگیا۔

مرحبا علامہ ساگر وارثی   مشائخ ہوشیارپور تم نے لکھی
طرزِ تحریر و ادائے دلنشیں   تو معنیٔ محبت وارثی

مصرعہ تاریخ فاروقی سُنا
نغمۂ مے بارِ حُبِ اولیاء

میاں آئی ایچ فاروقی
بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر فیصل آباد

HOSHIARPUR

(No. 8).

Scale —1 Inch = 8 Miles.



GURDASPUR

KANGRA

KAPURTHALA

JULLUNDUR

HOSHIARPUR

GARHSHANKAR

SIMLA

AMBALA

NOTE.

Area in Square Miles, ... [illegible]

Population in 1901, ... [illegible]

REFERENCES

Head-quarters of District .... HOSHIARPUR

" " " Tahsil .... GARHSHANKAR

" " " Thana .... ANANDPUR

Town or Village

Census Towns over 10,000

Others

Villages

Metalled Road

Unmetalled

District and Tahsil Boundary

Tahsil Boundary

Kapurthala State

REST-HOUSES.

District

Police

Dak Bungalow

Public Works Department

Forest

Private R.H.

SCHOOLS.

Anglo-Vernacular .... A.V.

Vernacular .... V.

High .... H.

Middle .... M.

Primary .... Pr.

Dispensary

Telegraph Office

Post Office

محترم عطاء اللہ ساگر وارثی کی تالیف میں اخلاص پرور روشنیوں کا عکس ہے۔ رُوح کی گہرائیوں تک اُتری ہوئی روشنیاں ہی تاریخ و تحقیق کے بیج کو قوتِ نمو بخشتی ہیں۔ محترم ساگر وارثی تحقیق و تفحص کے جنگل کی جھاڑیاں کاٹ تراش کر تاریخ کی نئی منزلوں کے کوملبس نظر آتے ہیں۔ اُن کا مطمع نظر روشنیوں کا دیس، محبتوں کا نگر، اپنائیتوں کا شہر اور معرفت کا در ہے، اسی لیے وہ صراطِ مستقیم کے رہرو ہیں۔

مشائخ ہوشیار پور ایک صاحبِ علم اور صاحبِ معرفت کی تالیف ہے۔ یہ محض مشائخ عظام کا تذکرہ ہی نہیں، تاریخ کے کھوئے ہوئے صفحات کی بازیابی کی نوید بھی ہے۔ اس میں صرف حقیقت و معرفت کی دُنیائیں اور طریقت کے عمیق سمندروں کی تہوں سے نکالے ہوئے لُولُوئے لالہ ہی آنکھوں کو نہیں چندھیاتے، تحریکِ پاکستان میں ہوشیار پور کا کردار بھی اُجاگر ہوتا ہے۔

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی تحریر و گفتگو کی تنگنائیوں سے کردار کی وسعتوں تک بڑے آدمی نظر آتے ہیں۔ اُن کی تحریر ہی پاکیزہ نہیں، اُن کی زندگی بھی پاکیزہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُن کی تالیف لطیف مشائخ ہوشیار پور میں افکار و نتائج کی گہرائی و گیرائی قارئین کے دلوں کے کینوس پر انمٹ نقوش اُبھارے گی اور لوگ اس سے مستفید و متمتع ہونے کی تمنا کے جلو میں اپنی زندگیوں کو سنواریں گے۔

راجا رشید محمود

ایڈیٹر ماہنامہ "نعت" لاہور

تاریخ ہوشیار پور

ہوشیار پور[1] جس کو ہوشیار خاں ایک مغل امیر نے بسایا تھا۔ مشرقی پنجاب (بھارت) جالندھر ڈویژن کا ایک ضلع ہے اور دریائے بیاس اور ستلج کے درمیان واقع ہے۔ دامن کوہ شوالک کے ساتھ ساتھ ایک چوڑی پٹی کی شکل میں شمالاً جنوباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ۹۲ میل اور چوڑائی مختلف جگہوں پر بیس سے تیس میل تک ہے اس کا طول بلد ۳۱ ، ۷۶ اور ۲۱ ، ۷۵ اور عرض بلد ۵۸ ، ۳۰ اور ۵ ، ۳۲ ہے۔ یہ چار تحصیلوں پر مشتمل ہے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ہوشیار پور (۲) گڑھ شنکر (۳) دسوہہ (۴) اُونہ

ہوشیار پور! لاہور سے ناڈون جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ لاہور سے پچانویں میل بطرف مشرق ہے۔ دور مغلیہ میں ہوشیار خاں خوجہ نے اس کو آباد کیا اس وقت یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ پھر دور خالصہ میں اس دوآبہ بست جالندھر کی حکومت شیخ غلام محی الدین اور امام الدین کو سپرد ہوئی تو انہوں نے اس کو سرسبز اور شاداب دیکھ کر یہاں حکومت اختیار کی اور اسی مقام کو دارالحکومت بنایا بہادر نگر اور بجواڑہ کے کاریگر یہاں آکر آباد ہو گئے۔ سرکار برطانوی کے وقت اس کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ یہاں سے جالندھر بیس کوس لدھیانہ تیس کوس جوالا مکھی تیس کوس ہے۔

(بحوالہ تاریخ مخزن پنجاب صفحہ ۹۴)

اس ضلع میں دو پہاڑ ہیں ایک سلسلہ کوہ شوالک دوسرا کانگڑہ کا پہاڑ ان دونوں کے درمیان گھاٹی جسوان دُون ہے۔ کوہ شوالک ضلع کے بیچ میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ داتار پور جا کر اس کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ ہر جگہ تقریباً دس میل چوڑا ہے۔ کانگڑہ کا پہاڑ اس کا جو حصہ جسوان دُون گھاٹی کی مشرقی حد ہے۔ اس کو چنت پورنی کا پہاڑ کہتے ہیں۔ یہ تلواڑہ کے پاس سے شروع ہوتا ہے جو بیاس پر واقع ہے اور جنوب مشرق کی طرف چلا گیا ہے۔ نینا دیوی کا پہاڑ جس پر دیوی کا مندر ہے۔ اس پہاڑ میں سب سے زیادہ اُونچی چوٹی ہے۔

سواں ندی ، کوہ شوالک اور چنت پورنی کے پہاڑوں کا پانی بہہ کر اس میں جمع ہوتا ہے یہ ندی نسوال کے قریب دریائے ستلج میں جا ملتی ہے۔ اس کی ریت سے سونا نکلتا ہے۔ انند پور سے نینا دیوی کی چوٹی آٹھ میل ہے۔

ہوشیارپور مرکز میں واقع ہے اور ضلع کا صدر مقام ہے۔ دامن کوہ شوالک سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جالندھر چھاؤنی ریلوے اسٹیشن سے پچیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

ہوشیارپور کوہ شوالک کے دامن میں واقع میلوں لمبے آموں کے باغ اور اس کے علاوہ لوکاٹ، شہتوت انجیر کے باغ اور پھولوں کی بہتات نے تمام ضلع کو قدرت نے فردوس بر زمین کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ میٹھے پانی کے چشمے اور باؤلیاں نگاہ و قلب کو تازگی اور فرحت بخشتے ہیں زمین ایسی زرخیز کہ کسان کھیتوں میں بوائی کرنے کے بعد اطمینان سے گھر بیٹھ جاتا تھا جب نلائی کی ضرورت پڑتی تو کھیتوں کا رُخ کرتے تھے۔ زیادہ تر اس ضلع کی زمین بارانی تھی۔

اس خوبصورت ضلع میں مسلمانوں کے ثقافتی اور مذہبی تہواروں کا تقسیم ہندوپاک سے پیشتر اہلِ ہنود بھی ادب واحترام کرتے تھے۔

اکثر مقامات پر ابھی تک اس ضلع کی تاریخ کے ابواب پر تاریکی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ قدیمی آثار بے شمار ہیں۔ اس قدیم ضلع کا وجود حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دور سے ہے جس کو تقریباً پانچ ہزار سال کا عرصہ گزر چکا

۲؎ دریائے بیاس! درہ روتانگ کے جنوبی سمت کوہ لاہول کے پاس سے جو ہمالہ کے شمال مشرقی حد پر واقع ہے۔ نکلتا ہے سطح سمندر سے ۱۳۲۰۰ فٹ بلندی پر ہے۔ وہاں سے بہت سے چشموں اور پہاڑی ندیوں کے پانی اپنے ساتھ ملاتا ہوا کلو میں بطرف جنوب چکردار راستے طے کرتا ہوا اسی میل منڈی کے متصل آتا ہے۔ وہاں سے چشموں ندیوں کے پانی کے ساتھ مل کر چوڑائی ڈیڑھ سو گز اور عمیق بارہ فٹ سے چودہ فٹ ہوتی ہے۔ پھر منڈی سے مغرب کی طرف سکیت کے راستے لوہے کی کان کے پاس سے چل کر پچاس میل کے نادون کے نیچے آتا ہے۔ یہاں پر ایک ندی کینارہ نام پہاڑ سے نکل کر اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ پھر نادون سے پچاس میل کے قریب شمال مغرب کی طرف کانوواں اور ڈیرہ وال کے پاس پنجاب کے میدان میں آجاتا ہے۔ پھر وہاں سے جنوب کی سمت کو اسی (۸۰) میل چل کر متصل موضع اندرسر اور ہری کے مقام پر دریائے ستلج میں مل جاتا ہے، خوالہ مکھی کے علاقے میں اس دریا کے کنارے پر ایک بڑا عالیشان مندر مہادیو کا اور ایک بارہ دری راجہ سنسار چند کی تعمیر کردہ ہے۔ ستلج کے شمول تک اس کی لمبائی تقریباً تین سو میل ہے۔ پھر دونوں دریاؤں کا نام گھارا ہو جاتا ہے اور یہ دریا دیپال پور پہنچ کر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک سو کوس چلنے کے بعد دونوں شاخیں مل جاتی ہیں اور فتح پور سے پھرتا ہوا حدود بہاولپور میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں دریائے زموں یعنی راوی چناب اور جہلم کے ساتھ مل جاتا ہے اور پنج ند بن جاتا ہے۔

۳؎ دریائے ستلج! اس کا قدیمی نام شتدر ہے سدہانے سے آگے اس کا نام زد اور رس دھیور رس ہے۔ جس کا اخراج کوہ برفانی سرحد ملک چینی تاتار اور جھیل مان سرور سے اور اس جھیل کی سطح پنتالیس کوس ہے اور مان تلائی اور راون پر بھی اس کو کہتے ہیں اگرچہ اصلی چشمہ اوس دریا کا جھیل سے اُوپر ہے جھیل سے تیس فٹ چوڑا نکل کر اور شمال مغرب کے سمت کو ایک سو اٹھاسی میل کا راستہ بہت خوفناک بلند و ناہموار اور ویران پہاڑوں کو طے کرتا ہوا کوہ چناب کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اوس جگہ دریائے پستی شمال مغرب کے سمت سے آکر اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس شمول کے مقام سے تھوڑا سا اُوپر یہ دریا پچھتر فٹ چوڑا ہے اور دیا کی ہموار اور سطح سمندر سے آٹھ ہزار چھ سو فٹ اونچی اور دریا بہت گہرا ہے۔ اسی (۸۰) میل اس مقام سے اُوپر دریا بہت چوڑا ہے اور لوہے کی زنجیروں کے ذریعے سے اوس

ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قدیم موضع ڈھول باہا[۲] میں ایک مندر ہے جو ہوشیار پور سے پندرہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا تعلق پانڈوؤں[۱] کے دور سے ہے۔ جہاں پر قدیم دور کے ہندوؤں کے پتھر کے تراشے ہوئے مجسمے ایک پولیس اسٹیشن کی عمارت کی بنیادیں کھودتے وقت دریافت ہوئے تھے اور بعد میں ان مجسموں کو موضع ڈھول باہا کے ایک مندر میں رکھ دیا گیا اور ان سب پر خط رمز میں کندہ کی ہوئی عبارتیں تحریر ہیں۔ بقول رپورٹ کرنل ایبٹ ان کتبہ جات اور مجسموں پر غالباً رسم ستی کے کارناموں کا ذکر ہے۔ مقامی روایات کا تعلق ضلع کے مختلف مقاموں سے ہے۔ جن میں قصبہ حاجی پور سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر پانڈوؤں کا ایک کنواں ہے اور ایک شوالہ بھی ہے۔ دسوہہ جس کا قدیمی نام وراٹھ یا وراٹ کی نگری تھا۔ راجہ وراٹھ کی راجدھانی تھا جس کے دربار میں پانڈوؤں نے ملازمت اختیار کر کے بن باسی کے تیرہ برس گزارے تھے[۱]۔ قوم ہنود صبح سویرے ناشتہ کرنے سے پیشتر تین دفعہ راجہ وراٹھ کی نگری کہہ کر پکارتے ہیں۔ دریائے ستلج کے کنارے بھابھور[۲] کے مقام پر حسب قدیم روایات پانڈوؤں کے پانچ لڑکوں کے نام پر ایک پہیلی پانچ ستارہ نما کمرے بنے ہوئے (کھیل کا نام) کے نام پر تھے جہاں پر اکثر پانڈوؤں کی اولاد مصروف شغل بازی ہوتی تھی اور خود پانڈو حالت استغراق میں کوہ ہمالیہ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔ (ڈسٹرکٹ ہوشیار پور گزیٹیر)

گذشتہ فٹ نوٹ نمبر ۳

کے اُوپر سے پار ہوتے ہیں۔ شمول کے مقام پر پہناؤ دریا کا ایک سو بیس گز اور کم از کم ڈیڑھ سو فٹ گہرا ہے اور تیز روی سات آٹھ میل فی گھنٹہ ہے۔ رام پور سے لے کر بلاس پور تک اکثر راستہ اس کا مغرب و جنوب سمت کو ہے۔ کوہستانوں میں سے ہوتا ہوا پنجاب کے میدان میں روپڑ کے پاس داخل ہو جاتا ہے۔ وہاں سے چلتا ہوا پھلور کے قلعے کے نزدیک سے ہوتا ہوا ہری کے مقام پر پہنچتا ہے تو دریائے بیاس میں شامل ہو جاتا ہے۔ کل لمبائی ۵۵۰ میل ہے۔ یہاں سے ۳۰۰ میل چل کر دریائے چناب کے ساتھ مل جاتا ہے۔ (تاریخ مخزن پنجاب)

[۱] پانڈوؤں (PANDVASS) نے جب سب کچھ معہ اپنی حکومت جوئے میں ہار دیا۔ تو اس کے بعد ایک اور بازی میں جس میں تیرہ سال بن باس کی شرط تھی اور اس شرط میں یہ طے پایا کہ وہ ایک سال تک کسی شہر میں پوشیدہ رہیں اور تیرہ سال کے بن باس میں جب ایک سال باقی رہ گیا پس وہ اپنے ہتھیاروں کو ایک گھنے جنگل میں متصل وراٹھ کی نگری (موجودہ نام دسوہہ) جس کا ذکر ہندوؤں کی مشہور کتاب مقدس 'مہابھارت' میں موجود ہے میں کسی ایک بڑے درخت پر چھپا کر وراٹھ نگری چلے گئے۔ ان پانچ بھائیوں میں یدھشٹر نے اپنا مصنوعی نام جیہ بھیم سین نے جینت ارجن نے بجیہ نکل نے جیت اور سہدیو نے جیدول رکھے۔ اور داخل شہر ہوئے۔ راجہ وراٹھ نہایت ہی نیک اور خوش اخلاق شخصیت کا مالک تھا۔ اول یدھشٹر گیا اور کہا میں آپ کے دربار میں ملازمت چاہتا ہوں اور وہ پانسہ یعنی چوپٹ کا کھلاڑی ہے اور راجہ کو پانسہ کھلا کر خوش کرتا رہا ہے۔ اسکے بعد بھیم سین نے بہ کلام رسوئی (باورچی خانہ) ملازم رکھا جس کو بہادر اور کھانا بنانے میں ماہر دیکھ کر ملازم ہوا اور ان کی بیوی دروپدی کو رانی کیکئی جوکہ وراٹھ راج کی رانی تھی۔ خوبصورت ہار گوندھنے میں باکمال دیکھ کر اپنی خدمت گار محل میں ملازم رکھا اور اس نے یہ بھی کہا کہ وہ عرصہ تک مہارانی دروپدی اور ستیہ بھاماں کے پاس ملازم رہ چکی ہے۔

مذکورہ مقام کو متبرک سمجھ کر ہنود پوجا پاٹ کرتے ہیں اور ہر سال یہاں پر ایک میلہ لگتا ہے۔ موضع بھام[۲] جو کہ ماہل پور سے بطرف مغرب سات میل کے فاصلے پر ہے کے متعلق ایک روایت زبان زد عام ہے کہ یہاں پر پانڈوں

سہدیو جو کہ گائیں کی شناخت کا ماہر تھا اپنا ہنر بتلا کر افسر مویشی ہو گیا اور کہا کہ وہ راجہ یدہشٹر کے ہاں اسی کام پر مامور تھا۔ ارجن لڑکیوں کو گندھرب ودیا سکھلانے کے لیے ملازم ہو گیا۔ نکل جو کہ گھوڑوں کی شناخت اور سواری کا ماہر تھا افسر اصطبل پر تقرر ہو گیا۔ کیچک نامی سودشیتہ کیکئی رانی کا بھائی راجہ وراٹھ کا سالا اور فوجوں کا کمانڈنگ تھا وہ دروپدی کی خوبصورتی پر فریفتہ ہو کر بری نگاہ سے تکنے لگا جس کو ایک رات حسب اطلاع دروپدی نے پہلے ہی رانی سے کہہ دیا تھا کہ جو کوئی اس کی طرف بری نگاہ سے دیکھتا ہے اس کو گندھرب دیوتا جس کی وہ اپاسک ہے مار ڈالتا ہے کچھ عرصہ کے بعد ترگرت دیش کے راجہ سوشرماں سے مہاراجہ دریودھن سے کہا کہ تس راج یعنی وراٹھ نے اس کو موقع بموقع پر سالا کی امداد کرنے پر بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ اب کیچک مارا گیا ہے اگر آپ امداد کریں تو ہم راجہ وراٹھ پر فتح حاصل کر کے بدلہ چکا دیں۔ اول اس کی ایک لاکھ گائیں چھین لیں اور نقصان پہنچا کر ملک پر قابض ہو جائیں بعد مشورہ بروز کرشن اشٹمی راجہ سوشرماں معہ کافی تعداد فوج چڑھ کر چلا اور جاتے ہی راجہ وراٹھ کی گائیں قبضہ میں لے لیں۔ یہ خبر سن کر راجہ وراٹھ معہ اپنے بھائی شتانیک اور مدراکھیا، سورج رات اور شنگھ پسران خود اور چند سے فوج یدہشٹر بھیم سین اور سہدیو حملہ آور ہوا۔ یدھ شروع ہوا۔ بحالت یدھ راجہ وراٹھ کو سوشرماں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ دیکھ کر پانڈو دوڑے، چنانچہ راجہ یدہشٹر نے ایک ہزار بھیم سین نے سات ہزار نکل نے سات سو سہدیو نے تین سو شور بیر (بہادر) مار ڈالے اور راجہ کو چھڑا لیا تب راجہ سوشرماں بھاگ نکلا بھیم سین نے دوڑ کر پکڑ لیا اور اس کو راجہ یدہشٹر کا غلام کہہ کر چھوڑ دیا۔ اس بہادری کو دیکھ کر راجہ وراٹھ پانڈوں کی بڑی عزت کرنے لگا۔ ابھی تک ایک طرف مقابلہ برسرپیکار تھا کہ دوسری طرف سے راجہ دریودھن نے وراٹھ نگری کو خالی پاکر گئوشالہ سے چھ ہزار گائیں چوکیداروں کو قتل کر کے لے گیا۔ بھومی جیہ پسر راجہ وراٹھ جس کو اوتر کے نام سے پکارا جاتا تھا گھر میں موجود تھا۔ جب اس کو خبر ہوئی تو وہ حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر اس کے ساتھ مددگار نہیں تھا۔ اس پر دروپدی نے کہا کہ یہ شخص برہنلا نامی ارجن اور راجہ یدہشٹر کا ساتھی رہ چکا ہے اور بان چلانے میں ماہر ہے اوترا کماری ارجن کی شاگرد کہنے لگی کہ اے راجکمار اوترا کوروں پر فتح حاصل کرنے کے بعد میرے لیے عمدہ پارچات لیتے آنا جب کوروؤں کا لشکر راج کمار اوتر کو نظر آیا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور رتھ چھوڑ کر بھاگ نکلا جس کو ارجن نے پکڑ کر رتھ کے ساتھ باندھ دیا اور رتھ کو اس جگہ لے گیا جہاں پانچوں بھائیوں یعنی پانڈوؤں نے شستر خود رکھے ہوئے تھے۔ اور کہنے لگا کہ اس درخت پر میرے اور میرے بھائیوں کے شستر خود ہیں وہ سب اتار لاؤ۔ میں خود یدھ (جنگ) کروں گا اور تم سارتھی بن کر خاموش رہو۔ جب اوتر کو معلوم ہوا کہ یہ ارجن ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور درخت پر چڑھ کر تمام شستر خود دیکھ کر حسب نشان وہی ارجن کے اس کا ڈھنکھا اتار لایا پس ارجن نے اوتر کو سارتھی بنایا اور کوروؤں کے ساتھ یدھ شروع ہو گیا پہلے ایک بان چارج کیا چارج بھیشم کے چرنوں پر مار کر بموجب اصول کشاتر دھرم گویا ان کو پرنام کیا انہوں نے ارجن سمجھ کر آشیرباد دی اور یدھ شروع ہو گیا۔ جس میں ارجن کو فتح حاصل ہوئی اور پارچات وغیرہ لا کر اوترا کماری کو دیئے اور اس دوران میں مدت ایک سال باقی ماندہ بن باس کی بھی ختم ہو گئی۔ اس کے تیسرے دن پانڈو شناخت ہو گئے۔ پھر راجہ وراٹھ معافی کا خواستگار ہوا اور اپنی بیٹی اوترا کو ارجن سے نکاح کر دینا چاہتا تھا۔ مگر ارجن نے یہ کہہ کر کہ میں نے ایک بچے کی طرح تعلیم و تربیت کی ہے لہٰذا میں اسے اپنے پسر ابھمن کے لیے رشتہ قبول کرتا ہوں۔ اس کے بعد سری کرشن جی ابھمن کو لے کر آئے اور اوترا کماری کی شادی ہو گئی۔

(مہابھارت منظوم ناشر منشی نول کشور کانپور) (صفحہ: ۵۲، ۱۵۱، ۱۵۰)

[۲] ہوشیار پور گیزیٹیر ۱۹۰۴ء صـ ۱۴ جغرافیہ ہوشیار پور مؤلف ہیمراج بی اے

نے اپنی جلاوطنی کے دن گزارے تھے جس کے آثار ابھی تک ایک مندر اور ایک شوالہ کی شکل میں تعمیر شدہ ہیں۔ عمارتوں کی اینٹوں اور چنائی کے مسالہ سے یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ یہ عمارتیں دور پانڈوؤں کے متعلق ہیں۔ اس مقام پر بھی اہل ہنود ان کی یاد میں تہوار مناتے ہیں۔ پُر فضا مقام ہے موضع 'کساٹا' جو کہ بطرف شمال جیجون بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ وہاں پر بھی پتھروں کی سلوں سے تعمیر شدہ ایک مندر ہے ایک عرصہ کے بعد دریافت ہُوا تھا اور تحقیقات پر پتہ چلا کہ یہ قدیم عمارت بھی دور پانڈوؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ اہل دیہہ نے اس کو متبرک سمجھ کر اس کے آثار کو محفوظ کر لیا تھا۔ حسب دستور سابق یہاں پر بھی اہل ہنود اجتماع کر کے تہوار مناتے ہیں۔

نواح ہوشیار پور میں دوآبہ بست جالندھر ایام قدیم میں چندر بنسی راجپوتوں کی راجدھانی تھا جیسے جیسے ان کی فتوحات بڑھتی گئیں۔ کانگڑہ بھی ان کے زیر سلطنت رہا تھا۔ یہ راجپوت بادشاہ چندر بنسی اپنے رشتہ تعلقات کو سُوشرماں چندر کی اولاد سے ظاہر کرتے ہیں اور اُن کے آباؤاجداد کے تحت ملتان تک کا علاقہ زیر سلطنت رہا تھا اور اُنہوں نے ہندوستان کی مشہور جنگ 'مہابھارت' میں بھی دل و جان سے شمولیت کی تھی لیکن اس جنگ میں اپنا علاقہ ملتان ہاتھ سے دے بیٹھے اور صرف جالندھر تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ یہاں پر اُنہوں نے اس علاقے کو بطور ایک ریاست قائم رکھنے کی بُنیاد رکھی تھی جو کہ صدیوں تک قائم رہی۔ جب مُسلمان حکمرانوں کی آمد کا آغاز ہُوا اس وقت یہ ریاست انھی کے پاس تھی اور سلطنت قائم تھی[۲]

بقول چینی سیاح ہیوں سانگ 'ساتویں صدی عیسوی میں اُن کی سلطنت کی وسعت مشرق سے مغرب تک ۱۶۷ میل اور شمالاً جنوباً ۱۳۳ میل تھی جس میں کانگڑہ کا علاقہ بھی شامل تھا اور ان کے زیر حکمرانی تھا۔ ان کے دور حکومت میں عوام امن و چین کی زندگی بسر کرتے تھے اور خوشحال تھے۔

مُسلمانوں کا دور

سرزمین ہوشیار پور میں تیمور لنگ جنوری ۱۳۹۹ء میں حملہ آور ہُوا۔ اس سے پہلے کہ اس نے سلطنت دہلی کو تاخت و تاراج کر کے اور رتن سین راجہ کو شکست فاش دی تھی اور اس کی افواج پیش قدمی کرتے ہوئے کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں

۲۔ ہوشیار پور گزیٹیئر ۱۹۰۴ء صہ ۱۴ جغرافیہ ہوشیار پور مؤلف پنڈت ہیمراج بی۔اے

وادی جسوان دُون تک پہنچ گئیں تھیں۔ جسوان دون کے علاقے تک رسائی کر کے اُسے معلوم ہُوا کہ نگر کوٹ (موجودہ نام کانگڑہ) یہاں سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے دشوار گزار گھاٹیوں اور جنگلوں میں سے ہو کر گزرنا پڑتا ہے۔ تمام راجے اور رانے اس کے نواح میں حکمران تھے اُن کے پاس اپنی اپنی علیحدہ فوجیں تھیں، مگر باوجود ان مشکلات کے اس نے آگے بڑھنے سے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے ان تمام راجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح و کامرانی نے اس کے قدم چُومے۔ اس علاقے میں اس کی حکمرانی ہو گئی۔ ان فتوحات میں بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا جس میں زیادہ تر مویشی تھے۔ تیمور لنگ نے اس علاقے میں ۲۲ جنوری سے لے کر ۲۴ فروری ۱۳۹۹ء تک یعنی ایک مہینہ دو دن میں بائیس جنگیں لڑیں۔ ان جنگوں میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا جس کو اس نے اپنی فوج میں تقسیم کر دیا اور فوج مال غنیمت کو حاصل کر کے مزید حوصلہ افزا ہو گئی تھی۔ تیمور لنگ نے ہوشیار پور کے علاقے کے آٹھ مضبوط قلعوں پر فتوحات حاصل کیں اور اپنی طاقت کا لوہا منوایا جن علاقوں کو اس نے فتح کیا۔ ان علاقوں میں چار پانچ طاقت ور حکمرانوں جن میں سے ایک امیر شیخا بھی تھا۔ وہ ملک شیخ کھوکھر کا رشتہ دار تھا۔

امیر شیخا نے اس کو علاقے واپس لینے کے لیے ملک شیخ کھوکھر کو مزاحمت کرنے کے لیے اکسایا اس مزاحمت میں تیمور لنگ کے خلاف ملک شیخ کھوکھر کے دو ہزار آدمی موت کے گھاٹ اُترگئے، مگر ان کو شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ میدان جنگ سے بھاگ کر اور جان بچا کر راہ فرار اختیار کر گیا۔

تیمور لنگ نے شاندار فتح حاصل کرنے کے بعد رعایا میں اعلان کرایا کہ اس علاقے میں عوام سابق دَور میں ہندوستان کے راجاؤں کو جزیہ/ٹیکس دیتے رہے تھے، لیکن اب ایک عرصہ سے وہ مضبوط طاقت بن گئے تھے اور ان کے قدم اس سرزمین میں خوب جم گئے تھے وہ اس قدر مضبوط اور طاقتور ہو گئے تھے کہ اُنہوں نے اپنی اپنی فرمانبرداریوں کو ترک کر دیا تھا اور ایک ایسا طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ وقتاً فوقتاً اپنے حریفوں کو خوش کرنے کے لیے اُن کی مٹھی گرم کر دیتے تھے اور خود اس دوران میں اس علاقے کے تمام کھوکھر آہستہ آہستہ طاقتور ہوتے گئے مگر اس کے برعکس ان کے کئی ایک حریف بھی پیدا ہو گئے تھے۔ رعایا سخت پریشان تھی اور اس علاقے میں سخت ابتری پھیلی ہُوئی تھی۔ ۱۴۲۰ء میں سارنگ خان نامی بجواڑہ[1] میں آیا۔ اس وقت یہ علاقہ جالندھر راجدھانی میں تھا۔ اس نے بھاری تعداد میں لشکر جمع کیا اور پیش قدمی کر کے

---

[1] بجواڑہ ہوشیار پور سے جنوب مشرق کی طرف دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کو غزنی کے تین شخصوں جن میں سے ایک شخص باجو باورا مشہور گویا تھا پہلے اس کا نام 'باجی باورا' تھا جو بگڑ کر بعد میں بجواڑہ مشہور ہو گیا۔ اس کا گرد اور قبہ بارہ کوس میں تھا۔ اکبر بادشاہ کے وزیر راجہ ٹوڈرمل نے اس شہر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیے تھے۔ سردار بھوپ سنگھ فاضل پوریے نے اس پر قبضہ کیا پھر ۱۸۰۱ء میں سنسار چند نے چھین لیا۔ سنسار چند

دریائے ستلج تک پہنچ گیا تھا۔ بعد میں روپڑ کے مقام پر اہلِ روپڑ کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے جنگ کی، لیکن ملک سلطان شاہ جاگیردار سرہند نے اسے شکست فاش دی اور وہ بھاگ کر کوہ شوالک کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا اور پناہ تلاش کرنے لگا مگر اُسے پناہ نہ ملی وہ گرفتار ہُوا اور بعد میں اُسے قتل کر دیا گیا۔

۱۴۲۱ء میں جسرتھ کھوکھر نے بھرپور بغاوت شاہانِ دہلی کے خلاف کر دی لیکن ۱۴۲۸ء میں اس کو دریائے بیاس کے کنارے نواح کانگڑھ میں شکست فاش ہُوئی۔ بہلول لودھی کے دَورِ حکومت میں افغان فوجیوں کی یہاں پر بستیاں آباد ہوگئیں تھیں۔ ابراہیم خاں سُور پسر حسن خان شیر شاہ سُوری کا باپ افغانستان سے یہاں آیا تھا اور وہ محبت خاں سُور کی فوج میں شامل ہوگیا تھا۔ داؤد ساہو خیل جس کو سلطان بہلول نے ایک جاگیر ہریانہ یا کھالا (پنجاب) میں دے رکھی تھی۔ اس جاگیر پر اس کی گزران بسر ہوتی تھی اور وہ پرگنہ بجواڑہ تک آ کر آباد ہو گئے تھے۔ قصبہ ملوٹ کی اس عہد میں تاتار خاں یوسف خیل نے بُنیاد رکھی تھی جس میں شیر شاہ سُوری کا ایک جرنیل حمید خاں کھوکھر تھا اور وہ حمید خاں کھوکھر نگر کوٹ جوالہ دودوال اور کوہ جموں تک مضبوط قلعہ جات رکھتا تھا۔ اس پہاڑی علاقے میں اس کا کوئی حریف نہیں تھا جو اس کے خلاف جنگی مہم شروع کرتا۔ اس نے رعایا سے جزیہ یا ٹیکس جمع کیا اور ایک ناقابلِ تسخیر طاقت بن کر اُبھرا۔

۱۵۲۵ء میں بابر[1] نے حملہ کیا اور اہلِ قصبہ ملوٹ نے بابر کے حملے میں ایک نمایاں کردار یعنی بھرپور طاقت سے جواب دیا۔ اس وقت صُوبہ پنجاب کا دَولت خاں لودھی گورنر تھا۔ جنگی مہم کلانور سے واپسی پر غازی خاں کو دولت خاں کو مغلوب کرنے کے لیے فوج دے کر بھیجا اور اس کو ہدایت کی کہ اگر وہ ناکامی و شکست کا منہ دیکھیں تو محافظ فوج کے ہمراہ ملوٹ سے

نے یہاں ایک مضبوط قلعہ بنوایا جو ۱۸۲۵ء میں رنجیت سنگھ نے ہتیا لیا۔ دورِ برطانوی کے وقت یہ قلعہ فوجی زنداں تھا لیکن اس کو بعد میں گرا دیا گیا تھا۔ اب تک اس کے دو برج باقی ہیں۔ یہاں پر حضرت شیخ اعظمؒ کا مزار بھی ہے۔ مولانا اُستاد غلام قادر گرامی نے اُن کے متعلق مندرجہ ذیل دو رُباعیاں تحریر کی ہیں۔

(جغرافیہ ہوشیار پور مؤلفہ پنڈت ہیمراج بی اے صفحہ ۴۵)

اعظمؒ آن شیخ ماچہ ملال نسبت   آنانکہ بحکم خضر برکردہ علم
بر ما نظرش بے سببی سبب ست   افشردہ بخاک پاک بجواڑہ قدم
برقِ نگہ مرشد ما را سوخت   گفتم کہ بود شہر ما از ابدال
خاکستر ما سرمہ چشم ادب ست   بر چرخ ستارہ گفت اعظمؒ اعظمؒ

[1] ظہیر الدین محمد بابر ۲۴ر فروری ۱۴۸۳ء کو فرغانہ کے حکمران عمر شیخ مرزا کے یہاں پیدا ہُوئے۔ ۱۴۹۴ء میں عمر شیخ مرزا کے انتقال کے بعد فرغانہ کا تخت و تاج صرف گیارہ سال کی عمر میں بابر کے حصے میں آیا۔ عمر شیخ مرزا نے اپنے والد کی طرف سے چوتھی پشت میں عظیم حکمران

بحفاظت راہ فرار اختیار کریں۔ غازی خاں نے دریائے بیاس کو موضع کاہنواں کے پتن سے عبور کیا اور تین مرحلوں میں ملوٹ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر حملہ کے لیے تیاری کی جب حملہ شروع ہُوا تو دوران جنگ غازی خاں نے راہ فرار اختیار کی اور باغیانہ رویّہ اختیار کیا۔ اس کے بعد دولت خاں لودھی نے بھر پور حملہ کی تاب نہ لاکر ہتھیار ڈال دیے اور شہنشاہ بابر کی اطاعت قبول کر لی اور وہ اپنے علاقے سے دست بردار ہو گیا۔ بابر نے اس کی قیمتی اور نایاب قسم کی کتابوں پر قبضہ کر لیا اور قلعہ پر اپنے حکمران ہونے کا اعلان کر دیا غازی خاں نے اپنے کنبہ کی پرواہ کیے بغیر راہ فرار اختیار کی۔

شہنشاہ بابر نے فتح و کامرانی کے بعد قلعہ کو محمد علی جنگ جانگ کی سپرداری میں دے دیا اور خود براستہ ملوٹ ڈون پہنچ گیا۔ اس کے بعد تاردیکا کو بیرم خاں کے ساتھ غازی خاں کے تعاقب میں بھیجا قلعہ کن کنا نواح ڈون میں جس کو علیم خاں نے فتح کیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے شکست کے بعد بادشاہ بابر کی اطاعت قبول کر لی۔

پھر بعد میں جنوان ڈون سے روپڑ کی طرف بھاگ گیا، مگر جلد ہی پانی پت میں شکست ہو گئی۔ بابر کے پے در پے حملوں نے مکمل طور پر افغانی طاقت کو کوہ شوالک اور اس کے گرد و نواح علاقوں کو مفلوج کر دیا۔ ۱۵۲۶ء میں سلطان

تیمور لنگ صاحب قرآن اور اپنی والدہ قطلغ نگار خانم جو یونس خاں کی لڑکی اور چنگیز خاں کے لڑکے چغتائی کی نسل سے تعلق رکھتی تھیں سے متعلق تھا؛ چنانچہ بابر شہنشاہ کی رگوں میں اپنے والد کی طرف سے چغتائی ترک اور والدہ کی طرف سے منگول خون دوڑ رہا تھا۔ شہنشاہ بابر کا والد اور فرغانہ کا حکمران عمر شیخ مرزا سلطان ابو سعید خاں کے نو بیٹوں میں سے ایک تھا۔ ۱۴۵۲ء میں وہ فرغانہ کے تخت پر بیٹھا اس وقت تیمور لنگ صاحبقراں کی وسیع و عریض سلطنت میں صرف یہی ایک علاقہ باقی رہ گیا تھا۔ ۱۴۶۹ء میں سلطان ابو سعید خاں کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے سب سے بڑے لڑکے محمود خاں کو بدخشاں اور حصار کے علاقے اور چوتھے لڑکے الغ بیگ کے حصہ میں کابل اور غزنی آئے۔ پانچویں لڑکے یعنی بابر کے والد عمر شیخ مرزا کو فرغانہ کا علاقہ ملا۔ جس کا دار الحکومت اندجان تھا۔ اس وقت تیموری نسل میں سب سے زیادہ طاقت ور حکومت سلطان حسین بیقرا کی تھی جو خراساں سے ہرات تک پھیلی ہُوئی تھی۔ مشرق میں بدلخ تک مغرب میں بستام اور دمغان تک شمال میں خوارزم (خیوا) اور جنوب میں قندھار تک اس کے علاقہ جات پھیلے ہُوئے تھے۔ ۱۴۹۴ء یونس خاں کا لڑکا احمد خاں انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی محمود خاں نے لی لیکن ایک سال میں فوت ہو گیا۔ اس کا علاقہ اس کے دو لڑکوں میں تقسیم ہو گیا۔ ۱۴۹۴ء میں عمر شیخ مرزا کی وفات کے بعد فرغانہ کا تخت بابر کے حصہ میں آیا جس کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ اس ابتدائی دور میں بابر اپنے رشتہ داروں کے خلاف مسلسل جنگ و جدل میں مصروف رہا۔ آخر کار ۱۴۹۷ء میں بابر نے تاریخی شہر سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد شدید علالت کے باعث سمرقند اور فرغانہ سے ہاتھ دھو بیٹھا بلکہ اپنی بہن کا رشتہ سردار ازبک شیبانی خاں کے ساتھ کر دیا۔ ۱۵۰۲ء میں بابر اور اس کا ماموں محمود خاں نے فرغانہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا؛ لہٰذا اس نے ۱۵۰۴ء میں کابل کو فتح کیا اور بادشاہ کا لقب اختیار کیا اس دوران بابر کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا خیال پیدا ہُوا۔ ۱۵۰۵ء میں اس نے بادام چشمہ، اونا پور اور حمود کے راستے پہلا حملہ کیا اور دریائے سندھ کے مغرب میں کوہاٹ اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں تک چڑھائی کر دی۔ اُدھر ناصر مرزا نے غزنی سے روانہ ہو کر بدخشان کی حکومت سنبھال لی، مگر اُسے چند ماہ بعد واپس آنا پڑا۔ ۱۵۰۶ء میں جہانگیر مرزا نے بغاوت کر دی اور غزنی کو تباہ کرنے کے بعد منگولوں سے جا ملا بابر کو اس مہم میں خاصا نقصان

سکندر خاں افغان کو ہمایوں بادشاہ کے جرنیلوں نے شکست دے کر کوہ شوالک کی طرف بھگا دیا وہاں مغل رہبران حکومت اس کو شکست دینے اور گرفتار کرنے کے لیے بھیجے گئے۔

سلطان سکندر افغان نے ایک بار پھر فوجی طاقت جمع کر کے اپنی سلطنت واپس لینے کے لیے ایک نئی کوشش کی مگر اس دوران میں تازہ دم فوج نے کوہ شوالک کے نواح میں سلطان سکندر شاہ کو شکست فاش دی اور وہ کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں فرار ہوگیا۔ بیرم خاں جو ہمایوں کی فوج کا سپہ سالار تھا سلطان سکندر شاہ کو شکست دینے کے بعد چھ ماہ تک شکار میں مشغول رہا۔ ۱۵۶۰ء میں بیرم خاں خود اکبر بادشاہ کا حریف بن گیا مگر اکبر کی فوج نے اس کو دریائے بیاس کے کنارے سے موضع تلواڑہ تک دھکیل دیا دوبارہ پھر بیرم خاں نے اکبر کے خلاف راہوں ضلع

اٹھانا پڑا ستمبر ۱۵۰۰ء میں ہندوستان پر دوبارہ حملہ کرنے کی ٹھان لی مگر مندادڑ کے پاس پہنچنے کے بعد بابر نے دوبارہ کابل کا رُخ کیا۔ ۱۵۱۰ء میں بابر کو شیبانی خاں اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے درمیان جھڑپوں کی اطلاع ملی۔ شیبانی خاں اور شاہ اسمٰعیل صفوی کے درمیان ۲ دسمبر ۱۵۱۰ء کو مرو کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی شیبانی خاں مارا گیا۔ بابر کو اپنی بہن واپس مل گئی شیبانی خاں کی ہلاکت کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی کی فتح کے بعد بابر اور صفوی کی افواج نے مل کر بخارا کا رُخ کیا اور شہر کو فتح کر لیا بعد ازاں سمرقند کو بھی فتح کر لیا۔ اکتوبر ۱۵۱۱ء میں شہنشاہ بابر نے سمرقند میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اب اس کی سلطنت میں تاشقند کابل قندوز، حصار سمرقند، بخارا اور فرغانہ شامل تھے۔

۱۵۲۶ء میں پانی پت کی جنگ کے بعد بابر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ۱۵۰۵ء میں کابل کی فتح کے بعد اس کے دل میں ہندو پاک پر پرچم لہرانے کی خواہش اُبھرتی رہی تھی۔ ۱۵۱۹ء کے شروع میں بابر نے باجوڑ اور بھیرہ پر حملہ کیا۔ اس نے ہندو بیگ کو بھیرہ کا گورنر مقرر کیا اور خود کابل چلا گیا۔ (تاریخ ہند)

لہٰذا چوتھی مرتبہ ۱۵۲۴ء میں پنجاب کے دولت خاں لودھی نے اس کو حملہ کی دعوت دی تھی۔ کیونکہ دہلی کے سلطان ابراہیم لودھی کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ دولت خاں لودھی گورنر لاہور تھے۔ اس وقت عالم خاں ابراہیم لودھی کا چچا گجرات کے سلطان مظفر کے تحفظ میں تھا۔ ابراہیم لودھی کے خلاف بغاوتوں کے دوران لاہور کے گورنر دولت خاں لودھی نے اپنے لڑکے غازی خاں کو دلی بھیجا غازی خاں نے واپسی پر دولت خاں لودھی کو متنبہ کیا کہ ابراہیم لودھی اُسے لاہور کی گورنری سے معزول کرنا چاہتا تھا۔ دولت خاں لودھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا: لہٰذا اس نے ایک پیغام کے ذریعے بابر کو دعوت دی تھی۔ اس موقع پر اس کے چچا عالم خاں نے بھی کابل میں بابر کے پاس درخواست کی اس طریقے سے بابر کا قبضہ لاہور پر ہوگیا۔ پھر فوراً دیپالپور پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ وہیں پر دولت خاں لودھی اور اس کے دونوں بیٹے غازی خاں اور دلاور خاں بھی اپنی افواج کے ہمراہ آن پہنچے۔ بابر نے دولت خاں لودھی کو لاہور کا قبضہ دینے کے بجائے اس کو جالندھر اور سلطان پور میں اپنا نائب مقرر کر دیا جس سے دولت خاں لودھی کی دل شکنی ہوئی۔ لہٰذا وہ اپنے لڑکے غازی خاں سمیت روپوش ہوگیا اور دوسرا لڑکا دلاور خاں بابر سے وفاداری کے صلہ میں سلطان پور کا حکمران اور خان خاناں کا لقب اختیار کیا۔ بابر ایک بار پھر ازبکوں کی سرکشی کو فرو کرنے کے لیے بلخ چلا گیا تھا بلخ کی بغاوت فرو کرنے کے بعد بابر نے کمسن بیٹے کامران مرزا کو کابل اور قندھار کا کنٹرول دینے کے بعد ایک بار پھر ہندوستان کا رُخ کیا۔

سیالکوٹ پہنچ کر عالم خاں کی ناکامی کی خبر ملی۔ دولت خاں لودھی اور اس کا لڑکا غازی خاں بابر کی آمد کی خبر سن کر بھاگ گیا۔ اُنہوں نے

جالندھر کے نواح گناچور طاقت آزمائی کی۔ مگر شومئے قسمت اس دفعہ پھر شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔ بیرم خاں اس سانحے سے پریشان ہوکر کوہ شوالک کے دامن میں داتار پور کے راجہ گنیش کے پاس پناہ گزین ہوا اور موضع تلواڑہ کو اپنا مستقر بنایا۔ اب چاروناچار اکبر بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی ۱۵۹۶ء میں جسوا والہ کے زمینداروں نے جب

قلعہ ملوٹ میں پناہ لی مگر بعد میں حالات کے پیش نظر ہتھیار ڈال دیے اور بھیرہ کے مقام پر آتے ہوئے فوت ہوگیا۔ بابر نے اس کے بعد دلی کا رُخ کیا اور ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ ابراہیم لودھی اور اس کے مددگار گوالیار کا راجہ بکرماجیت کے درمیان ہوئی فتح کے بعد دلی پہنچا اور آگرہ کی طرف اپنے بیٹے ہمایوں کو بھیجا تاکہ خزانہ پر قبضہ ہوسکے۔ اس موقع پر راجہ گوالیار کے بیوی بچے آگرہ میں قلعے میں موجود تھے۔ ان کے ساتھ ہمایوں نے شریفانہ سلوک کیا جس سے متاثر ہوکر راجہ کی بیویوں اور بچوں نے قیمتی ہیرے اور جواہرات بطور تحفہ پیش کیے۔ انہی جواہرات میں مشہور عالم کوہ نور ہیرا بھی تھا۔ ۱۵۲۷ء کو جنگ کنواہہ میں فتح حاصل ہوئی۔ پھر ۱۵۲۸ء کو قلعہ چندیری فتح کیا (یہ قلعہ مالوہ کے جنوب) میں واقع ہے۔ اس متواتر فتوحات میں مئی ۱۵۲۹ء میں قلعہ گھاگھرا فتح کیا۔ بابر شہنشاہ کی وفات ۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء کو بعمر ۴۷ سال میں ہوئی اس کا مزار کابل میں ہے۔ (دور مغلیہ مصنف صلاح الدین ناسک صفحہ ۲۳، ۲۲، ۲۴)

(عہد مغلیہ۔ صفدر حیات صفدر صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷)

ا؎ پنجاب کے بہت سے علاقوں پر ابراہیم عادل کا رشتہ کے بہنوئی احمد خاں سور کی حکومت قائم ہوگئی تھی جس نے بعد ازاں سلطان سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کے سکے جاری کرائے ایسے حالات پیش آئے کہ مزید فتوحات کے لیے گوالیار تک پہنچ گیا۔ عادل شاہ اس کی سرکوبی کے لیے خود گیا لیکن ایک روز جب عادل شاہ شراب کے نشے میں دھت تھا۔ احمد خاں سور چار ہزار گھوڑ سواروں کے ہمراہ دلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس کی بیوی نے اسے اپنے بھائی عادل شاہ کے ارادوں سے پہلے ہی باخبر کردیا تھا۔ دلی پہنچ کر احمد خاں سور نے ابراہیم شاہ سے پنجاب کی حکومت طلب کی۔ مگر حوصلہ شکن جواب پاکر احمد خاں سور نے ابراہیم شاہ کے خلاف ۱۸ مارچ ۱۵۵۵ء کو آگرہ کے شمال مغرب میں تقریباً ۱۸ میل کے فاصلے پر دونوں میں جنگ ہوئی۔ ابراہیم شاہ کو شکست ہوئی اور وہ سانبھل کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے فوجی دستے احمد خاں سور کی وفاداری میں منسلک ہوگئے اور یوں اس نے دلی پر قبضہ کرلیا اور سلطان سکندر شاہ کا لقب اختیار کیا اور اپنے نام کا سکہ جاری کرایا اور اس کی حکومت دلی سے پنجاب اور رہتاس تک قائم ہوگئی تھی۔

بہت سے افغان اُمرا نے اسے اپنا حکمران تسلیم کرلیا تھا۔ جب ہمایوں لاہور کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہاں کے افغان سردار بھاگ گئے۔

رہتاس میں سکندر شاہ کا نائب تاتار خاں کاشی بھی بھاگ نکلا چنانچہ ہمایوں نے جالندھر سرہند اور حصار کے علاقوں کی طرف کسی مزاحمت کے بغیر اپنی فوجیں روانہ کیں۔ اس شکست کے بعد سکندر شاہ نے تیس ہزار گھوڑ سوار سرہند روانہ کیے۔ ہمایوں کے تمام فوجی افسر جالندھر میں جمع تھے۔ مغل فوج ستلج عبور کرگئی۔ اس دوران افغان فوج نے پوری کوشش کی کہ مغل فوج کو دوسرے کنارے تک نہ پہنچنے دیا جائے لیکن اُسے ناکامی ہوئی۔ غروب آفتاب کے وقت مغل فوج نے اپنی کارروائی کا آغاز کیا اور دشمن کے کیمپ میں آگ کے اتنے تیر برسائے کہ افغان اپنا سامان تک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس فوج کی کمان بیرم خاں کے ہاتھ میں تھی۔ جب سکندر شاہ کو اپنی فوجوں کی اطلاع ملی تو اس نے فوج کی کمان خود سنبھالنے کا فیصلہ کیا۔

اسی ہزار گھوڑ سوار مع ہاتھیوں، توپ خانوں کے ساتھ دلی سے سرہند روانہ ہوا۔ ہمایوں نے اپنے لڑکے اکبر کو بھیجا۔ ۲۲ جون ۱۵۵۵ء

شاہی فوج کا اقتدار دیکھا تو انہوں نے فرید مرتضٰے خاں کی زیرِ قیادت قلعہ جموں کو تسخیر کیا۔ کانگڑہ میں امن بحال کیا جس کی وجہ سے اہلِ کانگڑہ نے متاثر ہو کر اطاعت قبول کر لی اور جلد ہی تمام ضلع مسلمانوں کے زیرِ حکمران آ گیا اور رعایا خوشحال اور امن سلامتی کی زندگی بسر کرنے لگی۔

مسلمان دورِ حکومت کا آخری گورنر دوآبہ میں آدینہ بیگ[1] تھا جس کا مقبرہ موضع نیلوئیاں میں واقع ہے۔ بہت قابل جرنیل تھا۔ اس نے سکھوں اور احمد شاہ درانی کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف جنگ کیا۔ اس نے اس

کو خواجہ معظم اور کچھ دیگر افسروں نے اچھی خاصی فوج کے ساتھ افغان فوج پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں سکندر شاہ کو شکست ہوئی۔

سلطان سکندر شاہ نے کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں پناہ لی۔

[1] آدینہ بیگ خاں (تحصیل لاہور میں شرقپور کے موضع پٹی میں ایک آرائیں گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ والدین مفلس تھے۔ بچپن میں وہ ایک مغل گھرانے میں ملازم ہو گیا۔ اس گھرانے کی ملازمت کے دوران ہی اس نے اپنا لڑکپن جالندھر دوآب جلال آباد۔ خان پور اور بجواڑہ میں گزارا جوان ہو کر مغل فوج میں ملازمت کر لی۔ سپاہ گری راس نہ آئی پھر ضلع سلطان پور کے موضع کنگ میں پٹواری کا عہدہ حاصل کر لیا۔ سخت محنت کر کے علاقے کے مالدار لوگوں سے راہ و رسم پیدا کر لی۔ ان میں ایک بااثر ساہوکار لالہ سری نواس دھیر بھی شامل تھا۔

آدینہ بیگ خاں نے اس ساہوکار کی ذاتی ضمانت پر تمام علاقے کنگ کے مالیہ کی وصولی کے اختیارات حاصل کر لیے سلطان پور کا ضلع دار آدینہ بیگ خاں کی کارگزاری اور دیانتداری سے متاثر ہو کر کبھی خزانے کے ساتھ اُسے لاہور بھیجنے لگا۔ آدینہ بیگ خاں نے ان موقعوں سے فائدہ اُٹھایا اور دفتر دیوان (دفتر خزانہ) میں کئی اعلیٰ عہدیداروں کو اپنا دوست بنا لیا تھا۔ ۱۷۳۷ء میں خزانے کے ساتھ آیا ہوا تھا اسے سلطان پور کے ضلع دار کی موت کی اطلاع ملی۔ لالہ سری نواس دھیر کی ضمانت پر نواب ذکریا خاں بہادر سے سلطان پور کی ضلعداری حاصل کر لی اور ۲۱ سال تک سازشوں اور سیاسی چالوں سے پنجاب کا حاکم بننے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر کار مئی ۱۷۵۸ء میں وہ مرہٹوں کا مقرر کردہ حاکم پنجاب ہوا۔ مرہٹوں کے سردار رگھوناتھ کے وطن واپس جانے کے بعد آدینہ بیگ خاں نے اپنے داماد اور سپہ سالار خواجہ مرزا جان کو لاہور کا ناظم اور اس کے بھائی خواجہ سعید خاں کو اس کا نائب مقرر کیا اور خود اپنا لشکر لے کر بٹیالہ چلا گیا۔ اس نے لاہور کے بجائے پنجاب کا دارالخلافہ بٹیالہ پہنچ کر وہ پنجاب کا نظم و نسق درست کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا، لیکن سکھوں نے اس کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن آدینہ بیگ خاں نے سکھوں سے نپٹنے کے لیے مزید فوج بھرتی کر لی اور پنجاب کے تمام سرداروں زمینداروں اور نمبرداروں کو سختی سے یہ حکم بھیجا کہ فلاں کو اپنے اپنے علاقے سے نکال دیں، مگر اس کے برعکس سکھ مقابلے پر آ گئے اور جالندھر دوآب کے مقام پر سردار آہلو سنگھ کے ساتھ لڑائی ہوئی جس میں سردار آہلو سنگھ کو شکست ہوئی اور جاں بچا کر بھاگ گیا۔ لاہور میں خواجہ مرزا خاں نے آس پاس کے علاقوں سے سکھوں کا صفایا کر دیا جسا سنگھ کلال جموں کی پہاڑیوں میں چلا گیا۔ جسا سنگھ ٹھوکا عرف رام گڑھیا نے قلعہ رام گڑھ پر قبضہ کر لیا مگر بعد میں جنگ میں شکست کھا کر بھاگ نکلا۔

آدینہ بیگ خاں کو ابھی حکومت سنبھالے تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ اسے درد قولنج سے بٹیالہ میں موت واقع ہو گئی۔ پھر اس کی وصیت کے مطابق موضع نیلوئیاں ضلع ہوشیار پور میں دفن کیا گیا۔ آدینہ بیگ خاں کا ایک مشہور بسایا ہوا شہر جس کا نام دینہ نگر ضلع گورداسپور میں ہے۔ اس کے انتقال کے بعد پنجاب میں بدامنی پھیل گئی۔ کئی علاقوں پر سکھوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ تقریباً تین سال تک پنجاب کی یہی حالت رہی۔ ۱۷۶۱ء

جنگ کو جہاد کا نام دیا۔ اس جہاد میں اس نے جام شہادت نوش کیا۔

یں احمد شاہ درانی نے حملہ کیا اور پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست دی۔ لیکن درانی کے انتقال کے بعد پنجاب پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا۔
(آدینہ بیگ خاں مؤلف احمد شجاع پاشا)



دَورِ خالصہ

دور خالصہ میں سکھوں کی مختلف مسلوں نے حکومتیں کیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

رام گڑھیا مسل !

جسا سنگھ رام گڑھیا مسل کا بانی ۱۷۵۲ء میں مرزا آدینہ بیگ خاں کے پاس ملازم تھا۔ مرزا آدینہ بیگ خاں کی وفات کے بعد جسا سنگھ رام گڑھیا نے شمال مغربی جالندھر دوآب کا علاقہ فتح کر لیا اور پھر سردار منسا سنگھ رام گڑھیا نے شمال مغربی جالندھر دوآب کا علاقہ فتح کر لیا اور پھر سردار منسا سنگھ گڑھ دیوالیہ ڈالہ والا مسل کے ساتھ جنگ کی لیکن ۱۷۷۶ء میں کنہیا نے ستلج کے پار شکست دے کر دھکیل دیا۔ ۱۷۸۳ء میں کنہیا نے اس کے بعد فوجی طاقت بڑھائی اور حسد سے شکر چاکیہ کے ساتھ مل گیا اور سنسار چند آف کانگڑہ کے ساتھ اتحاد کر لیا جس نے جسا سنگھ کو بلوا کر مقبوضہ علاقہ واپس دلایا جس میں اس کے لڑکے جودھ سنگھ نے ۱۸۰۲ء میں اُسے کامیاب کرایا پھر ۱۸۰۵ء میں HOLKAR (ہولکر) کی نگرانی میں لارڈ لیک نے اس کی مدد کی ۱۸۱۶ء میں خاندانی چپقلش کی وجہ سے رنجیت سنگھ کی مخالفت پر اُتر آیا اس مخالفت کی وجہ سے رنجیت سنگھ نے تمام علاقہ ہتھیا لیا اور یہ علاقہ زیادہ تر دوسوہہ تحصیل پر مشتمل تھا۔

فیض اللہ پوریا مسل !

یہ مسل تحصیل ہوشیار پور میں پٹی پر قابض تھی لیکن ۱۸۱۱ء میں یہ علاقہ ہاتھ سے جاتا رہا، لہٰذا یہ علاقہ رنجیت سنگھ کے جرنیل محکم چند نے ہتھیا لیا تھا جس کی وجہ سے ستلج کے شمالی علاقہ جات سے ہاتھ دھونا پڑے اور یہ علاقہ بھی تحصیل ہوشیار پور کے جنوب مغربی اور دوسوہہ کے علاقہ پر مشتمل تھا۔

کروڑا سنگھ مسل !

یہ کروڑا سنگھیا مسل کا بانی تھا جو اپنے دَور میں ہریانہ اور شام چوراسی کے علاقے پر قابض تھا۔ بعد میں جودھ سنگھ کالیا کی موت کے بعد اس کے پاس چلا گیا۔

ڈالہ والیا مسل ۹۷ ـــ ۱۷۶۶ء

ہری سنگھ سیالبا خاندان کا بانی تارا سنگھ ادر گابا کے ساتھ اس نے اشتراک کیا۔ اس طرح اس نے گڑھ شنکر[1] کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس پر کوٹ پچ خاندان کے گھمنڈ چند کانگڑہ والے نے حملہ کیا لیکن خوشحال سنگھ فیض اللہ پوریا کی بروقت مدد سے اُسے شکست فاش ہوئی لیکن جلد ہی وہ تنہا خوشحال سنگھ کے ساتھ اُلجھ پڑا لیکن بروقت راجہ جسوال کے تعاون اور مدد سے شکست ہو گئی اور بھگواڑہ میں جا کر پناہ گزیں ہوا۔

گڑھ دیوالہ کے چودھری ۴ ـــ ۱۸۰۲ء

گڑھ دیوالہ کے چودھری خاندان منسا سنگھ جو کہ زمین کے لگان کے معاملے میں گھر گیا تھا اور اُسے لگان ادا نہ کرنے پھلاتور میں گرفتار کر لیا گیا۔ یہاں سے کسی نہ کسی طرح وہ فرار ہو گیا اور ڈالہ والہ مسل میں شامل ہو کر آزاد ہو گیا جسا سنگھ رام گڑھیا نے اُسے بھگا دیا لیکن کنہیا کی وجہ سے پھر دوبارہ علاقہ حاصل کر لیا۔ اس کے پوتے مہتاب سنگھ کو پھر رام گڑھیا نے شکست دے کر اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جب راجہ سنسار چند آف کانگڑہ نے دوآبہ حاصل کرنے کی کوشش کی تب مہتاب سنگھ فتح سنگھ آہلووالیہ کے ساتھ اشتراک کر لیا۔ مگر دلدولی کا محاصرہ میں مدد کرتے ہوئے مارا گیا۔

جسوان اور داتار پور کے راجے ۱۷۵۹ء

جسوان اور داتار پور کے راجے ۱۷۵۹ء تک ان تمام علاقوں پر جوان راجاؤں کے پاس تھے بلا کسی چون و چرا قابض ہو گئے اس کے علاوہ سکھ سرداروں نے میدانی علاقوں میں بھی ناجائز حکومتیں قائم کر لیں تھیں پھر ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیے سردار گوردت سنگھ آف سنتوکھ گڑھ نے بھبھور اور تقریباً اُونہ کا چوتھائی علاقہ قبضہ میں کر لیا تھا سردار ہری سنگھ سیالبا نے ضلع انبالہ اور نور پور لے لیا اور راجہ جسوان نے منسوال کا آدھا مالیہ جزیہ کے طور پر دے کر اپنے علاقے میں امن بحال رکھا۔ گڑھ شنکر[1] کے سردار بدھ سنگھ نے تعلقہ تخت گڑھ پر قبضہ کر لیا تھا۔

---

[1] گڑھ شنکر۔ ہوشیار پور اور روپڑ کی سڑک پر ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ مسلمانوں کے حملوں سے پہلے راجہ شنکر داس نے یہاں قلعہ بنوایا جس کو سلطان محمود نے چھین لیا۔ پھر شہاب الدین نے جے پور کے راجہ مان سنگھ کے بیٹوں کو دے دیا۔
۱۱۱۵ء میں راجپوتوں نے یہاں کے رہنے والے جنتوں کو نکال دیا اور خود رہنے لگے ان راجپوتوں میں بڑا سردار روپ چند تھا جو اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت میں مسلمان ہو گیا تھا۔
(جغرافیہ ہوشیار پور مولف پنڈت ہیمراج بی اے)

اس خالصہ دورِ حکومت کی افراتفری میں رنجیت سنگھ کے لیے ایک راستہ کھل گیا جس کی زیرِ سلطنت تمام ضلع ۱۸۱۸ء تک شامل ہو گیا تھا۔ ۱۸۰۴ء میں راجہ سنسار چند آف کانگڑہ نے ہوشیار پور تک قبضہ کر چکا تھا، مگر رنجیت سنگھ نے اُسے شکست دے کر اور اس کے یکے بعد دیگرے جسوان اور داتار پور کے راجاؤں کو شکست دے کر ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور اپنی طاقت کا لوہا منوایا ۱۸۱۶ء میں باجگزاراں سرداران کوہ شوالک کو حکم دیا کہ اپنی اپنی امدادی افواج کے ہمراہ دربار میں حاضری دیا کریں نور پور اور جسوال کے راجاؤں نے تعمیل ارشاد میں کوتاہی کی تو رنجیت سنگھ نے ان کو سزا کے طور پر بھاری جرمانے کیے۔ یہ جرمانے ان کی بساط سے زائد تھے۔ ان میں راجہ امید سنگھ آف جسوان جرمانے ادا کرنے سے قاصر رہا۔ لہٰذا اس نے اپنے علاقے سے دستبرداری اختیار کی اور اس صلے میں صرف ۱۲۰۰۰/- روپے سالانہ کی جاگیر لے لی۔ اس کے بعد اسی طریقے سے علاقہ داتار پور بھی ہاتھ لگ گیا۔ ۱۸۱۸ء میں راجہ گوبند چند مر گیا تو اس کے لڑکے جس نے علاقے کو چھوڑ دیا تھا۔ اس کے صلے میں جاگیر لے لی۔ ضلع کا تھوڑا حصہ جو خالصہ جاگیرداروں کے علاوہ تھا۔ برطانوی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ کوہ شوالک میں جسوان دوں تک کا تقریباً تمام علاقہ جاگیر میں تھا۔ بڑے بڑے جاگیرداروں میں جو کہ سابقہ راجگان جسوان اور داتار پور جس میں انند پور کے سوڈھی اور بکرم سنگھ بیدی ان تمام کی راجدھانی اُونہ تھا۔

دامن کوہ شوالک میں حاجی پور اور مکیریاں[1] کا بڑا علاقہ شیر سنگھ بعد میں مہاراجہ کے گورنر سردار لہنا سنگھ کے پاس تھا۔ دوسوہہ کا علاقہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ شہزادہ تارا سنگھ جو راجہ رنجیت سنگھ کا خیالی بیٹا تھا۔ دے دیا گیا۔ اس کے علاوہ بہت سے مواضع جات میدانی علاقے پر مشتمل سابقہ خالصہ راجاؤں کے پاس تھے جس کو انہوں نے آپس میں پہلے ہی سے تقسیم کر لیا تھا۔ راجہ رنجیت سنگھ کے حریفوں نے ہتھیا لیے تھے۔

مکیریاں ۱ کے اصل مالک قدیم دور میں علوی قریشی تھے جن کی نسبت درشتہ امام محمد بن حنیف علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مولا مشکل کشا علیہ السلام تک ملتا ہے۔ ان قریشیوں کے آباؤ اجداد اوّل سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہوئے اور کسی وجہ سے اسی گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جب عملداری مرزا آدینہ بیگ خاں کی جالندھر دوآب میں ہوئی تو مکیریاں قبضہ کے قریشیوں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کرتے کرتے فوج میں صاحب علم و نقارا ہو گئے۔ ایک مدت تک قریشی مرزا آدینہ بیگ خاں کے مرنے کے بعد بھی حاکم رہے جب خالصہ دورِ حکومت نے زور پکڑا تو مذہبی عداوت کے سبب خالصہ دشمن ہو گیا۔ آخر جےسنگھ کنہیا مسل نے فوج کے ذریعے بھرپور حملہ کیا اور فتح حاصل کر کے تمام علاقہ اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ پھر اس کے لڑکے گوربخش سنگھ کی مسماۃ سدا کور راجہ رنجیت سنگھ کی خوشدامن مالک ہوئیں۔ ۱۲۳۶ھ میں راجہ رنجیت سنگھ نے قصبہ مذکور پر حملہ کر کے اس کی حکومت ختم کر کے اپنی حکمرانی میں لے لیا۔ اس قصبہ میں ایک قلعہ آدانان تھا جس کو سردار خاں اعوان اور اس کے خاندان نے تعمیر کیا تھا۔ اس کو مسمار کر کے خالصوں نے نیا قلعہ تعمیر کر دیا اور اس کو اٹل گڑھ کا نام دیا۔

(تاریخ مخزن پنجاب۔ مفتی غلام سرور قادری)

دَورِ برطانوی

جب سکھوں کی پہلی جنگ آپس میں اور انگریزوں کے ساتھ ختم ہوئی تو حکومت برطانوی کمپنی نے جالندھر دوآب کے علاوہ ہوشیار پور کو بھی شامل کر لیا۔ مسٹر جے۔ لارنس (بعد میں لارڈ) سب سے پہلے کمشنر ٹرانس ستلج ۱۸۴۶ء میں مقرر ہوئے سنے براہِ راست سپریم گورنمنٹ کے زیرِ انتظام کر دیا تھا۔ اس کا انتظام ۱۸۴۸ء تک رہا۔ بعد میں جب کمشنر کو لاہور میں ریذیڈنٹ کے عہدے پر ترقی ہوگئی تو ۱۸۴۹ء میں باقی پنجاب پر بھی قبضہ کر لیا گیا تو اس وقت اس کو ایڈمنسٹریشن بورڈ چلاتا تھا۔

جب اس طریقے سے حکومت برطانوی کمپنی نے پنجاب کے علاقے ہتھیانے شروع کر دیے تو طریقہ واردات سے سرداران کوہ شوالک اور گردو نواح کے راجے رانے مایوس ہو گئے۔ ۱۸۴۸ء میں ویسے ہی سکھوں کی دوسری جنگ شروع ہو گئی تھی۔ جسوان، داتار پور اور کانگڑہ کے راجاؤں میں بغاوت شروع ہو گئی جس سے لارڈ لارنس نے فائدہ اٹھاتے ہوئے راجہ داتار پور کو بغیر کسی مزاحمت کے قید میں ڈال دیا لیکن راجہ جسوان نے مدافعت کی اور اس نے برطانوی کمپنی کے خلاف جنگ کا ارادہ کرتے ہوئے دو مورچے امب اور اکھروٹ میں قائم کر لیے۔ مگر جنگ کی کوئی خاص نوبت نہ آئی۔ تھوڑا بہت نقصان ہوا۔ راجہ مذکور کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا اور اس کے محلات وغیرہ کے علاوہ تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد بحق کمپنی سرکار ضبط کر لی گئیں۔ اس کے بعد بکرم سنگھ بیدی آف اُونہ بھی باغیوں میں شامل ہو گیا۔ حکومت برطانوی کمپنی کی فوجوں نے ہوشیار پور کی جانب پیش قدمی کی اور جب اس دوران میں راجہ جسوان کی شکست کی خبر سنی تو اس نے راہ فرار اختیار کی اور راجہ شیر سنگھ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ مگر گرفتار ہوا۔ اس کی بھی تمام جائیدادیں منقولہ اور غیر منقولہ بحق سرکار کمپنی ضبط ہوئیں لیکن یہ جنگ ختم ہوتے پر اس کو رہا کر دیا گیا اور امرتسر میں بہ اجازت سرکار کمپنی سکونت اختیار کرنے کا حکم صادر کیا گیا۔

غدر و فسادات

جن راجاؤں نے اپنے اپنے علاقے کا دفاع حکومت برطانوی کمپنی کے خلاف جاری رکھا اور کمپنی کے خلاف

سرتاپا مقابلہ کرتے رہے تو حکومت برطانوی کمپنی نے اس دفاعی جنگ کو غدر کا نام دیا اور اسی غدر کا اثر تمام ضلع میں زیادہ اثر انداز نہیں ہوا لیکن گردونواح کے کچھ فوجیوں کو ہوشیار پور ہیڈکوارٹر میں پہلے ہی سے تعینات کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ مزید ڈپٹی کمشنر کرنل ایبٹ کو مزید فوجی کمک دے کر ہوشیار پور ہیڈکوارٹر کو مضبوط بنانے کے لیے بھیجا گیا تھا جہاں پر ۳۳ نیٹو انفنٹری کو زبردست باغیوں کی طرف سے خطرہ تھا۔ ڈاکخانہ کو چھاؤنی سے اٹھا دیا گیا اور رات کو گشتی پہرہ کا سخت انتظام کر دیا گیا تھا تاکہ دفاعی انتظامات کو مضبوط اور طاقتور بنایا جا سکے۔ ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کو ایک سازش کا قیدیوں کے اندر بذریعہ خفیہ اطلاع انکشاف ہوا جس سے پانچ سپہ سالاروں کو قتل کر دیا گیا۔ اس بے چینی کا زیادہ اثر شملہ ملازمین کی وجہ سے ہوا جو کہ بدحواسی اور گمراہ کن خبریں ایک سٹیشن سے دوسرے اسٹیشن پر اپنے نمائندوں کے ذریعے پہنچاتے تھے۔ جالندھر باغیوں کی ایک جماعت جس نے ۱۲۰ میل کا فاصلہ ۲۵ گھنٹوں میں طے کر کے پیش قدمی کر چکے تھے۔ وہ باغی بھی ڈر کے مارے راہ فرار اختیار کر کے دریائے ستلج کے پار بھاگ گئے تھے مگر اس سازش سے اندرونی انتظام میں کوئی خلل نہیں پڑا بلکہ اس کے برعکس برطانوی کمپنی کی مدد ضلع کے عوام نے بطور قرضہ ایک لاکھ روپے بحساب چھ فیصد سالانہ کے سود پر کی تھی۔ جب سرکار برطانوی کمپنی کا دہلی پر مکمل قبضہ ہو گیا تو ہوشیار پور میں اور دیگر اہل قصبات نے اپنے اپنے گھروں میں خوشی کا اظہار نمایاں کرنے کے لیے چراغاں کیا تھا۔

(ڈسٹرکٹ گیزیٹیئر ہوشیار پور ۱۹۰۴ء)

بوقت فسادات دہلی کے مسٹر ایبٹ ڈپٹی کمشنر نے ہوشیار پور ہیڈکوارٹر میں رہ کر سخت انتظامات کیے تاکہ علاقے بھر میں مکمل طور پر امن و امان بحال ہو سکے۔ اس فسادات کے پیش نظر مذکورہ ڈپٹی کمشنر نے تمام انگریزوں کی بیویوں اور بچوں کو دھرم سالہ ہیڈکوارٹر میں پہنچانے کا انتظام کیا اور راجگان آہلووالیہ۔ راجہ راجوڑی، منڈی وغیرہ ٹوانہ کی آٹھ سو نفری پر مشتمل فوجی انتظام پر مامور کیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک یونٹ شیر دل پولیس پلاٹون کا بھی مزید سخت انتظامات کرنے کے لیے تعینات کر دیا گیا۔ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو جیل خانہ کے قیدیوں نے جیل سے کسی نہ کسی طرح نکل کر راہ فرار اختیار کر کے دوبارہ بلوہ کر دیا، مگر اس بلوہ سے کوئی خاص نقصانات نہیں اٹھانے پڑے اور بلوائیوں کا سختی سے محاسبہ کیا گیا۔ عوام میں خوف و ہراس کی لہر کو پیدا نہیں ہونے دیا گیا اور نہ اُسے پھیلنے دیا گیا جو لوگ اس بلوہ فساد میں گرفتار ہوئے اور ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں، لہذا ہوشیار پور ضلع میں بہ نسبت دیگر اضلاع کے بہت کم فسادات رُونما ہوئے۔ آخر کار سرکار برطانوی کمپنی کا تمام ضلع پر مکمل قبضہ ہو گیا۔ اس فساد اور غدر میں ضلع ہوشیار پور کے جن خاندانوں نے کمپنی کے ساتھ بھرپور تعاون بڑھایا اور انگریزوں کے ساتھ دوش بدوش فسادات و جنگی مہمات میں شریک ہوئے۔ ان خاندانوں کو انگریز برطانوی کمپنی نے مختلف خطابوں اور جاگیروں

سے نوازا۔ اُن کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں [۱]

۱ بوٹا رام رائے صاحب ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو بصلہ خدمات اعلیٰ برطانوی کمپنی (بعد برٹش گورنمنٹ آف انڈیا)

۲ بھگوان داس رائے صاحب ۲۰ مئی ۱۸۹۶ء

۳ منشی تارا سنگھ سردار صاحب (تحصیلدار) ۲۱ مئی ۱۸۹۸ء

۴ دیبی سنگھ رائے صاحب یکم فروری ۱۹۰۰ء

۵ میاں رگھوناتھ سنگھ راجہ صاحب یکم فروری ۱۹۰۰ء

۶ وزیر خاں آف بھنگالہ تحصیل دوسوہہ رائے صاحب ۶ مئی ۱۸۷۵ء

۷ رائے میا داس رائے بہادر صاحب (اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر) ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء

۸ سردار بہادر نہال سنگھ رئیس ہریانہ ۱۸۹۵ء کو سردار بہادر کا خطاب دیا گیا۔

ان رئیسانِ ہوشیار پور نے گورنمنٹ برطانیہ کی ہر طرح سے دامے درمے مدد اور تعاون کر کے اور اپنی وفاداری کے صلے میں جاگیریں حاصل کیں۔ ہر طرف امن وامان بحال ہو گیا۔ قوانین کو سختی سے عمل پیرا کرنے کے لیے انتظامات کو سخت کیا گیا۔ رعایا امن وسکون چاہتی تھی، لہٰذا روزمرہ کی زندگی میں اب کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کی حکومت قائم ہو گئی۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کوئی حکومت برسرِ اقتدار ہوتی ہے تو وہ اپنے ساتھ اپنے مذہبی راہنماؤں کو بھی لاتی ہے تاکہ رعایا پر اپنے مذہبی طور طریقے یا طریقوں کے ذریعہ درس وتدریس کرتے رہیں۔ لہٰذا اس حکومت کی مدد سے عیسائی مشنری نے بھی اپنا کام شروع کر دیا جگہ جگہ مشن سکول قائم کیے گئے۔ پادری صاحبان بھی آئے۔ اُن پادری صاحبان کے تاثرات کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ مذہبی اختلافات شروع ہو گئے اور اُن سے مناظرے شروع کر دیئے۔ حالات نے پلٹا کھایا ہندو اور مسلمان مبلغین بھی کھل کر سامنے آ گئے۔ احتجاجات ہوتے رہے، مگر باوجود ان احتجاجات کے کوئی دنگا فساد وقوع پذیر نہیں ہُوا اور نہ ہی کوئی جانی یا مالی نقصان ہُوا۔

برٹش گورنمنٹ آف انڈیا کے دورِ حکومت میں ضلع ہوشیار پور پانچ تحصیلوں پر مشتمل تھا۔ [۲]

---

[۱] تاج التواریخ صفحہ ۲۲،۲۱

۱ مکیریاں ! ضلع کے شمالی گوشہ میں واقع تھا۔ اس میں شمالی سرحد سلسلہ کوہ شوالک بھی شامل تھا۔

۲ ہریانہ ! چنت پورنی سلسلہ کوہ شوالک سے جالندھر سرحد تک تھا۔

۳ اُونہ ! اُونہ اور گڑھ شنکر ضلع کے جنوبی حصہ میں تھا۔ کوہ شوالک کے چشمے ان میں سرحدوں کا کام دیتے تھے۔

۴ ہوشیارپور ! اس میں تعلقہ جنڈباری کو ضلع انبالہ سے ۱۸۵۰ء میں علحدہ کیا گیا۔

۵ گڑھ شنکر ! ۱۸۶۱ء میں تحصیل ہریانہ کو ختم کیا گیا۔ اس کا مغربی حصہ ٹانڈہ پولیس اسٹیشن کی حد میں تھا۔ تحصیل مکیریاں کو دے دیا گیا اور اس کا ہیڈ کوارٹر دسوہہ کو منتقل کیا گیا۔ سلسلہ کوہ شوالک کا ایک حصہ جس کے مشرق میں تحصیل ہریانہ ہوشیارپو اور اونہ کو منتقل کیا گیا اور ہریانہ کا باقی حصہ یا علاقہ ہوشیارپور کے ساتھ ملا دیا گیا جو کہ بعد میں ماہل پور تھانہ گڑھ شنکر کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔

میلے اور تہوار

میلے یا تہوار ہماری ثقافت کا ایک حصہ ہے۔ ان میلوں میں کبڈی اور کشتیوں کے کھیل کھیلے جاتے ہیں زور آزمائی کی جاتی ہے۔ رسہ کشی ہوتی ہے اور جیتنے والی پارٹیوں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ ان میں چند ایک میلے ایسے ہیں جیسا کہ سخی سرور سلطان جن کا مزار اقدس تونگا ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ہے مگر ان کے عقیدتمند ضلع کے ہر گوشے میں پائے جاتے ہیں جن کو سلطانی کہا جاتا ہے ——— ان کا وطن بغداد شریف میں تھا لیکن ان کے آباؤ اجداد چھ صدیوں سے شاہ کوٹ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں رہتے چلے آرہے تھے۔ ان کے عقیدتمند ٹولیوں کی شکل میں ہر سال شاہ کوٹ جا کر عقیدت کے پھول چڑھاتے ہیں۔ ان ٹولیوں کے ساتھ ایک یا دو ڈھول بجانے والے ہوتے ہیں جن کو بھرائی کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جس مقام پر ان کے عقیدتمند زیادہ ہوں وہاں پر ایک مخصوص مقام بنا لیتے ہیں جہاں پر ارد گرد کے مواضع جات کے عوام اکٹھے ہو کر نذرانہ اور فاتحہ پیش کرتے ہیں۔ ان سلطانیوں میں ہندو اور مسلم دونوں حصہ لیتے تھے۔ مثلاً کھترانیاں اور برہمن عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ ان کے عقائد کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہاں مخصوص مقام پر جا کر رات کو زمین پر سو جاتے ہیں اور اس کو پنجابی زبان میں چوکی بھرنا کہتے ہیں۔

سخی سرور سلطان کی اس رسم میں مذہب ہنود میں مسلمانوں کے عقائد اور خدوخال بھی شامل ہیں۔

ایک اور مقدس شخصیت جو کہ خالص ہندو ہے کا نام نامی "گگا" ہے جس کی پوجا بھی تقریباً ضلع کے ہر گاؤں میں کی جاتی تھی۔ زیادہ تر گوجر یا دوسرے کم ترقی یافتہ قبیلے ہندوؤں کے اس کی پوجا کرتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کے پیروکار ہوشیار پور اور کانگڑہ میں پائے جاتے ہیں۔ گگا جس کا تعلق قوم راجپوت اور گوت چوہان سے واسطہ تھا۔ اور گڑھ ڈنڈیرہ نزد بندرابن میں رہتا تھا۔ اس وقت رائے پتھورا حکمران دہلی تھا اور سن تقریباً ۱۱۸۰ء تھا اور یہ کسی موقع پر بٹھنڈہ میں بھی رہتا تھا اس کی بہادری کے متعلق مشہور تھا کہ وہ زمین کی ایک درز میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کی برچھی کی نوک یا انی زمین پر دیکھی گئی۔ ایک روایت کے مطابق جب وہ زمین میں غائب ہو گیا تھا وہ مسلمان ہو گیا تھا گگا کے لیے سانپ مقدس ہے، کیونکہ وہ زمین میں غائب ہو گیا تھا۔ سانپ اس کی گستاخی کی نمائندگی کرتے ہیں اور وہ اسی کی مرھی پر رہتے ہیں۔ یہ مشہور مڑھیاں زیادہ تر کانگڑہ میں پائی جاتی ہیں اور اس کو شبو کا تھان کہتے ہیں۔ یہاں پر سانپ کے کاٹے کا علاج بجاری کرتے ہیں اور دور دور سے لوگ یہاں پر آتے ہیں اور سانپ کاٹے کا علاج کرواتے ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق تمام چھوٹی ذاتوں کے لوگ اس کے معتقد ہیں اسے ظاہرا پیر بھی کہا جاتا ہے۔ وہ ہندو ہونے کے سبب سے اس نے ۔۔۔ا میں محمود غزنوی کے مقابلے میں چوہان راجپوتوں کی قیادت کی تھی۔ اس کا وطن بیکانیر تھا۔ اس سے بعض مقامات پر کرامتیں بھی ظہور میں آئی تھیں۔ اس لیے لوگ اس کے زیادہ معتقد تھے۔ ضلع ہذا میں ایک اور رسم میاں بی بی کے نام سے بڑی عقیدت و محبت سے منائی جاتی تھی۔ جس میں زیادہ تر بوڑھے مرد اور عورتیں شرکت کرتی تھیں۔ اس رسم میں بی بی کے نام کی چوری (ایک کھانے کا نام جس میں گندم کے آٹے کی روٹیوں میں گھی اور شکر ملا کر تیار کیا جاتا ہے) اور میاں کے نام کا حقہ یا چلم بھری جاتی ہے۔ یہ رسم تقریباً تمام ضلع میں دھوم دھام سے منائی جاتی تھی۔ اس کے متعلق روایات کچھ اس طرح سے ہیں۔ گو اس روایت کے متعلق بہت زیادہ کہانیاں بتلائی جاتی ہیں، مگر زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ خواجہ قاسم کے پانچ صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی۔ شاہ میاں۔ بھولن شاہ۔ شیخ مادھو۔ پیر سلطان شاہ اور پیر جھولن شاہ تھے اور پانچ لڑکیاں جن کے اسمائے گرامی جل پری، سال پری، آسمان پری، حور پری اور سبز پری تھے۔ ان میں بھولن شاہ کا مزار بمقام جھونا وال تحصیل گڑھ شنکر میں واقع تھا۔ دوسرے بہن بھائیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے علاقوں میں مشہور تھے اور وہیں ان کے مزارات ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق شاہ مدارؒ جن کے عقیدتمند مدح سرائی کرتے رہتے ہیں۔ رُوم کے شیخ تھے جن کا اسمِ گرامی بدرالدین تھا۔ سیاحی کرتے ہُوئے ہندوستان میں وارد ہُوئے اور وہ اس شخص کے گھر میں قیام کرتے تھے جو بھانڈوں کی طرح باتیں کر کے بادشاہ کا دل خوش کرتا تھا۔ جب ایک دن وہ ایک ایسے ہی میزبان کا مہمان بنا اس کی رسائی بادشاہ تک ہو گئی۔ میزبان نے اس کو شاہ مدار کی رُوحانی تاثرات کا نتیجہ سمجھا۔ شاہ مدار کو میزبان کی لڑکیاں میاں کے نام سے پکارنے لگیں اور وہ ان کو جواب میں بی بی کہتا تھا۔

ان کا اعتقاد مافوق الفطرت کی حد تک پہنچ گیا تھا ایک دفعہ بادشاہ نے وزیر کو مجبور کیا جو اس کے ساتھ حسد رکھتا تھا۔ اس کو حکم دیا کہ وہ شیر سے مقابلہ کرے۔ وہ شیر کا مقابلہ کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اس نے میاں سے مدد کے لیے کہا۔ اُس نے اپنی روحانی طاقت سے بادشاہ سے کہا کہ شیر دربار میں لایا جاوے۔ تاکہ حاسد کو مار ڈالے۔ لیکن شیر نے آتے ہی بادشاہ اور درباریوں کو پریشان کر دیا جو بظاہر میاں خود ہی شیر کی شکل میں تھے۔ لیکن میاں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنا باطن ظاہر کرے۔ لہٰذا میاں نے اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ میزبان کی لڑکیوں نے بہت کوشش کی کہ میاں کے ساتھ جائیں لیکن وہ لڑکیاں بعد میں زمین میں غائب ہو گئیں۔

ہوشیارپور میں مذہبی تہوار

(مُسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے)

میلہ ہولی انندپور میں بڑی دُھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

میلہ بابا گورو دتہ صاحب جو کہ ہرگوبند کے لڑکے اور ہررائے کے باپ تھے اور چھٹے و ساتویں گورو تھے۔

میلہ تخت گورو ہررائے جن کا تعلق ساتویں گورو سے تھا۔ کیرت پور میں پیدا ہُوئے اور یہیں فوت ہُوئے۔ اس کا لڑکا ہرکشن اسی جگہ پر پیدا ہُوا۔

میلہ بابا بدھن شاہؒ جو کہ ایک مسلمان ولی اللہ اور بابا گورو دتہ کے دوست تھے۔ بابا گورو دتہ نے اپنے تمام خادموں کو حکم دے رکھا تھا جو بھی سکھ مجھے ملنے کے لیے آئے وہ سب سے پہلے بابا بدھن شاہؒ کے مزار اقدس پر جائے۔

میلہ چنت پورنی: یہ میلہ چنت پورنی پہاڑ پر لگتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے تھے۔ چنت پورنی تحصیل اونہ میں واقع ہے۔

پیر نگاہا: یہ خانقاہ اونہ سے پانچ میل دُور مقام 'بھولی' میں واقع ہے۔ پہاڑوں کے اندر ایک غار کے

ذریعے اس مقام تک پہنچتے ہیں۔ یہ غار بھی مسلمانوں نے بنائی تھی۔ یہ میلہ جیٹھ مہینے میں ہر جمعرات کو لگتا تھا۔ یہاں پر لوگ اپنے مریض مویشیوں کو علاج کے غرض سے لاتے تھے۔

پنج گاترا ! یہ میلہ بمقام بھبھور دریائے ستلج کے کنارے ماہ بیساکھ کی پہلی تاریخ کو لگتا ہے۔ یہ میلہ خالص مذہبی قسم کا ہے۔ پنج گاترا کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں پر پانچ پتھر رکھے ہوئے ہیں جن کو پانڈوؤں کے بیٹے بطور کھیل پانچ ستارا استعمال کرتے تھے اور پانڈو اس وقت اپنے ذکر فکر و عبادات میں مشغول ہو گئے تھے۔ برم وتی جس کو دریا کا حصہ کہتے ہیں۔ بہت ہی مقدس خیال کیا جاتا ہے

میری ! میری نزد امب ڈیرہ گورو برھاگ سنگھ پر ہولی کا تہوار جس میں زیادہ دوآبہ کے سکھ مالوہ اور ماجھے کے شرکت کرتے ہیں لگتا ہے۔ ایک دوسرا میلہ بیساکھی کے موقع پر لگتا ہے۔

دھرم سال؛ قدیم نام اس کا ٹھاکر دوارہ ہے۔ یہاں پر بیساکھ اور اسوج میں میلہ لگتا ہے۔ ہولی کا تہوار بھی ہوتا ہے۔ زیادہ تر مذہبی جہنت شرکت کرتے ہیں۔ سدھ بدھ ماتا۔ یہاں پر جیٹھ اور ہاڑ میں میلہ لگتا ہے۔ مستورات زیادہ شرکت کرتیں ہیں۔

امبٹہ ! یہاں پر بیساکھ میں میلہ لگتا ہے۔ گردونواح کے لوگ گروہ در گروہ جن کو شبان کی باری کہتے ہیں شرکت کرتے ہیں۔

جتولی۔ ہرولی۔ اس جگہ پر گگا پیر کی یاد میں میلہ لگتا ہے۔ یہ میلہ ماہ بھادوں میں ہوتا ہے۔

بھدرکالی۔ چیت اور اسوج میں میلہ لگتا ہے۔ زیادہ تر ہندو کھتری شرکت ہے

شاہ نور جمال ! یہ میلہ خانقاہ شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ جو کہ دھرم سالہ روڈ پر واقع ہے۔ لگتا ہے۔ دو میلے چیت میں لگتے ہیں۔ ایک میں عورتیں اور دوسرے میں مرد شرکت کرتے ہیں۔

ڈیرہ بہادر پور ! یہ میلہ بہادر پور میں نزد ہوشیار پور ماہ بیساکھ میں لگتا ہے۔

گڑھ دیوالہ ! یہاں پر دیوی کے استھان پر میلہ لگتا ہے۔ یہ میلہ ماہ چیت اور اسوج کے مہینے میں دھرم پور دیوی کے میلے کی واپسی پر ہوتا ہے۔

بوہن (پٹی) ! یہ میلہ بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کی چلہ گاہ پر لگتا تھا۔

سیج ننگل ! یہاں پر میلہ ایک مقدس تالاب پر بابا کالو کی یاد میں منایا جاتا ہے۔

گڑھ شنکر ! یہ میلہ روشنی مولوی صاحب کی خانقاہ پر ماہ ماگھ میں لگتا تھا۔

دھرم پور دیوی ! یہ میلہ کوہ شوالک کے پہاڑوں میں دھرم پور دیوی کے نام کا ماہ چیت میں لگتا ہے۔

کماہی دیوی! یہ میلہ باہ منگل میں کوہ شوالک کے پہاڑوں میں لگتا ہے اور ماہ چیت میں ہوتا ہے۔

جھنگی ماہی شاہؒ! یہ میلہ بمقام جھنگی ماہی شاہ میں ہوتا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس میلے میں شرکت کرتے ہیں میلہ ماہ جیٹھ میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔

جاجہ ! یہ میلہ ماہ محرم میں عاشورہ کے دن ہوتا تھا۔

اہیاپور ! یہ میلہ سخی سرور سلطان کی یاد میں ماہ پھاگن میں منایا جاتا تھا۔

بیساکھی کے موقع پر بھی نوشہرہ، بھٹیاں، بکیریاں، سریانہ اور بودل (گرناصاحب) بیساکھی کے میلے ہوتے ہیں۔

زبانیں

ضلع ہوشیارپور کی زبان عام طور پر پنجابی ہے اور قصبوں میں پنجابی اور اُردو دونوں زبانیں بولی جاتیں ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں پہاڑی بولی (زبان) بولی جاتی ہے۔ پہاڑی بولی درحقیقت عملی طور پر جسوان دون یا پھر تحصیل اُونہ کی حد تک محدود ہے۔ اس کے علاوہ اس ضلع کی زبان پٹوٹس ہے جس میں دو خارجی اور اصلی بولی کے الفاظ ملے جلے ہوتے ہیں۔ ان میں لبانی اور گوجری بولی بھی گوجروں اور لبانہ قبیلے یا قبیلوں میں بولی جاتی ہے۔

لبانی زبان جس میں علحدہ اور اصلی بولی کے ساتھ مقامی الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں۔ گوجری زبان مارواڑی (راجپوتانہ) کے ساتھ بوجہ رقابت اور رشتہ ناطے کی وجہ سے ہے۔

لبانی بولی کی امثال

۱ آوندا ناؤں بگو۔ بلبے دا ناؤں سدھو۔ جاتی دا راجپوت۔ رہنے والا باسیا گریا پرا گونو رکا ہوں دا برس تیہاں تیہاں برسیاں دی۔ کتا جمیندا ری۔

ترجمہ: میرا نام بگو باپ کا نام سدھو قوم راجپوت باشندہ گریا موضع کا ہوں عمر تیس برس اور پیشہ زمینداری ہے۔

۲ سدھارن اک رحمت ناؤں جمیندار جلال آبادی دسے رہنے والا نے اپنے دسلے پرچ جو اونیں تس ساہے دا دینا تھا۔ چار ہجار جو اس بہتے دی اگر اہیاں دی خبر نہیں جو اون ادجھو۔ بھائی جوان تاں ایدے متے لکھے پرچ اجھو کیا تھا ڈلاگی جاگ۔

ترجمہ: اتفاق سے ایک رحمت نام زمیندار جلال آباد کا رہنے والا۔ اس کا اپنا قرضہ جس کے ذمے اس ساہوکار کا چار ہزار روپے تھا۔ اس نے مجھے جائداد دلوائی۔ تب میرے دل میں بات آئی کہ ساہوکار اس جائداد کو چھوٹنے کی اطلاع نہ دے اور خفیہ رکھے کہ اتنا بڑا حساب اس کے کھاتے میں کیسے تلاش یا دریافت ہوگا۔

گوجری بولی کی امثال

میرو ناؤں موتھو میرے باپ کو ناؤں لکھا جات کو گوجر عمر پنجاہ برہیاں دی میرے گھر خورد کم ہل باہنا۔ میں موجو کو نوکر تھو۔ پٹارو کے باہر کر رتھو منتو بولیھ پیو۔ میں گیجا آپاس آپ لیو میں گھر چھڈ آئیو۔ پھر میں مرکائی اوبتھائی آگیو۔

ترجمہ: میرا نام موتھو میرے باپ کا نام لکھا قوم گوجر ہے۔ عمر پچاس سال میرا مکان خورد میں ہے پیشہ ہل چلانا میں موجو کا نوکر تھا۔ مجھے بازو بند کنگن کا ایک صندوقچہ گرا ہوا ملا میں نے اس کو جیب میں ڈال لیا۔ اپنا گھر چھوڑ کر آگیا ہوں پھر میں اسی جگہ واپس آگیا جہاں سے آیا تھا۔

اصلی پہاڑی بولی میں ایک گیت

میرے ادھم پورے دیا ہو نگرا

لت پٹی چادر گوریا کی بندی

لک سوہندا مشکی جن گھگھرا

میرے ادھم پورے دیا ہو نگرا

میرے ادھم پور کے اے گاؤں! خوبصورت لڑکی نے ایک اچھا اور رنگدار اور چھینٹ والا کپڑا پہنا ہوا ہے اور اپنی کمر کے گرد سیاہ رنگ کی گھگھریا پہنی ہوئی ہے۔ اے میرے ادھم پور کے گاؤں۔

رل پردیسیا ہو — تاں رل پردیسیا ہو

داہر داں دے دھکے ہو — داہر داں تاں چگیندی

تاں چوگے پلے پہندی — تاں اوڑھنی رنگا۔ ندی

تاں اہدی میلی جاندی — تاں داہر داں دا رسا ہو

لائی گھر سے جانا

ہو رل پردیسیا

تاں رل پردیسیا ہو

ترجمہ:۔ مَیں اناروں کے درختوں کے نیچے ہوں انار توڑے اور اپنی جھولی میں ڈالے مَیں نے ایک رنگا ہُوا دوپٹہ اوڑھا اور میلہ دیکھنے جارہی ہُوں۔ اے اجنبی پردیسی یہاں میرے پاس اناروں کا رس ہے۔ اسے لے اور گھر چلا جا۔ لے پردیسی مجھے ملو۔

ایک لبانی گیت

گھوھا کنارے کھیلوں ماہرا لال
سہیولے بن باری رے

ترجمہ: مَیں چاہتی ہوں کہ مَیں کنویں کے نزدیک کھیلوں میرے پاس ایک آئینہ اور ایک سیاہ (سرمئی رنگ) کی سُوئی ہو۔

کھلوتری کیوں ماری ماہرا لال
چھوڑو پکڑ منگلی ماہرا لال

ترجمہ: میرے پیارے مجھے کیوں مارتے ہو جب کہ مَیں کھیل رہی ہُوں۔ میرے پیارے! تمہیں لڑکوں نے پکڑ رکھا ہے۔

اقوام

گڑھ شنکر کے شمال میں اور اس کے گرد و نواح میں بارہ گاؤں 'بھنوٹ راجپوتوں' کے ہیں اور یہ گاؤں سنا در سلیم پور اور پوسی پر مشتمل ہیں۔ یہ لفظ بھنوٹ 'بن' سے نکلا ہے، کیونکہ یہ قبیلے بھنوٹ یا بنوت بن یا جنگل میں رہائش رکھتے تھے کہا جاتا ہے کہ یہ قبیلے بھات پور سلسلہ کوہ شوالک کے دامن میں رہتے تھے اور یہ راجپوت 'نارو' قبیلہ کی ایک گوت ہے۔

نارو

نارو خاندان اپنے آپ کو سورج بنسی متھرا کے راجپوتوں سے تعلق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد میں نیپال چند راجہ رام چندر کی اولاد سے تھا۔ اس نے محمود غزنوی کے دَور حکومت میں اسلام قبول کر لیا تھا پھر

نارو سے نارو شاہ ہو گیا۔ نارو شاہ بمقام موضع ماؤ ضلع جالندھر میں آباد ہو گیا تھا۔ اس کے لڑکے رتن پال نے پھلور آباد کیا تھا۔ علاقہ ہوشیار پور میں اس کے چار لڑکوں نے ہریانہ، بجواڑہ، شام چوراسی اور گھوڑے باہا آباد کیے تھے اور ضلع جالندھر میں موضع بہرام آباد کیا تھا۔

ان مواضع جات کا مکھیا یا نمبردار اپنے آپ کو رائے یا رانا کہلواتا تھا۔

یہ تمام خانوادہ نارو شاہ اب جو ایک مسلمان تھا۔ باسدیو برہمن کی گوت سے تعلق یا واسطہ رکھتا تھا۔

نارو کا شجرہ نسب

راجہ جسترتھ

راجہ رام چندر

راجہ تلوچر

نیپال چند (نارو خاں یا نارو شاہ)

محمود غزنوی نے اپنے دورِ حکومت میں دریائے ستلج کے دونوں اطراف فتوحات حاصل کیں اور ان مقبوضہ علاقہ جات کو تلوچر کے انتظام میں دے دیا تھا۔ موضع ماؤ سے ہجرت کر کے اس نے بجواڑہ کو دارالخلافہ بنایا۔ یہاں پر پہاڑی راجاؤں نے متواتر حملے کر کے اُسے مجبور کر دیا کہ وہ اب محمود سے امداد طلب کرے اور افغان فوجیں جو کہ سلسلہ کوہ شوالک کے دامن میں برائے دفاعی کاموں مقیم تھیں۔ اس کی مدد کے لیے بھیجی گئیں۔ رانا سہرا خاں نارو خاں کی پانچویں پشت میں تھا۔ اجودھیا واپس چلا گیا تھا۔ جب کہ تلوچر نے یہاں آ کر اپنی قدیمی سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کو یہاں پر صوبہ دار بنا یا گیا۔ اس کی موت قصبہ سنام میں ہوئی۔ اس کی پانچویں پشت میں رانا ال ہوا جس کے پانچ لڑکے تھے جن کے نام کلچہ، بھوجو، دھنی، متا اور جستا تھے۔ انہوں نے علاقہ ہوشیار پور کو آپس میں تقسیم کر کے خود مختار حکومتیں قائم کر لیں تھیں۔

کلچہ نے ہریانہ کا علاقہ لے لیا جس میں پچھتر گاؤں تھے۔ اس میں نندا چور، بہرام اور بھوڈوال مواضع جات وغیرہ شامل تھے۔ لکا کے نام سے حکومت کرنے لگا۔

بھوجو کو بجواڑہ، شام چوراسی، ہریانہ، اجڑام اور بردٹے اور اس پر مشتمل گاؤں حصہ میں ملے تھے۔ دھنی کو دھنیات (پٹی) کھنوڑہ، مونا، بدلہ اور ہرتہ وغیرہ مواضع جات حصہ میں ملے تھے۔ نارو خاں کا پوتا ہری پال پہلے ہی سے بھنگالہ اور دسوہہ وغیرہ پر قابض تھا جس پر اس کے آباؤ اجداد قابض تھے۔ درحقیقت نارو خاں یا نارو شاہ

کا تعلق راجہ جسترتھ کی کہانی سے تھا جو محمود غزنوی کے دورِ حکومت میں تھا۔

موضع چوٹا ہلہ میں ناروخاں کی سکونت تھی۔ اس کے علاوہ گھوڑے بابا۔ نند اچور، بجواڑہ شام چوراسی اور پٹی (بوہن) میں بھی مکانات رکھتا تھا۔ ان میں ہرتہ، دھانہ، کھنورہ، مٹھیانہ، بھگنالہ اور موناکلاں (ہوشیارپور) میں دھنیات کے مکانات بھی زیادہ تر اسی تحصیل میں تھے۔ بھنگا گوت کے مکانات چوٹالہ، مرزاپور، جلووال اور پنڈوری ملہیاں میں تھے۔

اکبری راجپوت

یہ زیادہ تر گڑھ شنکر (گھوڑے بابا) اور ہریانہ (ناروخاں خانوادہ) کے رہتے تھے۔

بوہوا

بوہوا راجپوت کا تعلق راگھو بنسی خانوادہ سے ہے جو کہ جے پور اور جودھ پور سے ہجرت کر کے آئے تھے اور یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔

جنجوعہ

یہ خانوادہ زیادہ تر دوسوہہ کے شمال مشرق میں آباد تھے۔ بدلہ راجپوت کے بیہال قبیلے کی گوت ہے اور یہ بیہال موضع کماہی میں رہنے کی وجہ سے اُن کی ال ہو گئی تھی۔ لفظ 'باہ' کے معنے رہنے کے ہیں۔ جنجوعہ مواضع جات عموماً لفظ 'باہ' سے شروع ہوتے ہیں۔ جنجوعہ قوم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہستناپور (دہلی) کے گردونواح سے ہجرت کر کے گڑھ مکھیالہ (راولپنڈی اور جہلم) میں آکر آباد ہوئے تھے۔

اس علاقے میں سرحدوں کے لیے دفاع کا کام کرتے تھے۔ ان کا تعلق راجہ سہج پال جو کہ راجہ جودھ کی آٹھویں پشت میں سے تھا کے خاندان سے واسطہ تھا۔ اس کے لڑکے پہاڑ سنگھ کے پاس ایک سو بتیس گاؤں بدلہ راجپوتوں کے مواضع جات کے گردونواح میں تھے یہ اپنے آپ کو ڈوگر قبیلہ میں رانا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

بدلیال

یہ قبیلہ خانوادہ جنجوعہ میں سے ہیں جو کہ بدلہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے اور قدیمی ٹکار راجپوت ہیں۔

چوہان راجپوت

چوہان زیادہ تر ضلع کے مغرب ۸۴ گاؤں شام چوراسی کے گردو نواح میں اور کچھ موضع ظہورہ میں رہتے تھے۔

ان راجپوتوں نے گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور میں ایک انجمن کو بھی تشکیل دیا تھا۔ اس انجمن نے ۳۲-۱۹۳۱ء میں بمقام گڑھ شنکر پنجاب پراونشل مسلم راجپوت کانفرنس بھی انعقاد پذیر کیں جس میں صوبہ پنجاب کے سرکردہ راجپوت تقریباً چالیس ہزار افراد نے شرکت کی۔ اس کے استقبالیہ صدر چودھری افضل حق مرحوم تھے۔ اس کی صدارت کے فرائض سر رحیم بخش آف ٹھسکہ میراں جیؒ جو صوفی عبدالحمید صاحب سابق وزیر پنجاب کے چچا تھے۔ سپیکر اسمبلی اور بہاولپور کے وزیر بھی رہ چکے تھے۔ نے سرانجام دیے۔ ایک ہفتہ وار اخبار مسلم راجپوت گڑھ شنکر سے جاری کیا گیا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر محمد افضل ابن مولا بخش کشتہ (امرتسر کے رہنے والے) تھے۔ بعد میں چودھری احمد خاں سابق وزیر خزانہ رانا محمد حنیف خاں کے چچا ایڈیٹری کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور یہ اخبار ۱۹۴۷ء تک رانا محمد حنیف خاں کے والد کی کوششوں سے باقاعدہ جاری رہا۔ پھر یہ اخبار بند ہو گیا۔

یہ اخبار برادری کی اصلاح اور مفادات معاشی و دینی اغراض و مقاصد کو مدِنظر رکھے ہوئے تھا۔ اس اخبار نے برادری کی اصلاح میں بھرپور کردار ادا کیا۔

اعوان

اس ضلع میں دوسری قوم اعوان بھی جو کہ مسلمان ہیں۔ اعوانوں کا علاقہ زیادہ تر قصبہ بکیریاں کے گردونواح میں بارہ مواضع جات پر مشتمل ہے۔ اعوان اپنے آپ کو قطب شاہ کی اولاد سے بتلاتے ہیں۔ ایران کا ایک شیخ جس کے چار لڑکے محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان کے پہلے حملے میں یعنی ۱۰۰۲ء میں آئے تھے اور وہ راولپنڈی، جہلم اور جھنگ اضلاع میں آباد ہو گئے تھے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق وہ محمود غزنوی کے حکم پر آئے تھے اور ان کو یہیں پر آباد ہونے کا حکم کیا گیا، تاکہ مفتوحہ علاقے جو اس کے گردونواح میں تھے۔ دفاع کریں اور سرحدوں کی نگرانی کریں۔ قطب شاہ کا ایک لڑکا یعقوب تھا۔ اعوان کھوکھر اور راجپوت کھوکھر اس کی اولاد میں سے ہیں۔ بظاہر یہ روایت حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے خاندان میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ ضلع کے اعوانوں کا کہنا ہے کہ قطب شاہ شیخ علوی تھے اور اس کی اولاد آگے چل کر علویاں کہلائی۔ ایک اور روایت کے مطابق یعقوب قطب شاہ کا دوست تھا۔ یہ روایت

بھی درست نہیں ہو سکتی کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اعوان سب سے پہلے دوآبہ سندھ ساگر میں رہتے تھے اور محمود غزنوی بہت دیر بعد جا کر ہندوستان پر حملہ آور ہُوا۔

اعوانوں کی گوتیں

گل شاہی، چوہان اور کلگن ہیں۔
کلگن کی سب گوتیں۔ گلی۔ خرجوٹا۔ باگوال اور جنڈ ہیں۔

ڈوگر

اس علاقے میں قوم ڈوگر جو کہ مسلمان ہیں رہتے تھے۔ یہ بھی زیادہ تر تحصیل دسوہہ میں پائے جاتے تھے۔ ان ڈوگروں کا کہنا ہے کہ وہ سرسہ رانیا دریائے ستلج اور دریائے بیاس کے پرے سے آئے ہیں۔ جالندھر کے ڈوگروں کا کہنا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد عربی ہیں اور وہ ایک مسلمان بادشاہ کے ساتھ آئے تھے۔ یہ روایت ای ایل برانڈرتھ نے جس کو اس نے فیروز پور سیٹلمنٹ رپورٹ میں کیفیت کے کالم میں درج کیا ہے کہ حبشی چہرہ والے اکثر افراد ڈوگروں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی رپورٹ میں اس نے ان ڈوگروں کو چوہان راجپوتوں کے آباؤ اجداد کی نسل سے بتایا گیا ہے۔ ممدوٹ سیٹلمنٹ رپورٹ پیراگراف نمبر ۷۰ میں مسٹر ہرسرنے بتایا ہے کہ یہ ڈوگر دو شاخوں میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک کا دعویٰ ہے کہ وہ چوہان راجپوتوں میں سے ہیں اور دوسری شاخ کا دعویٰ ہے کہ پنوار راجپوتوں کی اولاد سے ہیں۔ ان کی گوتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ بسرے، چگا تھے، چینی، گگ، جگتری، جران، کاہلا، کلی، کردل، کھوجے، مندری، مسونجا، ندیار، سنگ وار اور سیتابے وغیرہ وغیرہ۔

گوجر

ضلع ہوشیار پور میں گوجر تمام کے تمام مسلمان تھے۔ ان کی رہائش عموماً کسی دریا کے کنارے ہوتی تھی یا پھر کسی چو یعنی برساتی نالہ کے قریب ہوتی تھی۔ گوجر قبیلے کا کہنا ہے کہ وہ گجرات (پنجاب) اور گجرات (کاٹھیاوار) سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ مسٹر برکلے کی رپورٹ سینس رپورٹ ۱۸۸۱ء کے مطابق گوجر سابقہ ادوار میں ہندو تھے اور وہ اورنگ زیب کے عہد میں مسلمان ہُوئے تھے۔ ہوشیار پور میں کئی ہندو گوجر بھی ہیں۔
سیٹلمنٹ رپورٹ آف سر رچرڈ ٹمپل کے بقول اکثر گوجر کھیتی باڑی کرتے ہیں۔

ارائیں

قوم ارائیاں جاٹوں کے بعد کھیتی باڑی کرنے والے ہیں۔ ہوشیارپور کے تمام ارائیں مسلمان ہیں۔ ارائیں قوم کا کہنا ہے کہ وہ سرسہ رانیاں اور دہلی سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ دراصل یہ ہندو راجپوت تھے اور اپنے آپ کو رائے جاج کی اولاد سے بتلاتے ہیں۔ جو کہ لو کا پوتا تھا اور جس نے لاہور شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ سرسہ علاقہ کا حکمران تھا اور اس نے رائے کا لقب اختیار کیا تھا۔ اس کی اولاد بعد میں ارائیں کہلانے لگی۔ اس نے دین اسلام قبول کرلیا تھا۔ شہاب الدین غوری کا عہد تھا۔ جالندھر کے ارائیں اپنے آپ کو راجہ بھبہ کی اولاد بتلاتے ہیں۔ وہ راجہ کرن کی پانچویں پشت میں سے تھا اور اس کی رہائش اوچ ضلع بہاونگر میں تھی۔ وہ محمود غزنوی کے دورِ حکومت میں مسلمان ہوا تھا۔ یہاں پر انہوں نے ایک ہندو عورت جس کا نام بنتی تھا کو پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اوچ کو چھوڑ دیا اور ہجرت کر کے سرسہ میں آبسے اور مختلف دوروں میں پنجاب کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے تھے۔ بنتی کے متعلق ایک شعر بھی ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

اوچ نہ دتی بھٹیاں چھٹا بنتی نار
دانہ پانی چک گیا چتن موتی ہار

ارائیوں کی گوتیں

بھٹہ، ہانسی، راما، منڈ، بھمنی، گھلر، بدھو، ملائے، چدھڑ، دھار، گوہیر، دھولے، پچھے، مانڈے، مجیٹھہ، ہانڈے، گنجیال، بہٹ، جھٹ، جٹالہ، گندھار، تھانو، پرجی وغیرہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ دیگر اقوام مندرجہ ذیل ہیں۔

جاٹ، گوجر، شیخ، مغل، پٹھان۔ ان مسلمان قوموں کے علاوہ ہندو کھتری، برہمن، سکھ چمار اور عیسائی وغیرہ وغیرہ قومیں ہوشیارپور کے علاقے میں آباد تھیں۔ لیکن تقسیم پنجاب کے بعد تقریباً تقریباً سبھی مسلمان پاکستان کی پاک سرزمین میں ہجرت کر کے چلے آئے تھے۔ اب وہاں پر کوئی نہیں رہتا۔

برِصغیر میں مذہب اسلام کی آمد

اس خطہ ارض کو عربی اور فارسی کی کتابوں میں ہند کہتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرامؓ تشریف لائے سینتیس تابعین یعنی صحابہ کرام کے شاگردوں اور ستائیس تبع تابعین نے یہاں قال اللہ وقال الرسولؐ کے درس کو دہرایا، یعنی پہلی صدی ہجری میں اسلامی ثقافت کا ہند کے اندر آغاز ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے خلیفہ

اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت میں ذوی الحجہ ۱۱ھ میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے زیرِ کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی اس میں ہند اور سندھ کے جاٹوں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلادِ سواحل متوطن تھے۔ ہند میں سب سے پہلی جنگ یمامہ میں ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے دورِ حکومت میں اس برِصغیر میں مسلمانوں کے کردار سے متعارف ہونے کے متعدد مواقع میسر آئے۔ اس کے بعد ۱۶ھ میں جنگِ فارس کے دوران اہل ہند کے بہت سے افراد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

خطہ برِصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پچیس صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی جن میں بارہ اصحاب حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں، پانچ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں، تین حضرت علیؓ کے دورِ امارت میں چار حضرت امیر معاویہؓ کے ایامِ حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہؓ کے زمانے میں۔

عہدِ عمر فاروقؓ میں بارہ صحابہ کے اسمائے گرامی

۱ حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفیؓ — خیار صحابہ میں سے تھے بلادِ ہند میں تین جنگیں لڑیں۔

۲ حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفیؓ — صوبہ گجرات میں بندرگاہ تھانہ اور بھروچ فتح کیے۔

۳ حضرت مغیرہؓ بن زیاد حارثی مذحجی — سندھ کا شہر دیبل فتح کیا۔

۴ حضرت ربیع بن زیاد حارثی مذحجی — کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا۔

۵ حضرت حکم بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاری — مکران میں تگ و تازِ جہاد کی۔

۶ حضرت عبداللہ بن عتبان انصاری — فتح مکران میں شامل ہوئے۔

۷ حضرت سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری — جنگِ مکران میں شرکت کی۔

۸ حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی — مدرک صحابی ہیں فتح مکران میں شرکت کی۔

۹ حضرت صحار بن عباس عبدی — جنگ مکران میں شمولیت کی۔

۱۰ حضرت عاصم بن عمرو تمیمی — نواحی سندھ اور سجستان کے اردگرد کے علاقے فتح کیے۔

۱۱ حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی — بعض بلاد سندھ ان کی کمان میں فتح ہوئے۔

۱۲ حضرت نسیر بن دلیسم بن ثور عجلی — مخضرم صحابی تھے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ ان کی کوشش سے فتح ہوا۔

حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں درج ذیل پانچ صحابیٔ رسولؐ برِصغیر میں آئے۔

۱۳ حضرت حکیم بن جبلہ اسدی — یہ مدرک صحابی ہیں اور بلادِ برِصغیر کے اوّلین مسلمان سیاح اور اس

نواح کے حالات و کوائف کے عالم و ماہر۔

۱۴ حضرت عبید اللہ بن معمر بن عثمان قرشی تیمی — فتح مکران میں حصہ لیا اور اس علاقے کے والی مقرر ہوئے۔

۱۵ حضرت عمیرؓ بن سعد — کچھ عرصہ ولایت مکران ان کے سپرد رہی۔

۱۶ حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی — فتح بلوچستان میں شرکت کی۔

۱۷ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ بن حبیب قرشی عبشمی — سجستان اور کابل کے علاقے ان کی کمان میں فتح ہوئے اور ارض ہند کے بعض علاقوں پر فتح کے جھنڈے گاڑے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مندرجہ ذیل تین صحابہ کرامؓ واردِ برصغیر ہوئے اور یہاں کے بعض علاقوں کی جنگوں میں شرکت کی۔

۱۸ حضرت خریت بن راشد ناجی سامی — علاقہ سندھ اور مکران میں تشریف لائے۔

۱۹ حضرت عبد اللہ بن سوید تیمی شقری — یہ مخضرم صحابی تھے غزوۂ سندھ میں شامل ہوئے۔

۲۰ حضرت کلیب بن ابو وائل — ان کو بعض مؤرخین سیرت نے صحابی کا شاگرد یعنی تابعی لکھا ہے ارضِ ہند میں آئے منقول ہے کہ انہوں نے اس سرزمین کے علاقے میں ایک درخت دیکھا جس کے سرخ رنگ کے ایک پھول پر سفید لفظوں میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تحریر تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ امارت میں مندرجہ ذیل چار صحابی تشریف لائے۔

۲۱ حضرت مہلب بن ابو صفرہ ازدی عتکی — یہ مدرک صحابی تھے انہوں نے علاقہ سندھ کے ایک شہر بدھ اور موجودہ صوبہ سرحد کے شہروں بنوں اور کوہاٹ تک تگ و تاز کی۔

۲۲ حضرت عبد اللہ بن سوار بن ہمام عبدی — یہ بھی مدرک صحابی تھے۔ بعض غزوات ہند میں شریک ہوئے اور شہادت پائی۔

۲۳ حضرت یاسر بن سوار بن ہمام عبدی — یہ بھی مدرک صحابی تھے اور عبد اللہ بن سوار عبدی کے بھائی تھے یہ قلات کے ایک پہاڑی مقام کی جنگ میں شریک ہوئے

۲۴ حضرت سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی — قبیلہ بنو ہذیل سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت و صحبت سے مشرف تھے۔ ایک مرتبہ ارضِ ہند

کے مفتوحہ علاقوں کے والی اور گورنر مقرر ہوئے۔

یزید بن امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں ایک صحابی آئے۔

۲۵ حضرت منذر بن جارود عبدی بوقان اور قلات وغیرہ کے علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے

اور وہیں وفات پائی۔



برِّصغیر ہند و پاک میں اسلام کی آمد

وارث کونین سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صحابہ کرامؓ کو مبلغین کی حیثیت سے تمام دُنیا میں ہندوستان و پاکستان اور چین تک تبلیغ اسلام کی خاطر بھیجے۔ اسی دَور میں علاقہ ہوشیار پور میں بھی ایک صحابیؓ تشریف لائے تھے۔ اس کا انکشاف مولانا نواب دین چشتی صابری خلیفہ حضرت سراج الحق چشتی صابری نے فرمایا تھا اور خود بھی ان کے مزار اقدس پر جو کہ کوہ شوالک کی پہاڑیوں میں واقع تھا۔ حاضری کا شرف حاصل کیا تھا، مگر اُنہوں نے اس صحابی کا اسم گرامی نہیں ظاہر فرمایا۔ یُوں تو سرزمین ہند و پاک پر مسلمانوں کے قدوم پہلی صدی ہجری میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظمؓ بن خطاب کے عہد خلافت میں آ گئے تھے۔[۱] ۱۵ھ/۶۳۶ء میں حضرت عثمان بن ابی عاص ثقفی بحرین اور عمانؓ کے گورنر مقرر ہُوئے وہ خود عمان ہی میں رہے مگر اپنے بھائی حکم بن ابی عاص کو اپنا نائب بنا کر بحرین بھیجا۔ عثمان نے کچھ دنوں کے بعد بحری بیڑہ تیار کیا اور حملہ کی غرض سے تھانہ بندرگاہ پر پہنچا جو گجرات اور بمبئی کی سرحد پر واقع ہے۔ عربوں کا گجرات بلکہ ہندوستان پر یہ پہلا حملہ تھا۔ دوسری مرتبہ عثمان نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابی العاص کو سندھ کے مشہور شہر دیبل پر حملہ کے لیے روانہ کیا۔ دشمنوں کو شکست فاش دی اور مال غنیمت لے کر واپس لوٹے۔ یہ سندھ پر پہلا حملہ تھا۔ اسی دَور میں ان کے دوسرے بھائی حکم بن ابی العاص نے دوسرا بحری بیڑہ لے کر گجرات کی مشہور بندرگاہ بھروچ پر حملہ کیا۔ اسی طرح جب مُسلمان ایران فتح کرتے ہُوئے مکران، کرمان اور سیستان تک پہنچ گئے تو سندھ کی سرحدیں ان اسلامی مقبوضات سے مِل گئیں جو ابھی نو مفتوحہ تھیں۔ مکران پر سب سے پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنے دورِ حکومت میں ربیع بن زیاد کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا لیکن کامل اقتدار حاصل کے لیے بغیر مجاہدین واپس آ گئے جس سے وہاں کے لوگ پھر خود مختار ہو گئے۔ ۲۲ ہجری میں جب تمام ایران مفتوح ہُوا تو عبداللہ بن عامر بن ربیع کرمان پر قبضہ

---

[۱] تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی ص ۱۸۱۔

کر کے سیستان کی طرف بڑھے حاکم سیستان نے اطاعت قبول کر لی پھر مکران پر حملہ آور ہوئے۔ مکران نے سندھ سے مدد حاصل کی مگر دونوں پر فتح حاصل کی اور ۲۳ھ تک ان پر مستقل انتظام کیا گیا۔ حکم بن عمر ثعلبی نے مکران پر حملہ کیا ان کے ساتھ شہاب بن مخارق و سہیل بن عدی و عبداللہ بن عتبان بھی مدد کے لیے تھے۔ آخر کار مکران کا راجہ زنبیل مارا گیا یہ تمام واقعات خلیفہ دوم کے دور میں ہوئے۔

۲۴ھ میں حضرت عثمان بن عفان خلیفہ ہوئے۔ ایک سال کے بعد ۲۵ ہجری میں اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کریز کو سیستان روانہ کیا جہاں سے وہ کابل پر حملہ آور ہوئے تھے گو سیستان عہد حضرت عمرؓ میں فتح ہو چکا تھا لیکن کابل کا راجہ جو اس عہد میں صوبہ سیستان کا ایک حصہ تھا۔ ابھی تک مختار تھا۔ اس کو فتح کیا، لیکن عربوں کے واپس جانے کے بعد دوبارہ خود مختار ہو گیا تھا۔ ۲۹ ہجری میں عبداللہ بن عامر بجائے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے تمام مشرقی ممالک کے حاکم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ بصرہ اس کا پایہ تخت تھا عبداللہ بن عمیر لیثی کو سیستان اور عبیداللہ بن عمر کو مکران کا حاکم بنایا عبدالرحمٰن ــــــ کرمان کے گورنر مقرر ہوئے۔ ابن عامر نے خراساں پہنچ کر سیستان کی حکومت ربیع بن زیاد حارثی کو دی اور کرماں مجاشع بن مسعود کو دیا۔ ہندوستان کی سرزمین پر یہ حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور خود اصحابہ رسولؐ کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا۔

اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کابل، زبلستان (غزنہ) اور قندھار وغیرہ کو فتح کیا اور تمام سیستان مکمل طور پر فتح ہو گیا۔ ۳۵ھ میں حضرت علی مولائے کائنات خلیفہ ہوئے۔ ۳۶ھ میں آپؓ نے تمام والیوں کو معزول کر دیا، مگر کچھ بغاوت کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ۳۸ھ میں شاعر بن وعود ا کو سرحدی حملہ کے لیے روانہ کیا گیا جس نے قیقان کو فتح کیا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے زیاد کو یہاں کا حاکم مقرر کیا جس نے ۳۹ھ میں خراسان پہنچ کر ان ممالک کا بہترین انتظام کیا۔ ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو ۴۱ھ میں عبداللہ بن عامر حاکم اعلیٰ مقرر ہو کر بصرہ پہنچے۔ انہوں نے راشد بن عمر کو حدودِ ہند پر روانہ کیا۔ ۴۲ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے قیقاں پر حملہ کیا، لیکن وہ شہید ہو گئے عبدالرحمٰن بن سمرہ کو ۴۲ھ میں والی سیستان مقرر کیا گیا۔ تمام بغاوتوں کو فرو کر کے کابل پہنچے۔ کابل کے تمام علاقے فتح کرنے کے بعد انتظام کیا اور واپس بصرہ آئے یہاں پر ۵۰ھ میں انتقال ہوا۔

۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ جو ابن سمرہ کی فوج کے سردار تھے جو ہند کی طرف براستہ خیبر روانہ ہوئے۔ مہلب کابل اور پشاور کی درمیانی گھاٹیوں کو طے کر کے سرزمین ہند میں پہنچے۔ اس دور میں یہ علاقہ سندھ میں داخل تھا۔ ۵۹ھ میں خراسان کے والی زیاد کا لڑکا عباد مجاہد ہو کر ساحل ہند پر آیا۔ پہلے سیستان ہو کر سناروز پہنچا۔ پھر

علاقہ رودبار سے گزر کر جو سیستان (سجستان) ہی میں واقع ہے۔ ہند مند (ہلمند) کی راہ سے کش ہوتے ہوئی قندھار پر حملہ آور ہوا اور اس کو فتح کیا۔ سندھ کی سرحد پر سنان کی شہادت کے بعد ۶۱ھ میں ابوالاشعث منذر بن جارود عبدی حاکم مقرر ہوئے۔ بوقان اور قیقان اور قصدار (خضدار) کو فتح کیا۔ ۶۵ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان مسند خلافت پر بیٹھے مگر زیادہ تر انتظامات میں مصروف رہا۔ ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا تو اس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور سرحد سندھ کا حاکم مقرر کیا، مگر مکران پہنچ کر شہید ہو گیا۔ اس کے بعد مجاعہ بن سحر تمیمی کو مکران بھیجا اس نے قندابیل (گندھاری) پر فتح حاصل کی لیکن ۷۶ھ میں مکران میں انتقال ہو گیا۔ حجاج ثقفی نے پھر محمد بن ہارون بن ذرعہ نمری کو مامور کیا۔ ۹۱ء تک محمد بن ہارون ملکی نظم و نسق میں مشغول رہا۔

فتح سندھ بہ عہد ولید بن عبدالمالک

حجاج بن یوسف ثقفی نے فتح سندھ کا مصمم ارادہ کرتے ہوئے محمد بن قاسم کو جو صوبہ فارس میں تھا۔ ایک فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے بمعہ چھ ہزار سانڈنی، تین ہزار اونٹ اور چھ ہزار شامی فوج کے ساتھ دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سب سے پہلے شیراز آیا اور مکران کی سرحد سے چل کر قزپور (پنج گور) فتح کیا پھر آگے بڑھ کر ارمابیل (ارمن بیلہ / لس بیلہ) کے پائے تخت پر قبضہ کیا۔ اس مقام پر محمد بن ہارون والی مکران بھی فوج لے کر آ گیا ارمن بیلہ سے سیدھا دیبل پہنچا۔ ابتدائے رجب ۹۲ء کو فتح کیا اس کے بعد نیرون (موجودہ حیدرآباد) سیستان۔ سوی (ستی) قلعہ اشیہار کو فتح کیا اور ۱۰ رمضان ۹۳ھ کو راجہ دہر کو الور (اروڑ موجودہ روہڑی) کے پاس جنگ کر کے جہنم واصل کیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی کے انتقال کے آٹھ ماہ بعد ۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالمالک کا دمشق پایہ تخت شام میں انتقال ہو گیا اور سلیمان بن عبدالمالک تخت نشین ہوا۔ ۲۰ صفر ۹۹ء کو سلیمان بن عبدالمالک کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے۔ ۱۰۰ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے تمام ٹھاکروں اور راجوں کو دعوتِ اسلام دی۔ عمر بن مسلم باہلی نے سندھ آ کر امن و امان قائم کیا اور کچھ علاقے جالندھر تک فتح کیے۔ ۱۰۱ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے وفات پائی تو یزید بن عبدالمالک خلیفہ مقرر ہوا مگر ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ میں یزید بھی وصال کر گیا اور ہشام بن عبدالمالک خلیفہ ہوئے۔ ۱۰۷ھ میں جنید بن عبدالرحمٰن الہری کو سندھ کا حاکم مقرر کیا۔

جس نے بدامنی کو روک کر امن قائم کیا اور فتوحات ملتان بلکہ دریائے راوی تک گیں۔ جنید نے مارواڑ اور گجرات پر حملہ کیا اور سولنکی خاندان (کاٹھیاواڑ۔ کچھ جنوبی گجرات) پر فتح حاصل کی اس کے بعد جین مالوہ فتح کیا اور واپس سندھ آگیا۔ جنید شمال مشرقی علاقے دریائے بیاس سے مغرب کی طرف فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتا ہُوا پہنچا یہ ڈلہوزی اور دھرم سالہ کے اوپر واقع ہے۔ اس وقت جنید کے ماتحت شمال میں کشمیر کی سرحد مشرق میں بیاس اور راوی مغرب میں بحرہ عرب جنوب میں مالوہ کے علاقے تھے۔ اس نے تقریباً چار برس حکومت کی جنید ۱۱۱ھ میں سندھ کی نظامت سے علٰحدہ ہُوا۔ اس کے بعد تمیم بن زید عتبی مقرر ہُوا، مگر کاہل اور سست ہونے کی وجہ سے سندھ کا نظام درہم برہم ہوگیا اور اس کا بھی انتقال دریائے سندھ کے قریب ہوگیا۔ سندھ کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ ملتان، سندھ سے الگ ہوگیا۔ اس کے بعد عراق کے حاکم خالد قسری نے حکم بن عوانہ کو والی سندھ مقرر کیا۔ اس کے وقت میں عمر بن محمد بن قاسم ثقفی فاتح سندھ نے سندھ کے مشرقی دہانے پر "منصورہ" آباد کیا اور تمام سندھ میں امن و امان ہوگیا۔ ۱۲۱ھ میں حکم بن عوانہ سندھ میں شہید ہُوا۔ پھر سندھ کا ناظم یزید بن عرار کو مقرر کیا گیا۔ ۶ ربیع الاوّل کو ۱۲۵ھ میں ہشام خلیفہ دمشق فوت ہوگیا۔ اس کی جگہ ولید بن یزید بن عبدالمالک تخت نشین ہُوا۔ ۱۲۶ھ میں جب ولید مرگیا تو یزید الناقص بن ولید بن عبدالمالک خلیفہ ہُوا تو چھ ماہ بعد یزید ناقص بھی مرگیا۔ پھر ابراہیم بن ولید خلیفہ ہُوا۔ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کی جگہ بنو عباس نے خلافت حاصل کی۔ ۱۳۲ھ میں ابومسلم خراسانی نے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح خراسان کے علاوہ تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کیا۔ ۱۳۴ھ میں موسیٰ بن کعب کو سندھ کا والی مقرر کیا گیا۔ ۱۳۶ھ میں خلیفہ ابوالعباس عبداللہ فوت ہوگیا۔ اس کے بعد موسیٰ بن کعب تمیمی والیٔ سندھ فوت ہُوا۔ اس کے بعد اس کا فرزند عینیہ بن موسیٰ کو سندھ کا والی بنایا گیا، مگر بدامنی پھیل گئی۔ ۱۴۲ھ/۵۹، ۷ء عمر بن حفص کو ابو منصور خلیفہ عباسی نے بغاوت فرو کرکے تھوڑا امن کیا۔ اسی دور میں اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت عبداللہ الاشترؒ بن محمد النفس الذکیہ بن عبداللہ بن حسنی مثنیٰ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ سندھ تشریف لائے اور اسی علاقے میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد ہشام نے ۱۵۶ھ تک بدامنی نہ ہونے دی، مگر ۱۵۷ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ بعد میں معبد بن خلیل کو خلیفہ منصور نے سندھ کا والی مقرر کیا۔ ذوالحجہ ۱۵۸ھ میں خلیفہ منصور کا انتقال ہوگیا۔ اس کا لڑکا المہدی تخت خلافت پر بیٹھا تو ۱۵۹ھ میں معبد بن خلیل تمیمی کا انتقال ہُوا تو رُوح بن حاتم تمیم خلیفہ مقرر ہُوا۔

۱۵۹ھ میں غالباً پھر عرب تاجروں کو گجراتیوں سے شکایت پیدا ہوگئی۔ خلیفہ مہدی نے جہازوں کا ایک بیڑا عبدالمالک بن شہاب مسمعی کے زیرکمان ۱۶۰ھ میں بھاڑ بھوت پہنچا یہ بھروچ سے سات میل مغرب کی جانب

ایک کچی بندرگاہ تھی۔ ان میں ابوبکر ربیع بن صبیح السعدی بصری تھے جن کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ اُنہوں نے جہاد کیا وہ خواجہ حسن بصریؒ کے شاگرد تھے اور ہند ہی میں وفات پائی۔ اس کے یکے بعد دیگرے ۱۶۳ھ تک نصر بن محمد بن اشعث والیٔ سندھ رہے۔ کچھ کچھ بغاوتوں کی صورتیں پیدا ہوتیں رہیں، مگر ۱۶۴ھ میں خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن ظریف کو سندھ بھیجا جس نے ۱۶۵ھ میں بغاوت کو فرد کیا۔ ۱۶۹ھ میں مہدی فوت ہُوا۔ ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون بن موسیٰ ہادی خلیفہ مقرر ہُوا تو والیٔ سندھ سالم یونس مقرر ہُوا چار سال تک حکومت کی ۱۷۴ھ میں اسحٰق بن سلیمان ہاشمی والی مکران سندھ ہو کر آیا، مگر اسی سال فوت ہو گیا۔ ۱۷۱ھ میں بعہد ہارون رشید شیخ ابو تراب تبع تابعی مغربی سندھ میں ضلع ساکورہ (ساکرہ) پر مع قلعہ قابض تھے۔ یہیں وصال ہُوا۔ ان کا مقبرہ ٹھٹھہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے جس پر ۱۷۰ھ تحریر ہے۔ ۱۸۴ھ میں قدیم خاندان آل مہلب کے داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی حکومت سپرد ہُوئی۔ ۱۹۳ھ میں ہارون رشید کا دار الخلافہ بغداد میں انتقال ہو گیا۔ بعد میں اس کا لڑکا امین الرشید تخت نشین ہُوا۔

۱۹۸ھ میں امین الرشید بھی مارا گیا اور اس کا بھائی مامون الرشید تخت پر بیٹھا۔ ۲۰۵ھ بیس برس تک حکومت کی۔ داؤد بن حاتم مہلبی بھی فوت ہُوا۔ ۲۱۲ھ میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی سندھ پر ناظم مقرر ہُوا۔ ۲۲۱ھ میں موسیٰ برمکی فوت ہُوا (جو کہ کشمیری النسل تھا) اس کے بعد اس کا لڑکا عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک سندھ کا نائب والی مقرر ہُوا۔

۲۲۶ھ میں عمران مارا گیا اس کے بعد عینیہ بن اسحٰق سندھ کا والی مقرر ہوا۔ ۲۳۲ھ میں الواثق باللہ کا انتقال ہو گیا اور متوکل تخت نشین ہُوا۔ ۲۵۵ھ میں عینیہ کا بھی انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ ہارون ابن ابی خالد کو سندھ کا ناظم مقرر کیا گیا۔

پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرام میں بعض حضرات سرزمین ہند و پاک تشریف لائے اُن کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کی ایک بڑی جماعت عرب و عراق سے آ کر سندھ میں آباد ہُوئی۔ محمد بن قاسم نے دیبل کی فتح کے بعد سندھ کی زمین کی پیمائش کروا کر اس کے قطعات عرب فاتحین میں تقسیم کیے۔ علاوہ ازیں اس نے ایک عظیم الشان مسجد بنوائی اور دیبل میں چار ہزار مسلمان آباد کیے۔ پھر جب سندھ کا علاقہ ملتان تک فتح ہو گیا تو محمد بن قاسم نے مال غنیمت کے خمس میں سے ہر شہر اور ہر قصبے میں مسجدیں تعمیر کروائیں اور تمام سندھ میں مسلمان پھیل کر جگہ جگہ آباد ہو گئے۔ اُنہوں نے سندھ میں جابجا قرآن و حدیث کے درس جاری کیے اور اس سرزمین نے ایسے ایسے باکمال لوگ پیدا کیے۔ جنہوں نے عالم اسلام میں اپنے علم و فضل کا جھنڈا بلند کیا۔ مثلاً یزید بن ابی کبشہ حضرت مفضل بن المہلب شیخ ابو حفص ربیع

البصریؒ ان کے شاگردوں میں حضرت سفیان ثوری حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت وکیع بن الجراح (استاد امام محمد بن ادریس شافعیؒ) حضرت موسیٰ بن یعقوب الثقفی، حضرت اسرائیل بن موسیٰ البصریؒ ابو معشر نجیع بن عبدالرحمٰن السندیؒ محمد بن کعب القرظیؒ اور موسیٰ بن بشار نافع مولیٰ ابن عمرؓ کے شاگرد تھے۔ یہ تمام کے تمام تبع تابعین میں سے تھے۔ سندھ میں ان حضرات نے اسلام کی تبلیغ جس بڑے پیمانے پر کی۔ آج تمام ہند و پاکستان کے مسلمان ان حضرات کے احسان مند ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابو علی سندی (سندھ کے صوفی) جن سے حضرت بایزید بسطامی (۲۶۱ھ/۸۷۴ء) نے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ ان مبلغین اسلام نے سندھ میں مذہب اسلام اور علم دین پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پودا کاشت کیا تھا وہ بڑھ کر جب تناور شجر بنا تو اس کی شاخیں تمام ہند و پاک کے گوشے سے میں پھیل گئیں جس سے تمام دُنیا نے استفادہ کیا۔ ان حضرات کا دائرہ فیض زیادہ تر سندھ اور قرب وجوار تک محدود رہا۔ اس کے بعد پانچویں صدی ہجری میں جب سلطان محمود غزنویؒ (۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) نے شمال کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کیا تو علماء و مشائخ بھی ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ مثلاً ابو محمد چشتیؒ (۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) جو بعد میں واپس چشت تشریف لے گئے تھے۔ پھر سلطان شہاب الدین محمد غوریؒ (۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء) نے اجمیر پر حملے کیے تو دوران حملے بانی چشتیہ سلاسل حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتیؒ نے اپنے قدوم مبارک سے ہند کو نوازا تو راجہ اجمیر جے پال کے متعلق فرمایا کہ من ترا زندہ بہ سلطان غور سپردم۔ اجمیر فتح ہو گیا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ ہندو راجگان راجپوتوں کا زور ٹوٹ گیا اور تقریباً ہندوستان کی قدیم راجپوت حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی مضبوط و مستحکم حکومتیں قائم ہو گئیں۔

چھٹی صدی ہجری / بارہویں صدی عیسوی میں تاتاریوں نے اسلامی ممالک پر مظالم ڈھاتے اس سے مرکز خلافت اسلامیہ بغداد کی حیثیت ختم کر دی۔ بخارا و سمرقند، رے، ہمدان، خوارزم نیشاپور اور قزوین وغیرہ شہروں اور قصبات کو تاراج کر کے خاک میں ملا دیا ان کی اس تباہی کا اثر مدرسوں اور خانقاہوں پر بھی ہُوا جیسا کہ اس سے پہلے ہند و پاک میں مستقل اور مستحکم اسلامی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں تو علماء و مشائخ نے بھی اپنی اپنی درسگاہوں سے نکل کر ہجرت اختیار کر کے پاک و ہند کا رُخ کیا۔ یہاں پر اُنھوں نے اپنے فیض اثر سے دین اسلام کو وسیع پیمانے پر وسعت و ترقی دی اور وہی خانقاہیں بزرگان دین کے دم قدم سے دوبارہ پاک و ہند میں نمایاں کردار ادا کرنے لگیں ظاہر ہے اس کے اثرات یہاں کے معاشرے پر بھی ہُوئے۔ غیر مسلمانوں نے جن کا معاشرہ کے اندر کوئی خاص مقام نہیں تھا۔ چھوت چھات اور ذات پات کی تقسیم میں ذہنی طور پر مبتلا تھے۔ اُنھوں نے اسلام کی تبلیغ کا زیادہ اثر لیا۔ اسی سے معاشرہ میں تبدیلی آگئی۔

ملہ یہ تمام کے تمام

لاہور میں داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی بہت وسیع پیمانے پر خدمات سرانجام دیں یہاں تک کہ لاہور کے حاکم رائے راجو نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور مسلمان ہو کر شیخ ہندی کے نام سے اپنا نام روشن کیا۔ اس سے متاثر ہو کر ایک اور ہندو سردار جے سنگھ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ آپ نے اسلامی مشن کی تکمیل کے لیے کئی ایک کتابیں لکھیں جس میں زیادہ تر کشف المحجوب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس سے پہلے حضرت سید شاہ حسین زنجانی برادر طریقت حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ لاہور تشریف لا چکے تھے۔ آپ نے بھی اسلامی تبلیغ میں بھرپور کردار ادا فرمایا۔ اجمیر شریف میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے دہلی میں آپ کے مرید طریقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بذریعہ درس و تدریس خانقاہی نظام کو چلایا۔ اس کے بعد پاکپتن شریف میں بابا فرید الدین گنج شکر تونسہ شریف میں حضرت سلیمان تونسویؒ سیال شریف میں حضرت شمس الدینؒ اور گولڑہ شریف میں حضرت پیر مہر علی شاہؒ۔

حضرت علی ہجویریؒ:

آپ کا اسم گرامی علی اور کنیت ابوالحسن ہے۔ داتا گنج بخشؒ کے نام سے شہرت پائی غزنی کی دو بستیوں ہجویر اور جلاب میں ابتدائی عمر گزاری۔ اسی لیے ہجویری اور جلابی بھی کہلائے۔ آپ کی ولادت باسعادت دسویں صدی عیسوی کے آخری عشرے میں یا گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی بعض محققین نے سال ولادت مختلف قرائن کی مدد سے (۴۰۰ھ/۱۰-۱۰۰۹ء) ثابت کیا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عثمان بن سید علی تھا۔ آپ کا خاندان علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں لاثانی تھا۔ حصول علم کے لیے متعدد ممالک کا سفر کیا اور اپنے عہد کے ممتاز اہل علم سے استفادہ کیا۔ سلسلہ جنیدیہ میں حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور فقہی مسلک میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔ سلسلہ نسب و طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ لاہور میں آپ ۴۲۱ھ/۴۰-۱۰۲۹ء) میں بعہد سلطان مسعود غزنوی بحکم مرشد پاک برائے رشد و ہدایت تشریف لائے اور طرح اقامت ڈال کر رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اس وقت یہاں مسلمانوں کے نئے نئے قدم جمے تھے۔ مکمل سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوا تھا اور دیوتاؤں کی سرزمین ابھی پورے طور پر نور اسلام سے آشنا نہیں ہوئی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنا لوگوں کو وحدانیت کا درس دینا۔ شرکت و بدعت سے روکنا بہت ہی کٹھن کام تھا۔ ویسے بھی یہاں کے سیاسی حالات اور معاشرتی حالات دگرگوں تھے۔ غزنوی خاندان بادشاہوں سے ہندوؤں کو جو زک پہنچی تھی وہ اس کا بدلہ بے گناہ مسلمانوں سے چکا رہے تھے۔ یہاں پر آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی تاکہ اسے عبادت اور ذکر و فکر کے علاوہ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کا مرکز بھی بنا سکیں۔ آپ نے ظلمت کدہ برصغیر کو نور حق سے منور کیا۔ آپ کی انسان دوستی۔ ہمہ گیر شخصیت و بلند کرداری پختہ عزم اور تبلیغ کے دلنشیں انداز نے ایک انتہائی متعصب قوم پر جو گہرے اثرات چھوڑے اس سے معاشرہ میں ایک انقلاب آگیا۔ وقت کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو سینے سے لگایا۔ آپ نے برائی کو جرم نہیں ایک بیماری سمجھا اور ایک طبیب کی طرح وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ ہندو راجپوتوں کا آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

آپ کی باکمال شخصیت کا یہ کمال تھا کہ سینکڑوں لوگ آپ کے روحانی فیض سے متاثر ہو کر راہ ہدایت پا گئے۔ آپ تمام مسلمانوں کے بلا امتیاز مسالک و مکاتیب فکر مشترکہ و مستند روحانی رہنما ہیں۔ غیر مسلم اہل علم و دانش نے بھی آپ کی عظمت و بزرگی کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور تبلیغ و اشاعت دین اسلام کے باب میں آپ کی بے مثال کامیابی و کامرانی کا اعتراف کیا ہے۔

اس کے علاوہ ٹھٹھہ، ملتان وغیرہ میں یہ خانقاہیں قائم ہوگئیں۔

مثلاً الحافظ الحدیث الامام ابو بکر محمد بن محمد بن رجا ٹھٹھہ (سندھ) ہی کے مشہور محدثین میں سے تھے۔ اسحاق بن راہویہ امام احمد بن حنبل اور علی ابن المدینی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے احادیث کا ایک مجموعہ الصحیح کے نام سے مرتب کیا ان کا وصال شریف ۲۸۶ھ/۸۹۹ء) میں ہوا تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیبل منصورہ اور بوقان وغیرہ میں سینکڑوں محدثین اور علما و مشائخ پیدا ہوئے۔ سندھ کے ان علمی مراکز کا فیض ملتان اور لاہور تک پہنچ گیا تھا۔ بعد میں چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں ویسے بھی چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل کی باقاعدہ خانقاہوں نے درس و تدریس کے ذریعے مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کے لیے آغاز کر دیا تھا۔ دور دور سے تشنگان علوم پروانہ وار کھنچکر آئے اور شمع علم و ہدایت کی روشنی حاصل کر کے جاتے اور اپنے اپنے

آپ کا وصال شریف ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء) میں بعہد سلطان ظہیر الدین ابراہیم غزنوی کے دور میں لاہور میں ہوا۔

گزشتہ سے پیوستہ فٹ نوٹ نمبر ۲۔

آپ کی ولادت باسعادت سجستان میں ہوئی والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ غیاث الدین حسنی تھا۔ آپ کی نشوونما خراسان میں ہوئی۔ پندرہ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ کی بسر اوقات کے لیے ایک باغ ترکہ میں تھا۔ اسی باغ میں آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن ایک مجذوب ابراہیم قندوزیؒ کی نگاہ کرم سے دل میں عشق الٰہی کے دریا کی لہریں اٹھنے لگی اور دنیا سے دل برداشتہ ہو کر اپنی تمام ملکیت فقراء میں تقسیم فرما دی۔ آپ نے قصبہ ہارون میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ آپؒ حافظ کلام اللہ تھے اور صائم الدہر اور شب زندہ دار عابد تھے۔ عموماً فجر کے وضو سے نماز عشاء ادا فرماتے تھے اور روزانہ ایک تولہ خشک روٹی کو پانی سے تر کر کے افطار فرماتے تھے۔ اپنے کپڑے خود ہی دھوتے اور پھٹ جانے پر بنفس نفیس پیوند لگاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنے پیر و مرشد کے ساتھ مکہ معظمہ کو تشریف لے گئے اور وہاں میزاب کے نیچے آپ کے مرشد نے کھڑے ہو کر دعا نہایت عاجزی سے فرمائی۔ ندا آئی کہ معین الدین ہمارا دوست ہے۔ اس کو ہم نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہاں سے روضۂ منورہ حضرت وارث دوجہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے۔ آپ کے مرشد پاک نے حکم دیا کہ معین الدین تحفہ سلام پیش کرو: چنانچہ آپ نے سلام پیش کیا۔ آواز آئی۔ وعلیکم السلام یا قطب المشائخ وہاں سے بغداد تشریف لائے جو غیر مسلم آپ کے روئے مبارک کی زیارت کرتا مسلمان ہو جاتا حتیٰ کہ بغداد میں آپ کی برکت سے تمام کفار مسلمان ہو گئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی حضرت غوث محی الدین سید شاہ عبدالقادر جیلانیؒ سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی۔ جب آپ اپنے پیر و مرشد سے فقر کی تمام نعمتیں حاصل کر چکے تو آپؒ کی عمر باون سال تھی۔ آپ نے دوران سیاحت کئی بار حج کیے اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ ایک دن بحکم حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہندوستان کی طرف تشریف لائے اور اجمیر شریف میں قیام فرمایا۔ یہاں پر اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کا ایک خاص بت کدہ تھا۔ جس کا کفار نہایت احترام کرتے تھے اور اس کی چراغ بتی اور پوجا پاٹ کے مصارف کے لیے کئی پرگنے اور مواضع جات وقف تھے۔ آپؒ کی نظر کرم سے اس بت خانہ کو کفار نے چھوڑ دیا اور پھر ایک ساحر دیو نامی سے بھی مقابلہ کیا۔ مگر

گرد و نواح کے علاقوں میں جا کر مخلوقِ خدا کی رہنمائی کرتے اور راہِ ہدایت و مستقیم پر لاتے۔ وہ ہندو جن کا معاشرہ کے اندر کوئی مقام نہ تھا اور وہ غیر مسلم جو معاشرے کے اندر خود رو کیڑے مکوڑوں کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ جب انہوں نے مذہب اسلام کی وسعت و بلند حوصلگی دیکھی۔ بزرگانِ دین کے کردار و اخلاق سے متاثر ہوئے تو وہ مذہب اسلام میں داخل ہوتے گئے جس سے ان کے قلوب کو سکون میسر ہوا اور معاشرہ کے اندر ان کو بھی اپنا ایک مقام نظر آنے لگا۔ گویا کہ دولتِ انسانیت ہاتھ لگ گئی اور اُن کے دلوں سے احساس کمتری کافور ہونے لگا۔ اس کے علاوہ ان کے امراضِ روحانی اور قلبی کو دُور کیا۔ ان کے زخم خوردہ قلوب کو شفائے کلی ہوگئی۔ پیغمبرِ اسلام نبی آخر زمان ؐ سے والہانہ عشق و محبت ان کے دلوں میں رچ بس گیا۔ گویا معاشرے کے اندر سبھی ان کو اپنے ہی

ان کا سحرِ باطل ناکام ہو گیا اور آپ کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور شادی دیو کا لقب پایا۔ پھر نواح اجمیر میں ایک جوگی جیپال نامی سے معرکہ ہوا۔ آخر کار جے پال آپ کے قدموں پر گرا۔ آپ نے اس کو ایک پیالہ پانی کا پینے کو دیا جس کے پیتے ہی حالت دگرگوں ہو گئی۔ آپ نے جے پال کے لیے تا قیامت زندہ رہنے کی بھی دعا فرمائی۔ اس کے بعد راجہ پرتھوی راج کو دعوتِ اسلام دی گئی، مگر اس نے انکار کر دیا لہٰذا آپ نے فرمایا کہ میں اس کو زندہ لشکرِ اسلام شہاب الدین محمد غوری کے سپرد کرتا ہوں تاکہ اس کی سزا ملے۔ تھوڑے دنوں کے بعد سلطان شہاب الدین نے خراسان میں خواب دیکھا کہ گویا ہندوستان میں حضرت خواجہ کے روبرو حاضر ہے اور حضرت اس سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے شہاب الدین خداوند تعالیٰ نے ہندوستان کی بادشاہت تجھے عنایت فرمائی ہے لہٰذا تو فوراً ہندوستان کا سفر اختیار کر اور راجہ اجمیر پر فتح حاصل کر۔ آپ کی پہلی شادی سلطان شمس الدین التمش کے عہدِ حکومت میں میر سید وجیہہ الدین کی صاحبزادی بی بی عصمت سے ہوئی۔ آپ کی دوسری شادی بی بی امۃ اللہ سے کی۔ انہیں کے بطن سے صاحبزادی بی بی حافظہ جمال متولد ہوئیں۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ حضرت خواجہ ابو سعیدؒ حضرت خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت خواجہ حسام الدین یہ تینوں صاحبزادے حضرت بی بی عصمت کے بطنِ مبارک سے تھے۔ آپ کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔ ۱۔ درویش وہ ہے کہ حاجتمند کو محروم نہ کرے۔ ۲۔ عارف تین سے برداشتہ خاطر رہتا اور صد ہزار تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ وقتِ واحد میں مختلف کیفیات کا حامل رہتا ہے۔ ۳۔ متوکل وہ شخص ہے جس کو نہ کسی سے محبت ہو نہ عداوت اور نہ کسی اعانت کی ضرورت۔ ۴۔ صاحبِ محبت وہ ہے جو آغازِ عشق ہی میں اپنے کو ناچیز تصور کرے اور اپنی ہستی کو ہیچ سمجھے ۵۔ جو شخص خدا کی محبت میں مر گیا۔ اس نے سعادت کا میدان جیت لیا، لیکن مشاہدہ جمالِ دوست سے باقی ہے۔ حق تعالیٰ اس کو منتخب و مختار کرتا ہے۔ ۶۔ تجدید کے معنی یہ ہیں کہ فقیر خدا سے اتصال اور ماسوی سے انقطاع اختیار کرے۔ ۷۔ حیا یہ ہے کہ بجز اپنے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے۔ تعظیم یہ ہے کہ ہمیشہ اطاعت و عبادت میں کوشاں رہے۔ ہیبت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے قصور پر منفعل ہو۔

خلفاء! آپ کے خلفا گیارہ تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ خواجہ فخر الدین۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔ شیخ وجیہہ الدین اصولی۔ شیخ برہان الدین عرف سعدیؒ۔ شیخ احمدؒ۔ شیخ محسنؒ۔ شیخ سلیمانؒ۔ جیپال جوگی المعروف بہ عبداللہ اور بی بی حافظہ جمالؒ۔

آپ کا وصال شریف۔ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ ہجری میں ہوا۔ اجمیر شریف میں روضۂ اقدس واقع ہے۔

۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی! آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سید موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ پہلے آپ کا نام بختیار تھا۔ بعد میں خدا کی جانب سے قطب الدین کا لقب عطا ہوا۔ آپ کی ولادت باسعادت بمقام اوش، میں جو ماوراء النہر کا ایک قصبہ تھا۔ میں ہوئی۔ آپ مادر زاد

غمخوار نظر آنے لگے اور آئے دن کی دربدر کی ٹھوکروں سے نجات مل گئی۔ ان کے پریشان حال ذہنوں کو ایک مرکز مل گیا تھا۔ آہستہ آہستہ معاشرے کے اندر تبدیلیوں کے آثار نمایاں ہونے لگے اور یوں شمع اسلام کے دیے سے دیا جلتا رہا۔ اسلام پھیلتا رہا آج ہندو پاک برصغیر میں جتنے بھی مسلمان قومیں آباد ہیں ان میں ستر پچھتر فیصد لوگ غیر مسلمان تھے جنہوں نے ان بزرگان دین کے طفیل دین اسلام قبول کیا۔ انہی نومسلم لوگوں میں کچھ صاحب ولایت اور دردِ محبت والے ہوئے ہیں۔ مثلاً ضلع ہوشیارپور کے اندر موضع شام چوراسی میں حضرت خواجہ عبدالنبی شامی رحمۃ اللہ علیہ

ولی تھے۔ ہنوز آپ ڈیڑھ سال ہی کے تھے کہ والد بزرگوار حضرت سید موسیٰ کا وصال ہو گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی ہر طرح سے پرورش فرمائی۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی کے پاس گئے مگر کچھ حالات ایسے ہوئے کہ آپ کی تعلیم حضرت قاضی حمیدالدین ناگوری سے ہوئی۔ پھر اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے آپ کی ظاہری و باطنی تربیت اور تعلیم فرمائی اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور بغداد شریف تشریف لے گئے۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ شیخ اوحدالدین کرمانی شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانیؒ جیسے اولیائے کرام سے اکتساب فیض کیا۔ آپ نے خواجہ حضرت معین الدین چشتی سے بیعت فرمائی اور خرقہ خلافت پایا۔ اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی۔ اس کے بعد آپ ہندوستان دلی میں تشریف لے آئے۔ دلی آتے ہوئے آپ کے ساتھ شیخ جلال الدین تبریزی بھی تھے۔ جب دونوں صاحبان ملتان پہنچے اور اس کی خبر شیخ الاسلام حضرت غوث بہاؤالدین ذکریا سہروردی نے پائی تو وہ استقبال کے لیے تشریف لائے اور نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنی خانقاہ میں لے گئے۔ بعد میں دلی تشریف لے گئے۔ بحکم پیر و مرشد دہلی میں اقامت پذیر ہو گئے اور وہاں کے تمام لوگ آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ روز بروز لوگوں کا ہجوم بڑھتا گیا اور آپ کے قدوم مبارک سے آفتاب ولایت کی شعاعیں اطراف و کناف کو منور کرنے لگیں۔ اکثر امراء نذریں گزارتے تھے۔ مگر آپ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کو خیال پیدا ہوا کہ نہ تو کسی سے قرض لینا چاہیے نہ نذرانہ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی دن سے ہر روز آپ کے مصلے کے نیچے سے ایک گرم روٹی نکلتی جو گھر کے تمام افراد کے لیے کافی ہوتی۔ عوام الناس نے اسی وجہ سے آپ کو بختیار کاکی کہنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں سلطان شہاب الدین واپس خراسان چلا گیا بعد میں سلطان شمس الدین التمش بادشاہ مقرر ہوئے جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید خاص تھے جس نے سلطنت کے کام کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

ایک مدت کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کو اپنے پیر و مرشد خواجہ غریب نواز کی قدم بوسی کا شوق غالب ہوا۔ آپ اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر قدم بوسی سے سرفراز ہوئے۔ ایک روز حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اولیا کے لیے تین صفتیں لازم ہیں۔ خوف، رضا اور محبت۔ خوف سے مراد ترک گناہ، رضا محبت ہی کے ضمن میں ہے اور محبت رضا کے معنی یہ ہیں کہ بجز خداوند تعالیٰ کے اور کسی چیز کا خیال دل میں پیدا نہ ہو کیونکہ دنیا کی کوئی شے باقی رہنے والی نہیں ہے: چنانچہ اس دوران میں فرمایا کہ عنقریب میں بھی رخت سفر باندھنے والا ہوں اور بہت جلد دوستوں کی مفارقت برداشت کرنی ہوگی اور یہی اجمیر میرا مدفن ہوگا۔ بعد میں فرمایا کہ بابا میں نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ خوش رہو اور تجرد اختیار کرو۔

حضرت خواجہ قطب صاحب کے بائیس خلفا تھے۔ ۱۔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ۔ ۲۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ۔ ۳۔ شیخ برہان الدین بلخیؒ۔ ۴۔ شیخ ضیا رومیؒ۔ ۵۔ سلطان شمس الدین اولیا۔ ۶۔ بابا سجزی بحر دریا۔ ۷۔ مولانا فخرالدین حلوائی۔ ۸۔ خواجہ میرؒ۔ ۹۔ شیخ سعدالدین۔ ۱۰۔ شیخ محمود بہاریؒ۔ ۱۱۔ مولانا محمد حاجری۔ ۱۲۔ سلطان نصیرالدینؒ۔ ۱۳۔ قاضی حمیدالدین ناگوری۔ ۱۴۔ شیخ محمد (۱۵) مولانا برہان الدین حلوائی۔ (۱۶)۔ شیخ

کے خانوادہ کا تعلق و واسطہ ایک ہندو گھرانے سے تھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ محمد افضل جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹانڈہ شریف والوں کا تعلق بھی سابقہ دور میں خالصہ خانوادہ سے تھا۔ ان بزرگانِ دین نے نہ صرف دینِ اسلام سے وابستگی رکھی بلکہ ایک مخلوق کو راہ ہدایت بخشی۔ گرد و نواح کے علاقے ان کے فیض اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی طرح قصبہ مکیریاں کے اندر مائی بھاگن شاہ صاحبہؒ جن کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ آپ اپنے وقت کی ابدال تھیں۔ گرد و نواح کا علاقہ آپ کا نہایت عقیدتمند تھا۔ ان کا بھی خاندان بقول ہنود سے تعلق رکھتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اُنہوں نے بیشمار دینِ اسلام کی خدمات سرانجام دیں۔ ان حضرات کی روحانی قوت نے عشق و محبت کا درس دیا۔ معاشرہ کو اخلاقیات سے روشناس کرایا۔ جس جس کا ہاتھ پکڑا اُس اُس کو انسان بنا دیا۔

بھیکاؒ باہمہ امیل کی بھولے سے چھو جائے۔ آپ نہلائے عمر بھر ہیٹوں سے کہہ جائے۔

(حضرت سید میراں شاہ بھیکھؒ)

محمد تیماجیؒ۔ ۱۷۔ شیخ احمد دینیؒ۔ ۱۸۔ شیخ حسینؒ۔ ۱۹۔ شیخ فیروز۔ ۲۰۔ شیخ بدرالدین ہوئے تابؒ۔ ۲۱۔ شاہ جعفری قلندر۔ ۲۲۔ شیخ نجم الدین قلندریؒ آپ کا وصال شریف بعمر بادن سال مندرجہ ذیل شعر کی کیفیات ایک محفل سماع میں وارد ہونے پر ہوا اور چودہ ربیع الاول ۶۲۵ ہجری آپ کی تاریخ وصال ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جان دیگر است

ؔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی شیخ محمد سلیمان علیہ الرحمۃ تھا۔ آپؒ کا خاندان فرخ شاہ کابلی سے ملتا ہے۔ فرخ شاہ کابلی کے عہد میں سلطنت سلاطین غزنویہ کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ لیکن فرخ شاہ کی اولاد کابل ہی میں آباد رہی۔ جب چنگیز خان کا زمانہ آیا تو اس نے ایران و توران کو فتح کر لیا اور ایک لشکر غزنی بھیجا جس نے ملک کابل پر بھی قبضہ کر لیا۔ آپ کے پردادا تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور آپ کے دادا قاضی محمد شعیب معہ اپنے تینوں بیٹوں اور حذم و حشم کے عازم لاہور ہوئے اور بحکم بادشاہ ہندوستان مقام کھوتوال سکونت پذیر ہوئے جو مضافات ملتان کا ایک قصبہ تھا۔ ۵۹۵ ہجری میں اس خاندان میں حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ کے والد بزرگوار سلطان غزنوی کے بھانجے اور آپ کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ آپ نے اکثر علوم دینیات خاص خاص تحصیل کرنے کیلئے عازم ملتان ہوئے۔ ایک دن آپؒ مصروف تعلیم تھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جو ہندوستان تشریف لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً ملتان سے گزرتے ہوئے اسی مدرسے سے گزرے۔ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی نظر فیض اثر آپ پر پڑی دریافت فرمایا کہ کونسی کتاب پڑھتے ہو۔ عرض کیا کہ علم فقہ کی کتاب نافع۔ فرمایا کہ تمہیں نافع سے نفع پہنچے یہ کلام فصاحت التیام سُنتے ہی آپ کا دل بیقرار ہو گیا اور بہ حسنِ اعتقاد آپ کی خدمت اختیار کی۔ حضرت خواجہ قطب صاحب نے فرمایا کہ بابا فرید ابھی چند دن تک ملتان میں تحصیل علم کرو اس کے بعد میرے پاس دہلی آجانا۔ حضرت بابا فرید صاحب نے اس فرمان کی تعمیل کی پھر اس کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں پر سخت ریاضت و مجاہدے کیے۔ اس کے بعد آپ خواجہ قطب صاحب کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

بخشش کونین از شیخین شد بادشاہی یافت از بادشان جہاں

ایک دن حضرت بابا فرید صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب صاحبؒ سے سفر کی اجازت چاہی۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر

اسی طرح جب حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے تو اُن کے دست حق پرست پر یہاں کے راجپوت حاکم لائے راجو نے دعوت اسلام قبول کی۔ پھر اس نے آگے چل کر اور اس کی اولاد نے اسلام کی تبلیغ کی۔ پھر اسی طرح حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے اجمیر کے سب سے بڑے ساحر جیپال کو مذہب اسلام سے رُوشناس کرایا اور اس کا نام اسلامی طریق پر عبداللہ رکھا۔ اس کو فقر و ولایت سے بھی نوازا گیا۔ ملک الطاف حسین حالی مشہور شاعر کے تمام آباؤ اجداد ہندو راجپوت تھے اور یہ تمام کے تمام حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ بخشی ہند کی نگاہِ کرم سے مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت سلطان باہوؒ کی نگاہ جس ہندو پر پڑتی وہ اس وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا۔ الطاف حسین حالی کے خانوادۂ ہنود نے حضرت بوعلی شاہ قلندر کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔

ایسی آنکھوں کے تصدق میری آنکھیں بیدمؒ
کہ جنہیں آتا ہے اغیار کو اپنا کرنا!

ان درویش حضرات کی دُور رس نگاہوں نے کس کس پر احسان نہیں کیے اور کیا کیا حاجت روائیاں نہیں فرمائیں۔

جدھر جدھر بھی گئے وہ کرم ہی کرتے گئے۔

اور آگے بڑھیں حضرت سید ابو تراب المعروف شاہ گدا قادری شطاری رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار اقدس ریلوے برٹ انسٹی ٹیوٹ کے نزدیک مرجع خلائق ہے۔ ان کا ایک مرید اور خلیفہ ہندو دھوبی تھا جس سے سلسلے کی کافی نشوونما ہوئی صاحب ولایت تھا۔ اسی طرح حضرت شاہ حسین قادریؒ کے ایک مرید مادھولال صاحبِ خلافت تھا۔ اس نے بھی اسلام کی خدمات نہایت اچھے طریقے سے سرانجام دیں۔

ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم آخر وقت میں مجھے نہ دیکھ سکو گے، بلکہ دو تین روز بعد پہنچو گے۔ اس کے بعد فاتحہ پڑھ کر رخصت فرمایا اور فرمایا تمہاری امانت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے پاس موجود رہے گی۔ آنے کے بعد ان سے لے لینا۔ رخصت حاصل فرمانے کے بعد شہر ہانسی تشریف لے گئے۔ اور ایک مدت تک وہاں اقامت پذیر رہے جس رات حضرت قطب صاحب نے رحلت فرمائی۔ اُسی رات حضرت نے خواب میں اُنھیں دیکھا کہ جلد از جلد دہلی پہنچنے کا حکم دے رہے ہیں، چنانچہ آپ حسب الحکم روانہ ہوئے اور سوئم کے دن دہلی پہنچے۔ زیارت روضہ مبارک سے فراغ ہو کر قاضی حمید الدین ناگوریؒ سے خرقہ وغیرہ حاصل کیا۔ پھر وہاں سے ہانسی تشریف لے آئے۔ پھر یہاں سے آپ اجودھن (موجودہ پاکپتن شریف) تشریف لے آئے اور شمع علم و ہدایت روشن کی جس سے ایک مخلوق خدا نے راہ ہدایت پائی۔ ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا کہ زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں ۱۔ زکوٰۃ شریعت۔ ۲۔ زکوٰۃ طریقت۔ ۳۔ زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ کہ دو سو روپیے میں سے پانچ روپے خدا کی راہ میں دیے جائیں۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو روپے سے پانچ روپے رکھ لیے جائیں اور بقیہ راہِ خدا میں خرچ کر دیے جائیں۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ کل دو سو روپے خدا کی راہ میں خرچ کر دیے جائیں۔ سوائے خدا و رسول کے کچھ نہ رہے۔ ایک دفعہ آپ کے داماد اور خلیفہ حضرت بدر الدین اسحاقؒ نے دریافت کیا کہ اسراف کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ جو کچھ بھی کوئی بلا نیت خیر کے

بقول علامہ اقبالؒ

مت پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یہ اپنی آستینوں میں ید بیضا چھپا رکھتے ہیں

مسلمانوں نے اپنے مذہب، اس کی روایات، اپنی ذہنی افتاد، طرز فکر اور نظریہ حیات سے ہندوؤں کو متاثر کیا جس کی وجہ سے ہندو مت میں اصلاحی تحریکات کا آغاز ہوا۔ اس طرح اسلامی اثرات کا ہندوؤں کی فکر میں بڑا انقلاب رونما ہوا۔ اس خوشگوار صورتِ حال میں اسلام کی بنیادی قدروں کو جگہ ملنے لگیں۔ وہ اپنے جذبہ فکر میں خدا کے نام کے علاوہ اس کو توحید کے تصور میں پیش کرتے رہے۔

دے اور خدا کے لیے نہ دے وہ اسراف ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ درویش کو پردہ پوش رہنا چاہیے اور چار چیزوں کو لازم رکھے۔ اول اندھا بن جائے تاکہ لوگوں کے عیب نہ دیکھے۔ دوسرے کانوں سے بہرہ ہو جائے۔ تاکہ کوئی برائی نہ سُنے۔ تیسرے زبان کو بند رکھے تاکہ کوئی نہ کہنے والی بات نہ کہے۔ چوتھے لنگڑا بن جائے تاکہ خواہش پر کہیں نہ جا سکے۔ فرمایا: اصل الرسول درویش حضوری قلب ہے۔

آپ کے بے شمار خلفاء تھے جن میں سے خاص خاص خلفا مندرجہ ذیل ہیں۔ ا۔ شیخ علاؤالدین علی احمد صابرؒ۔ ۲۔ شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ۔ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی۔ شیخ جمال الدین۔ چہار قطب ہانسویؒ شیخ بدرالدین سلیمان ابن گنج شکرؒ۔ شیخ شہاب الدین ابن گنج شکرؒ۔ شیخ نصیر الدین ابن گنج شکر۔ شیخ یعقوب ابن گنج شکرؒ۔ شیخ نظام الدین ابن گنج شکر۔ شیخ بدرالدین اسحاق۔ شیخ دھارؒ۔ شیخ زین الدین، متقیؒ۔ شیخ علی شکر دینؒ، شیخ علی شکر بارؒ۔ شیخ محمد سراج، شیخ شاہ نور جمال۔ شیخ نجیب الدین متوکل (حضرت کے برادر حقیقی) شیخ عارف سیوستانی اور شیخ صابر اور داؤدؒ۔ آپ کا وصال شریف ۵ محرم الحرام بروز دوشنبہ ۶۹ ہجری میں پاکپتن شریف میں ہوئی۔ وہیں پر مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔



ہوشیار پور میں تحریک آزادی پاکستان

۱۸۴۹ء میں الحاق پنجاب کے بعد کمپنی حکومت کی خواہش یہ تھی کہ صوبے میں مکمل امن وامان رہے اور عوام اس کے وفادار رہیں۔ پنجاب ایک زرخیز زرعی صوبہ تھا جس کے لیے عوام کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے متعدد اصلاحات کی گئیں۔ عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کوششوں کی وجہ سے صوبہ میں خوشحالی کی لہر دوڑ گئی۔ عوام جو سکھوں کی جنگوں اور نااہل حکومت سے تنگ آ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں پنجاب نے آزادی کی جنگ میں خاص حصہ ہی نہیں لیا بلکہ کمپنی کی فتح میں اہم مدد فراہم پہنچائی۔ اس مدد میں پنجاب کے زمینداروں اور ریاستوں کے حکمرانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکومت کو معلوم تھا کہ صوبے میں اپنی حکومت کی مضبوطی کے لیے زمینداروں کی خوشنودی انتہائی ضروری تھی، اس لیے ان کو مطمئن کرنے اور حکومت سے وفاداری رکھنے کے لیے پوری کوشش کی گئی۔ حکومت کے وفادار طبقے کو وسیع جاگیریں اور مراعات دی گئیں۔ حکومت کا اصل مقصد صوبے میں بااثر افراد پر مشتمل ایک ایسا گروہ قائم کیا جائے جو حکومت کا وفادار رہے اور اس کی مدد کرے، لہٰذا جاگیردار ہی مقامی طور پر اثر ورسوخ کے مالک ہو سکتے تھے۔

سیاسی جماعتوں کے قیام کے بعد بھی حکومت کی یہی پالیسی رہی کہ پنجاب کے عوام سیاسی کارروائیوں اور کشمکش سے علٰحدہ رہیں بڑی وجہ پنجاب کے عوام اعلیٰ فوجی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ یہ پالیسی انیسویں صدی کے آخر تک کافی کامیاب رہی لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں بالکل ناکام ہو گئی تھی۔ دیگر صوبوں کی نسبت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئی جو ۱۹۱۹ء کے ہولناک واقعات کا باعث بنی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مقرر ہونے والے حکام کمپنی بہتر صلاحیتوں کے مالک نہ تھے۔ عوام اور حکومت میں براہ راست رابطہ ٹوٹ گیا۔ موقع پر عوام کے مسائل معلوم کرنے کی بجائے حکومت فائلوں کے ذریعے فرائض سرانجام دینے لگی۔ تعلیم کی توسیع کی وجہ سے بھی عوام کے ذہن قابلیت،

اہلیت رکھتے تھے۔ اور کچھ ویسے آمدورفت کی ترقی کے ساتھ فاصلے کم ہوتے گئے۔ پھر اخبارات کے اجراء سے بھی ان فاصلوں میں مزید کمی کا باعث بنتے گئے۔ خاص طور پر سرکاری ملازمتوں اور مقامی اداروں کے قیام سے ہندو مسلم فرقے وارانہ کشیدگی نے ایک نئی صورت کو جنم دیا۔

مغربی تعلیم کے باوجود دونوں قوموں نے اپنے آپ کو مذہبی بنیادوں پر منظم کیا اس میں ہندوؤں نے پہل کی۔ مسلمانوں نے حفظ ماتقدم کے تحت اپنے مفادات کو محفوظ کرنے اور اپنی علحدہ ہستی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی انجمنیں وغیرہ قائم کیں۔ ہندوؤں نے اس کی مخالفت کی اور جب حکومت نے مسلمانوں کی کمی کو دور کرنے کے لیے چند احکامات جاری کیے تو ہندوؤں نے اسے دونوں قوموں کو آپس میں لڑوانے کے لیے حکومت کی طرف سے سوچی سمجھی سازش قرار دیا۔ چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز تک صوبے کی حالت کافی حد تک تشویشناک ہو چکی تھی۔ کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ ۱۹۰۱ء میں سرحد کو پنجاب سے علحدہ کر کے ایک علحدہ صوبہ بنا دیا گیا تھا۔

۱۹۰۲ء میں ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران حکومت نے نہری نو آبادیات میں آبیانے کی شرح میں اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ کاشت کاروں نے اس فیصلہ کی سخت مخالفت کی مگر حکومت کا نظریہ یہ تھا کہ نہری سکیموں اور زمین کی زرخیزی سے کاشت کاروں کو بہت زیادہ منافع حاصل ہوا تھا۔ اس لیے آبیانے کی شرح میں اضافہ جائز ہے۔

اس پر کانگرس کے انتہا پسند لیڈروں نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کاشت کاروں کو حکومت کے خلاف اکسانے کی کوشش کی، چنانچہ متعدد مقامات پر فسادات ہوئے۔ فسادات کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ انگریز صاحبان نے ہندوستانی عوام سے بغیر معاوضہ کے بیگار لینا شروع کر دی۔ جس سے اخبار "پنجابی" نے بیگار کی آڑ لے کر تخریبی خبریں شائع کر کے کانگرس اور دیگر انتہا پسند اخبارات نے حکومت کے خلاف سخت نکتہ چینی کی پالیسی جاری رکھی[1] اس زمانے میں حکومت اور انگریز افسران غیر متوقع سیاسی بیداری سے سخت گھبرا گئے۔ یہ افواہ بھی عام پائی جاتی تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے پچاس سال بعد برطانوی تسلط کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ کئی سیاستدانوں نے سخت اقدامات کا مطالبہ کیا[2]۔ یہ افواہ بھی پائی جاتی تھی کہ لالہ لاجپت رائے نے برطانوی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے کابل کے حکمران سے مدد کے لیے درخواست کی تھی۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہوا۔ دیگر نو آبادیات کے ساتھ ہندوستان بھی اس میں شامل ہو گیا تھا۔ پنجاب نے اپنی گزشتہ تاریخ اور روایات کے مطابق جنگی کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اس سے پہلے ایک اجلاس ہندو مسلم

---

[1] پنجاب میں ۱۹۱۹ء میں فسادات (مقالہ) مس شہناز اختر۔ صفحہ ۱۰

[2] ایس۔ آر شرما۔ صفحہ ۲۱، ۲۲، ۲۳

سکھوں کو بلوایا گیا۔ وفاداری اور تعاون کا یقین دلایا گیا۔[۱]

پنجاب نے جنگِ عظیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے عوام کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ اس کی آبادی ہندوستان کی آبادی کا پندرہواں حصہ تھی لیکن فوج میں اُن کی نمائندگی نصف سے زیادہ تھی۔[۲]

ہر ضلع، قصبہ اور گاؤں میں بھرتی کے لیے کمیٹیاں اور ہر علاقے کے لیے بھرتی کا کوٹہ مقرر کر دیا گیا۔ مگر جونہی جنگی ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا۔ بقول؛ لیفٹیننٹ گورنر سرمائیکل اوڈوائر نے ۱۹۱۸ء میں خود اس بات کا اعتراف کیا؛

"غیر تسلی بخش بھرتی کی بنا پر حکومت نے جبری اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا تھا"

پنجاب کی ریاستوں نے بھی جنگی کوششوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کثیر مالی امداد بہم پہنچائی حکومت نے اخراجات میں مدد دینے کے لیے قرضے بھی جاری کیے۔ اس سلسلے میں اُنہیں خطابات اور مراعات کا لالچ بھی دیا گیا، جس کو پنجاب کے لوگوں نے قبول کیا جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ زمینداروں نے قرضہ کے لیے ۳۲ روپے فی مربع اور ریلیف فنڈ کے لیے ۱ روپے فی مربع کے حساب سے وصول کیے۔

۱۹۱۸ء نومبر میں جنگِ عظیم ختم ہو چکی تھی۔ عوام میں بے چینی اور مایوسی زیادہ پھیل رہی تھی۔ کیونکہ جنگ کی وجہ سے قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اُجرتوں میں پچاس فیصد اضافہ ہو چکا تھا۔ فوج میں بھرتی کی وجہ سے کھیتی باڑی کی طرف کم توجہ دی جا سکی جس کی وجہ سے پیداوار بہت کم ہوئی۔

رولٹ بل؛

حکومت کا خیال تھا کہ جس طرح دورانِ جنگ عوام نے تعاون کیا تھا مگر اب جائزہ لینے سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ تعاون میں کمی آ رہی ہے، لہٰذا اس کے سدِباب کے لیے ۱۰ دسمبر ۱۹۱۷ء کو ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا صدر جسٹس سر سڈنی رولٹ تھے۔ جس کے اغراض و مقاصد کچھ اس قسم کے تھے جس میں ہندوستان کی خفیہ انقلابی تحریکوں کی نوعیت بیان کرنا اور ان مشکلات کا جائزہ لینا جو ان سازشوں سے پیدا ہوتی ہیں اور حکومت کو اس کے سدِباب کے لیے مشورہ دینا۔ لہٰذا کمیٹی نے دو دلائل دیے۔ (۱) سخت قسم کا قانون لوگوں پر لاگو ہو۔ اور اس طرح سے انقلابی تحریک اور اس سے پیدا شدہ جرائم کنٹرول ہو۔[۳]

جب یہ بل اسمبلی میں پیش ہوا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس بل کے قانون بن جانے پر قائداعظم محمد علی جناح وغیرہ نے بطور احتجاج مجلسِ قانون ساز کی رُکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔[1]

۲ اپریل ۱۹۱۹ء کو اس رولٹ ایکٹ کے خلاف پنجاب کے اضلاع کی طرح ایک جلسہ ہوشیار پور میں بھی منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کو عام ہڑتال کی جائے۔ اس جلسہ میں آریہ سماجیوں اور کچھ وکیل تاجروں نے ۶ اپریل ۱۹۱۹ء کی ہڑتال کو کامیاب کرنے کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ پھر بعد میں شام کے وقت مُسلمانوں نے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں ایک مُسلمان وکیل نے لیڈرشپ کی۔ ۴ اپریل ۱۹۱۹ء کو ہوشیار پور میں ایک جلسہ ہوا جس میں شہر کے مشہور وکیلوں اور تاجروں نے شرکت کی اور یہ فیصلہ ہوا کہ ہوشیار پور کو بھی ہڑتال کے سلسلے میں باقی پنجاب کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ۶ اپریل کو ہڑتال کے سلسلے میں ایک نوٹس شائع کیا جائے گا۔[2]

اس جلسہ کو کامیاب بنانے کے لیے ۵۲ آدمیوں کے دستخطوں سے ایک نوٹس جاری ہوا جس میں ۶ اپریل کی ہڑتال کی اپیل کی گئی تھی۔ سرکردہ شہریوں نے جن کو حکام نے ہڑتال کی خلاف ورزی کرنے کو کہا تھا اُنہوں نے اگرچہ کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔ لہٰذا ۶ اپریل کو ہڑتال ہوئی لیکن کچھ دکانیں کھلی رہیں۔ شام کو رولٹ بل اور ایکٹ کے خلاف جلسہ ہوا جس میں بہت زیادہ لوگ شریک ہوئے تھے۔ نزدیکی نزدیکی چھوٹے چھوٹے قصبوں اور بڑے قصبوں میں بھی ہڑتال ہوئی۔ اس کے بعد ۱۲ اپریل کو ہوشیار پور میں دوبارہ گاندھی کی پنجاب سے رولٹ ایکٹ کی وجہ سے جلاوطنی کے خلاف احتجاجی جلسہ ہُوا کیونکہ اس احتجاج کی نوعیت وہی ایجی ٹیشن تھا جو شروع شروع میں رولٹ بل کے خلاف تھا۔ بعد میں جب یہی بل رولٹ ایکٹ میں تبدیل ہو گیا اور وہ لوگ جو تمام ہندوستان کی نمائندگی کرتے تھے جب وہ اس ایکٹ کے حق میں نہیں تھے تو کیسے سمجھ لیا جاتا کہ مُلک کا تعلیم یافتہ طبقہ اور عوام اس ایکٹ کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے جس میں آزادی اور انصاف کے اُصول کے خلاف انفرادی حقوق پامال ہوتے ہیں مگر باوجود سخت پابندی کے دوبارہ ۱۵ اپریل کو ضلع ہوشیار پور میں گودی والا کے مقام پر ہڑتال ہوئی۔ جلسہ ہوا۔ عوام نے شرکت کی۔ اس جلسہ کے لیے جالندھر سے ہوشیار پور میں ایک فوجی دستہ بھیجا گیا۔ ہندوستان کے مُسلمانوں کے ذہنوں میں یہ علٰحدگی کی تحریک اور دو قومی نظریہ کا تصور تو اُس وقت شروع ہو چکا تھا جب سرسید نے ۱۸۶۷ء میں فرمایا تھا کہ دونوں

---

[1] عاشق حسین بٹالوی ک م ب ص ۱۱۲۔ مقالہ

[2] پیسہ اخبار ۱۴ اپریل ۱۹۱۹ء

قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے۔ جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔[1]

۱۸۸۵ء میں نیشنل کانگرس قائم ہوئی۔ اس کے مقاصد حکومت سے وفاداری اور تعاون تھا۔ سرسید صاحب نے اس کی بھی مخالفت کی، کیونکہ کانگرس مسلمانوں کے لیے جو تعلیمی لحاظ سے ہندوؤں کے مقابلہ میں پسماندہ تھے، نقصان دہ تھی۔ اس قسم کی تجویز ایسے ملک میں کامیاب ہو سکتی ہے جہاں ایک قوم ہو لیکن ہندوستان میں جہاں دو قومیں آباد ہیں اس قسم کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا مطلب ہندوؤں کو مسلمانوں پر مسلط کرنا ہے جو مسلمانوں کو قابل قبول نہیں۔ ان کی علٰحدگی کی بنا نشوونما تاریخی، ثقافتی، مذہبی اور اقتصادی عوامل پر مشتمل ہوگی۔[1]

لیکن انگریز قوم کو زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا۔ کیونکہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے ہتھیائی تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان عرصہ ہائے دراز سے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ رہے اور رہیں گے۔[2]

لہٰذا انگریز اس کی ہر تحریک کو کچلنے کے لیے تاک میں رہتا تھا۔ اس کی آڑ میں ہندو سکھ فائدہ اٹھاتے رہے۔ سرسید جو ہندو مسلم اتحاد کے کبھی حامی تھے کانگرس سے الگ ہو گئے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ڈھاکہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا لیکن انگریز نے اس کو بھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اب مسلمان بھی سمجھ گیا تھا کہ ہندو اور انگریز دونوں سامراجی قوتیں ان کے خلاف ہیں۔ مسلم لیگ دن بدن ممبر شپ میں آگے بڑھتی گئی۔ مثلاً قائداعظم محمد علی جناح اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال جیسے رہنما مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ قائداعظم کی سربراہی میں مسلم لیگ کی مقبولیت عروج پر ہو گئی اور لوگ مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہو گئے۔[3]

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مسلم لیگ نے اپنی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اپنی تجاویز کے ذریعے کانگرس کے اس دعوے کی تردید کی کہ کانگرس ہی صرف ہندوستانی عوام کی نمائندگی کر سکتی ہے۔ برٹش گورنمنٹ کے اس اعلان پر کہ مسلمانوں کی نمائندگی صرف مسلم لیگ کر سکتی ہے۔

۱۹۴۰ء میں لاہور میں پاکستان ریزولیشن کے ذریعے مسلمانوں نے نظریۂ پاکستان کو ایک واضح مطالبہ کی صورت

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

۳۔ قائداعظم ایک قوم کی سرگزشت ص۔ الاناء مترجم رئیس احمد جعفری

میں پیش کر کے اس کے حصول کے لیے جدوجہد کا اظہار کیا۔ ہندو اور انگریز نے اس جماعت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے، کے مقابلے میں یونی نیسٹ پارٹی قائم کی۔ وقت کے ساتھ ساتھ پہلی جنگِ عظیم نے سیاسی سرگرمیوں کے لیے تازیانہ کا کام کیا تھا۔[1]

۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو تمام سیاسی پارٹیوں کی کانفرنس شملہ میں منعقد ہوئی، لہٰذا اس کانفرنس کے بعد جلد ہی مسلم لیگ اپنی مقبولیت کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔[2]

اس کے بعد جنرل انتخاب ہوئے جس میں مُسلم لیگ بلا شرکت غیرے مُسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے اُبھری اور یُوں ان انتخابات کے ذریعے مسٹر جناح نے ثابت کر دیا کہ مُسلم لیگ مُسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس میں مُسلم رائے عامہ نے ۱۹۴۶ء کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے ذریعے اپنا غیر مبہم اور واضح فیصلہ سُنا دیا۔ ووٹوں کا تجزیہ ہوا تو سی پی میں مُسلم لیگ کو سو فیصد ووٹ ملے۔ جب تمام ہندوستان کی نشستوں کا حساب کیا گیا تو مُسلم لیگ کو تمام ہند میں ۸۹۰۶ فیصد ووٹ ملے۔ پنجاب کے اندر چھ لیگی نشستیں کامیاب ہوئیں۔ ۱۶ جنوری ۱۹۴۶ء کو جناح صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور کی وسیع گراؤنڈ میں اپنے صدارتی خُطبہ میں فرمایا کہ مُسلم لیگ نے ۶ سال کے عرصے میں ترقّی کر کے اپنے آپ کو واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرا لیا۔ تاریخ میں ایسی مثال ملنا مشکل ہے کہ آج تک کسی سیاسی پارٹی کو اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہو۔[3]

جب صوبائی الیکشن ہوئے تو سرکاری مشینری نے لیگ کو ناکام بنانے کے لیے ہر میدان میں رکاوٹ پیدا کی اور لیگی اُمیدواروں کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ کانگرس نے بھی مُسلم لیگ کو زک پہنچانے کے لیے دوسری جماعتوں کے علاوہ خاص طور پر یونی نیسٹ پارٹی کی پشت پناہی کی۔

صوبائی انتخابات میں تقریباً سات سیاسی جماعتوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ کل ۱۷۵ نشستوں کے لیے تقریباً ۵۵۰ اُمیدوار کھڑے کیے گئے۔ مُسلم لیگ ۸۴، کانگرس ۷۶، اکالی ۲۶، کمونسٹ ۲۷، احرار ۱۸، ریڈیکل پارٹی ۳، یونی نیسٹ نے تقریباً تمام نشستوں پر کسی نہ کسی اُمیدوار کو کھڑا کیا۔[4]

۱۔

۲۔ تفسیر ہند (مترجم عبدالوحید خاں)

۳۔ ہفت روزہ پیسہ اخبار ۴۶-۱-۱۷

۴۔ نوائے وقت ۴۶-۱-۱۷

ہندو جانتا تھا کہ اگر پنجابی مسلمانوں نے اپنا فیصلہ پاکستان کے حق میں کیا تو پاکستان بن جائے گا۔ ہندوؤں نے کروڑوں روپیہ مسلمانوں کو ہمیشہ خریدنے کے لیے صرف کیا۔ اس سلسلے میں علامہ علاؤالدین صدیقی صاحب نے پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کیا اور خاص طور پر دیہاتوں میں گئے اور مسلمانوں کو جوش دلایا کہ مسلم لیگ کو ووٹ دے کر کامیاب کرائیں۔[1]

یکم فروری ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۵ فروری ۴۶ء تک انتخابات جاری رہے۔ ٹوانہ کی پارٹی نے مسلم لیگ کا مقابلہ کیا۔ مسلم لیگ کے رہنماؤں کی قوت جوشِ عمل کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن لیگ نے نئی شاندار کامیابی حاصل کی اور یونی نیسٹ پارٹی کے مددگاروں کو نیچا دکھایا۔[2]

پنجاب اسمبلی میں ۱۷۵ مجموعی نشستیں تھیں جس میں مسلم لیگ ۷۵، کانگرس ۵۱، اکالی سکھ ۲۲ یونی نیسٹ مسلم پارٹی ۲۰ آزاد تھے۔[3]

مسلم لیگ نے یہ انتخابات خالصتاً نظریۂ پاکستان کے نام پر لڑے۔ ضلع ہوشیار پور میں بھی مسلمانوں نے مسلم لیگ کی حمایت میں پُرجوش جلسے کیے اور پاکستان کی اہمیت کو دل کھول کر بیان کیا۔ صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں ضلع ہوشیار پور تحصیل گڑھ شنکر سے رانا نصراللہ بیگ (مسلم لیگ) ۱۰۴۳۸ ووٹ۔ فتح محمد (آزاد پارٹی) ۲۳۰۲ ووٹ اور رانا محمد حسین (یونی نیسٹ پارٹی) ہوشیار پور اور کانگڑہ سے چودھری علی اکبر (مسلم لیگ) اور نور محمد لسبی والا (یونی نیسٹ) انتخاب میں جیت گئے۔ یہ نتائج بڑے شاندار تھے۔ بقول خواجہ ناظم الدین کہ "پنجاب کے مسلمانوں نے یہ ایک معجزہ دکھایا ہے۔"[4] یہ انتخابات دو باتوں کو سامنے رکھ کر لڑے۔ اوّل یہ دُنیا پر واضح ہو جائے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہے۔ دوم وہ پاکستان چاہتے ہیں۔ الحمدللہ انتخابات نے دونوں باتوں کو سچ ثابت کر دیا۔ مگر پھر بھی مسلم لیگ نوّے فیصد کامیابی حاصل کرنے کے باوجود وزارت نہ بنا سکی، چنانچہ حکومت کے خلاف ۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو سارے پنجاب میں مسلمانوں نے ہڑتال کر دی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کئی دنوں کی تگ و دو کے بعد سکھ یونی نیسٹ اور ہندو کانگرس جماعتوں پر مشتمل مخلوط وزارت ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء کو مکمل ہو گئی، مگر پنجاب مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے ایک

---

[1] نوائے وقت ۱۸-۱-۴۶

[2] قائداعظم جناح میری نظر میں از حسن اصفہانی

[3] " " " " " "

[4] نوائے وقت ۲۶-۲-۴۶

قرارداد کے ذریعے بھرپور طریقے سے اس مخلوط وزارت کی مخالفت کی اور اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کے اعتماد کے بغیر کوئی وزارت نہ چل سکے گی۔

حکومت پنجاب نے مسلم لیگ کے خلاف تشدد کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تقریروں کی آزادی سے محروم رکھنے کے لیے آخری حد تک جانے کی کوشش کی۔ اس نے بلاوجہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۶ء کو یوم پاکستان کے موقع پر لاہور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی مگر باوجود ان پابندیوں اور نا انصافیوں کے مسلمانوں نے پنجاب کے اندر آزادی کی جدوجہد جاری رکھی اور غیر نمائندہ حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور ایک کمیٹی مسلم نیشنل گارڈز تشکیل دی جس میں تحریک آزادی کے رضا کاروں نے بھرپور تعاون کیا اور جلسے ہوئے اس میں مسلم لیگ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ہماری لڑائی ایک طرف انگریز سامراج کے خلاف ہے اور دوسری طرف ہندو سرمایہ دار اور اس کے ایجنٹوں کے خلاف ہے۔ حکومت پنجاب نے ہر قدم اور ہر موڑ پر اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے دفعہ ۱۴۴ کا بے تحاشا استعمال کیا مگر مسلم نیشنل گارڈز کی بھرتی میں مردوں کے علاوہ خواتین نے بھی بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ حکومت کی یہ ناجائز پابندیاں اس تحریک کے لیے اور بھی سود مند ثابت ہو رہی تھیں۔ اس طرح سے حکومت مسلم نیشنل گارڈز سے خوفزدہ ہو گئی اور مسلم لیگیوں اور رضا کاروں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ اس میں گورا فوج کا سہارا لیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ۱۹۴۷ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی اور اس وقت تک جاری رہی جب تک پنجاب کی شہری آزادی بحال نہیں ہو جاتی۔ جب لاہور میں تحریک کا آغاز ہوا تو پنجاب کے دیگر اضلاع میں مسلم لیگیوں نے فوراً اپنے اپنے علاقوں میں تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ مسلم لیگ کی طرف سے سول نافرمانی کی جس تحریک کا آغاز لاہور سے ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو ہوا تھا اس کے دور رس اثرات کو روکنے کے لیے حکومت نے مسلم نیشنل گارڈز پر پابندی ہٹالی اور ۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو تمام مسلم لیگیوں کو رہا کر دیا مگر اس کے باوجود سول نافرمانی کی تحریک کو جاری رکھا گیا جب تک پبلک سیفٹی آرڈیننس ختم نہ ہو۔ سرکردہ مسلم لیگی ممبرز دوبارہ ۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو گرفتار کر لیے گئے۔ ان گرفتاریوں کے بعد تمام صوبہ میں وسیع پیمانے پر مذکورہ تحریک شروع ہو گئی۔ ۲۔ فروری ۴۷ء کو ہوشیار پور میں بھی جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے۔ اس میں گرفتاریوں کو پیش کیا گیا۔ لیفٹیننٹ کرنل انوار الحق اور محمد دین بار ایٹ لاء کو اور دیگر گیارہ اشخاص کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۵ فروری ۱۹۴۷ء کو بھی ہوشیار پور میں جلسہ ہوا اور جلوس بھی نکالا گیا۔ یونین جیک کو اتار پھینکا گیا۔ بعد میں گورنر پنجاب اور خواجہ ناظم الدین میں مندرجہ ذیل شرائط پر مبنی ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت کے لیے دستِ تعاون بڑھایا گیا۔

۱۔ پنجاب کے تمام اضلاع میں شہری آزادی پر پابندیاں ختم کی جائیں۔

۲۔ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ آرڈیننس کی بجائے ایک باقاعدہ قانون منظور کیا جائے۔

۲۔ مُسلم لیگی لیڈروں کو رہا کیا جائے۔

۲۵ فروری ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندے کے ذریعے مندرجہ ذیل شرائط مُسلم لیگ کی جاری کردہ تحریک کو ختم کرنے کے لیے ضروری ہیں حکومت تک پہنچائیں۔

اجتماعات :

۱۔ پبلک اجتماعوں پر سے پابندیاں اُٹھالی جائیں۔

۲۔ جلوسوں پر سے پابندیاں دُور کر دی جائیں۔

۳۔ پبلک سیفٹی آرڈی ننس آف پنجاب کو مع ترمیمات پنجاب اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے۔

۴۔ اس تحریک کے سلسلہ میں تمام گرفتار شُدہ اور سزا یافتہ نظر بندوں وغیرہ کو رہا کیا جائے۔

لہٰذا اس کا اثر یہ ہوا کہ حکومت پنجاب نے مُسلم لیگ کی تحریک آزادی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور اپنی رضامندی کا اظہار کیا کہ پنجاب پبلک سیفٹی آرڈی ننس کو ختم کر دیا جائے گا۔ جلوسوں پر سے پابندیاں ہٹالی گئیں مُسلم لیگ کی تحریک کے ماخوذ گرفتار شُدگان اور زیرِ مقدمات قیدیوں کو رہا کر دیا گیا؛ چنانچہ ۳۴ دن کی مسلسل جدوجہد کے بعد مطالبات تسلیم ہو جانے کے بعد سول نافرمانی کی تحریک بند کر دی گئی۔ اس پر ہر ضلع میں جشن منائے گئے۔

تحریک کی کامیابی دراصل بااثر اور معزز افراد کی شمولیت، اس کے ساتھ ہمت استقلال کا جذبہ بھی تھی۔ خفتہ پنجاب غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہونے کے لیے بیدار ہو گیا۔ خود اعتمادی کا جذبہ بھی پیشِ نظر تھا۔ اس تحریک میں طلباء، مردوں اور خواتین کے علاوہ عُلماء اور مشائخ نے جو کردار ادا کیے اُس کی مثال نہیں ملتی۔

خطیبوں نے مساجد و خانقاہوں میں جوشیلی اور پُر اثر تقاریر کے ذریعے پاکستان کی اہمیت کو بتایا مشائخ نے اپنے ہزاروں مریدوں سمیت سول نافرمانی کی تحریک کو آگے بڑھایا۔ جس کی وجہ سے تحریک بہت جلد وسیع پیمانے پر پھیل گئی۔ اس میں پیر شمس الدین سیال شریف، پیر صاحب قبلہ مہر علی شاہ گولڑہ شریف اور پیر جماعت علی شاہؒ صاحبان پیش پیش رہے۔ جب بزرگانِ دین کی گرفتاری کی نوبت آتی تو اُن کے مریدین جیل کا محاصرہ کر لیتے۔ اس کے بعد خضر حیات ٹوانہ نے پنجاب میں آئندہ حالات کی نوعیت کا اندازہ لگاتے ہوئے ۲ مارچ ۴۷ء کو اپنا استعفیٰ گورنر پنجاب کو دے دیا اور اس سے پہلے برٹش گورنمنٹ نے بھی اپنے ایک اعلان کے ذریعے ہندوستان میں سیاسی اقتدار ۱۶ رجون ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کو منتقل کرنے کا اظہار کر دیا تھا۔ خضر حیات ٹوانہ کے استعفیٰ دینے سے مُسلم لیگ کو تو خوشی ہوئی مگر اس کے برعکس ہندو سکھ بوکھلا گئے۔ وہ مُسلمانوں کی وزارت تو کیا بناتے اُنہوں نے فرقہ وارانہ

فسادات شروع کرنے کے لیے ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک جلسہ میں اعلان کر دیا کہ ۱۱ مارچ کو تمام صوبہ بھر میں انٹی پاکستان ڈے منایا جائے گا اور لیگی وزارت نہ قائم ہونے دیں گے۔ لہٰذا ۴ مارچ کو گیارہ بجے دن لاہور فساد کی لپیٹ میں آگیا۔ اور پھر ہندوؤں مسلمانوں کے علٰحدہ علٰحدہ جلوس نکلتے رہے اور آپس میں تصادم ہوتے رہے۔[1]

اشتعال انگیز تقریروں سے ہندو مسلم کے درمیان فسادات زور پکڑتے گئے۔ ان فسادات کا اثر پنجاب کے دوسرے اضلاع پر بھی ہوا۔ بڑے شہروں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ان فسادات کی آڑ میں آئینی حکومت کو معطل کر دیا گیا اور مسلم لیگی لیڈروں کو وزارت بنانے کی نوبت نہیں آئی اور گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ذریعے ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب میں گورنر راج قائم کر دیا گیا۔ ان فسادات کی آگ نے تمام پنجاب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کہیں آگ لگائی جا رہی ہے، کہیں مار دھاڑ ہو رہی ہے اور کہیں خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

ہوشیار پور میں تحریکِ پاکستان

مندرجہ بالا تحریکِ آزادیٔ پاکستان کے پس منظر میں ہوشیار پور میں مسلم لیگ نے جو کردار ادا کیا اور جو قربانیاں پیش کیں اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ یہ ہندوؤں کی قوم جو اپنا کھانا پتّوں پر رکھ کر کھاتی تھی اور کھانے کے لیے ڈھاک لسوڑے یا بڑ اور بیلپ کے پتوں کی پتلیں ہی استعمال کرتی تھیں۔ یہ تو بھارت کے مغلوب مسلمان ہی تھے جنہوں نے بھارت باسیوں کو برتنوں میں رکھ کر کھانا سکھایا، ورنہ پیتل کی گڑدیوں یا گاگروں کے سوا ان کے گھروں میں کون سا برتن تھا۔ یہی حال لباس کا تھا کہ اس قوم کا لباس اکثر بے سلا ہوتا اور پہنتے۔ مرد اسے دھوتی کہتے تھے اور عورتیں ساری۔ اور یہی حال اُن کے مذہب کا تھا کہ پتھروں کی کاٹ چھانٹ کر کے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے اور اُن کو خدا مانتے تھے۔ ان بتوں کے نام انسان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی تھی۔ یہ مسلمان قوم جس نے ان ایسے جانوروں کو تہذیب و تمدن سے روشناس کرایا اور انسانیت کا سبق پڑھایا وہی جانور مسلمانوں کے درپئے آزار ہو گئے۔ اس قوم نے مسلم تمدن کی روح کو کچلنا اپنا شیوہ بنا لیا تھا، لہٰذا قوم مسلم پر اُن کے سلوک و برتاؤ کا ردِ عمل یہ ہوا کہ اس مسئلہ کا واحد حل تقسیم ہند ہے۔

ہوشیار پور میں غریب کانگرس کے ایک جانے پہچانے لیڈر ماسٹر ہری سنگھ تھے۔ ایک دفعہ اسمبلی انتخابات میں انہوں نے کانگرس کے وفد کو ٹکا سا جواب دیا اور کانگرس کا ٹکٹ لینے سے انکار کر دیا۔ ایک سوا کالی ٹکٹ پر کھڑے ہوئے

---

[1] "حیاتِ قائد اعظم" چوہدری سردار محمد خاں عزیز ۶۱/۶۵۹ پی پی

اور جیت گئے۔[1] لیکن کانگرس کو اُن کے خلاف اپنا امیدوار کھڑا کرنا تو ایک طرف رہا مخالف اُمیدوار کی حمایت کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ اسی طرح سردار سوہن سنگھ جوش نے کانگرس ٹکٹ لینے سے انکار کر دیا تھا اور آزاد ٹکٹ پر کامیاب ہوئے، لیکن کانگرس اس کی مخالفت تو کیا کرتی، بلکہ اس کے برعکس کامیاب ہونے پر اُنہیں پنجاب کانگرس کا جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔ انہی انتخابات میں کانگرس نے سکھوں کی امداد میں تحمل سے کام لیا۔ اسی کانگرس نے مُسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے اُمیدواروں کو ہزاروں روپے دیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو کانگرس یہ چاہتی تھی کہ پنجاب پر مُسلمانوں کے منشاء کے خلاف حکومت کی جائے اس لیے سکھوں کی امداد کی ضرورت پڑی تھی۔

۱۹۲۷ء میں ہوشیار پور میں میونسپل کمیٹی کے انتخابات میں چھ ہندو کانگرس ٹکٹ پر کامیاب ہوتے اور ایک مُسلمان ڈاکٹر شیخ انوار الحق جو بعد میں شہری مُسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے کئی سال سے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے رُکن چلے آتے تھے اُن کو بلا مقابلہ جیت جانے پر ہندو اخبارات نے بہت بغلیں بجائیں۔ کمیٹی کے کُل چودہ ممبر تھے۔ سول سرجن صاحب صدر اور نائب صدر کے انتخاب میں حصہ نہیں لیتے تھے گویا کانگرس کی اکثریت تھی اور خیال تھا کہ شاید کانگرس کسی مُسلمان کو صدر بننے کا موقع فراہم کرے اور اپنی فراخدلی کا فرقہ پرستی سے بالاتر ہو کر ثبوت دے۔[2] مُسلمان جو ہمیشہ کانگرس سے وابستہ رہے مگر ہندوؤں سے شکست کھاتے۔ محمد شریف مولوی کانگرس کے صدر ہو گئے اور ایک دفعہ مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں ہندو میونسپل کمشنر سے جواب طلب کیا۔ اُنہوں نے اس کو اپنی توہین سمجھ کر بے عزت کیا گیا۔ ہندوؤں نے اپنی عزت کو بچانے کے لیے اگلے انتخاب میں بھی ایک مُسلمان کو صدر بنا دیا، کیونکہ مُسلمان صدر اُن کے حسبِ منشا کام کرتا تھا۔

ہوشیار پور میونسپل کمیٹی کا سیکرٹری ہمیشہ سے ایک ہندو چلا آتا تھا۔ ایک موقع ایسا آیا ہندو سیکرٹری ریٹائر ہو گیا لیکن باوجود انتخاب کے ایک مسلمان ایم اے ایل ایل بی ہونے کے اور کئی سالوں سے کانگرس کا ممبر ہونے کے آخر کار کانگرس نے ایک ہندو کو منتخب کیا۔ انگریز اسی بات کو چاہتا تھا کہ مرکز میں ہندو مُسلمان مساوی ہوں مگر اُن کا مؤقف وہی رہا کہ کانگرس ہندوستان کی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہے۔ یہ اس بات کا کھُلا ہوا ثبوت تھا کہ جس ادارے میں ہندوؤں کی اکثریت ہو اس ادارے میں دوسری قوم کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا تھا۔

---

[1] نیشنلسٹ عُلماء۔ حبیب احمد چودھری

[2] نیشنلسٹ عُلماء۔ حبیب احمد چودھری

مُسلم طلبہ دو سوھہ کا انتخابی دورہ

یکم فروری ۱۹۴۶ء کو مُسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے تقریباً تین ہفتوں تک ارد گرد کے مواضع جات کا دورہ کیا جس میں مُسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ان لوگوں سے وعدہ لیا کہ وہ مُسلم لیگ کو کامیاب کرائیں اور علی اکبر[1] اُمیدوار مُسلم لیگ کو ووٹ دیں گے اور اس کا مظاہرہ وہ جلوس کی شکل میں چل کر پولنگ اسٹیشن پر جائیں گے۔

اس کے بعد ۹ فروری ۱۹۴۶ء کو علامہ علاؤ الدین صدیقی[2] مرحوم نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مُسلم لیگ ہوشیار پور کے زیرِ اہتمام ضلع ہوشیار پور کے تینوں شہری اور دیہاتی حلقوں کا دورہ فرمایا۔ نمازِ جمعہ جامع مسجد ہریانہ میں ادا کی جس کے بعد مُسلمانانِ ہریانہ کے ایک عظیم الشان مجمع میں مُسلم لیگ اور پاکستان کے موضوع پر تقریر فرمائی اور ہزار ہا مُسلمانوں کے مجمع

فٹ نوٹ نمبر (۱) علی اکبر چودھری ولد گہنا چودھری ۱۹۱۱ء میں موضع کولیاں موہلیاں نواح ٹکیریاں ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں نوجوان زمینداروں کی انجمن بنائی۔ وکالت شروع کی۔ شہر کی سیاسی و سماجی زندگی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ کوآپریٹو بنک ہوشیار پور میں بطور سیکرٹری اور انجمن اساتذہ ضلع ہوشیار پور کے صدر ۱۹۴۴ء تک رہے

مُسلم لیگ ہوشیار پور کے صدر اور صوبائی مجلسِ عاملہ کے رکن بھی اسی دوران میں رہے۔ ۱۹۴۶ء میں مُسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی دستور یہ کے رُکن منتخب ہوئے۔ استنبول کی پارلیمانی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ نون وزارت میں وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں سوڈان میں پاکستان کے پہلے سفیر مقرر ہوئے۔ دو سال بعد سعودی عرب میں تبدیل ہو کر چلے گئے۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان مُسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ اگست ۱۹۶۵ء میں صدارتی کابینہ میں امورِ داخلہ اور کشمیر کے وزیر مقرر ہوئے۔ (بحوالہ انسائیکلوپیڈیا)

فٹ نوٹ نمبر (۲) علامہ علاؤ الدین صدیقی ۱۹۰۷ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے گورنمنٹ کالج اور ایف سی کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے ایل ایل بی کیا۔ آپ ایک ماہرِ تعلیم اور محقق تھے۔ آپ نے کچھ عرصہ تک سرکاری ملازمت بھی کی۔ ۱۹۴۵ء میں ملازمت ترک کر کے مُسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریکِ پاکستان میں سرگرم حصہ لیا۔ ایک سال اور چند مہینے پنجاب مُسلم لیگ کے صدر رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہو گئے اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے سربراہ کے عہدے پر فائز ہوئے اور دس سال سنڈیکیٹ اور آٹھ سال سینٹ کے رُکن رہے۔ ۱۹۶۲ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ۹ سال تک اس عہدے پر کام کیا۔ ۱۹۶۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنائے گئے۔ آپ ۱۹۷۳ء میں ریٹائر ہو گئے۔ آپ کا وصال ۱۹۷۷ء میں لاہور میں ہوا۔

(بحوالہ انسائیکلوپیڈیا۔ صفحہ ۷۰۲)

کو تقریباً دو گھنٹے اپنی بصیرت افروز تقریر سے مسحور کیے رکھا۔ آپ نے مُسلمانوں کو مرکزی اسمبلی کی شاندار فتح پر مبارکباد دی اور فرمایا کہ فتح اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کی رضا ہمارے ساتھ ہے۔ ازاں بعد قائدِ اعظم کی درازی عمر اور مُسلم لیگ کی کامیابی کے لیے دُعا فرمائی۔ اگلے دن علامہ محمد صدیقی صاحب دوسوہرہ روانہ ہو گئے۔ (نوائے وقت، فروری ۱۹۴۶ء)

مُسلم لیگ کو کامیاب کرانے کے لیے عُلماء و مشائخ نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ مشائخین نے اپنے اپنے حلقہ احباب اور مریدین میں مُسلم لیگ کی اہمیت اور پاکستان کی عظمت کو بیان کیا اور خود بہ نفسِ نفیس قریہ قریہ، گاؤں گاؤں جاکر مُسلم لیگ کے حق میں ووٹ حاصل کیے جن میں پیش پیش میاں علی محمد خاں صاحب چشتی نظامی اور پیر جماعت علی شاہ رہے[۱]

فٹ نوٹ نمبر (۱) : امیرِ ملت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ کی ولادت باسعادت ۱۸۴۳ء میں ہوئی۔ آپ کا تعلق سادات شیراز (ایران) سے تھا۔ جدِ اعلیٰ حضرت سید محمد نوروز شاہ عہد مغلیہ میں ہندوستان تشریف لائے اور موضع علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں مسکن گزیں ہوتے۔ آپ نے ۱۲۶۹ھ میں قرآن پاک حفظ کیا۔ پھر امرتسر میں عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولوی عبداللہ ٹونکی، مولانا محمد مظہر سہارنپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا محمد علی ناظم ندوہ اور مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہم قابلِ ذکر ہیں۔ سندِ حدیث مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حضرت مولانا عبدالحق الٰہ آبادی مہاجر مکی، مولانا عبدالعلی محدث پانی پتی اور شیخ الاسلام عمر ضیاء الدین قسطنطینی جیسے کاملین وقت سے حاصل فرمائی۔

بیعت و ارشاد : حضرت شاہ صاحب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت بابا فقیر محمد تیراہی ثم چوراسی سے بیعت تھے اور آپ ہی سے سندِ اجازت اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحب نے رشد و ہدایت اور تبلیغِ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں تک تھی جو پاک و ہند کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

زیارتِ حرمین : حضرت شاہ صاحب نے بے شمار حج کیے۔ وصال سے دو سال قبل تک ضعف و ناتوانی کے باوجود ۱۹۴۹ء میں حج ادا کیا۔ عاشقِ رسول صلی اللہ تھے۔ مدینہ منورہ سے خاص عشق تھا۔ حد تو یہ ہے کہ اجناسِ خوردنی وہاں سے لاکر یہاں کاشت کرائی جاتی تھیں کہ جس کے گرا ہیں اُسی کے ٹکڑے کیوں نہ کھائیں۔

اخلاق و عادات : حضرت شاہ صاحب کے اخلاق و عادات بڑے پاکیزہ اور عشقِ الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ دار تھے۔ گنبدِ خضریٰ کی تعظیم کی وجہ سے سبز رنگ بند استعمال نہ کرتے تھے۔ غیر مُسلم کے ہاتھ کی کوئی چیز کبھی استعمال نہ فرمائی۔ عاجز، منکسر المزاج تھے۔ مرید مردوں کو لفظ "یار" سے پکارتے اور مرید عورتوں کو "مائی" سے۔ کبھی سر برہنہ نہ رہتے اور نہ کبھی آلتی پالتی مار کر کھانا تناول فرماتے تھے اور سُنت فاروقی پر عمل کرتے۔ داد و دہش اور سخاوت میں معاصرین علماء و مشائخ میں یکتا تھے۔ حضرت صاحب مخلوقِ خدا کو وہ سبق سکھا گئے ہیں کہ آج بھی اس ادب و احترام پر معاشرے کی بنیاد رکھی جاتے تو کوئی ہوئی عظمت مل سکتی ہے۔

مذہبی و سیاسی خدمات : آپ کی حیات مبارک مذہبی و ملی اور سیاسی خدمات سے عبارت ہے۔ آپ نے پاک و ہند میں مشرق سے لے کر مغرب تک اور جنوب سے شمال تک سفر کیا اور خوابیدہ قوم کو بیدار کیا۔ آپ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے مجاہدانہ طور پر سرگرم عمل رہے۔ عمر بھر عقیدۂ ختم نبوت کی بقا کے لیے کوشش کی اور اسی میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۱۴ء میں علی پور سیداں میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ ۱۹۰۴ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد رکھی اور رسالہ انوار الصوفیہ جاری کیا۔ تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ ترکوں کی حمایت اور انگریزوں کی مخالفت کی۔ ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کی شہادت کے خلاف آواز بلند کی۔ ۱۹۲۴ء میں شردھانند نے فتنہ ارتداد کھڑا کیا اور شدھی کی

اور کیا کیا انہیں خدمات سرانجام دیں۔ بقول مولانا جعفر شاہ پھلواری [۲] ۱۹۲۴ء میں قبلہ پیر جماعت علی شاہؒ کے زیر صدارت دوسوہہ میں بہت بڑا جلسہ تھا جس میں مجھ کو بہ نظر محبت مدعو کیا گیا۔ میں نے معذرت لکھ بھیجی کہ حالات کے پیش نظر نہیں پہنچ پاؤں گا۔ یکایک ایک دن پہلے تار ملا کہ دوسوہہ کے جلسے میں پہنچو۔ یہ تار قبلہ پیر جماعت علی شاہ کی طرف سے تھا۔ جس کے بعد میرے لیے انکار کی گنجائش نہ رہی لہٰذا میں حاضر ہوا۔ یہ جلسہ بہت ہی کامیاب اور کامران ہوا۔ حضرت قبلہ پیر جماعت علی شاہ نے مسلم لیگ کی اہمیت اور پاکستان کے موضوع پر بااثر اور دل کی گہرائیوں میں اُتر جانے والی تقریر فرمائی۔ ہندوؤں کی مکاری اور انگریز کے خلاف جو مسلمانوں کے مقابلے میں آریہ سماجی ہندوؤں اور برہمنوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کے متعلق وضاحت سے تقریریں فرمائیں۔

تحریک چلائی تو آپ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بڑی سخت مزاحمت کی۔ آگرہ اور مضافات کا تفصیلی دورہ کیا جہاں اس تحریک کی شدت تھی۔ تین سال کی جدوجہد کے بعد شردھانند کے زعم باطل کو خاک میں ملا دیا۔ ۱۹۲۹ء میں شاردا بل منظور ہوا۔ اس بل کے تحت نابالغ بچوں کا نکاح قانوناً نامنظور قرار پایا۔ یہ سراسر اسلامی شریعت میں مداخلت تھی، اس لیے حضرت شاہ صاحب نے اس بل کی شدید مخالفت فرمائی اور حکومت برطانیہ کی قوت وجبروت کی پرواہ کیے بغیر بہت سے بچوں کے نکاح پڑھائے اور عملاً اس قانون کی مخالفت کی۔ ۱۹۳۱ء میں مسلمانان کشمیر کے حقوق غصب کیئے جانے پر مسلمانوں کے موقف کی حمایت کی۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے سیاسی خدمات کے علاوہ مذہبی اور ملی خدمات بھی انجام دیں۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بھی سرپرست رہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی بھی دل کھول کر مدد کرتے رہے۔

وصال شریف: آپ نے آخری وقت نماز باجماعت ادا فرمائی۔ نماز عشا اس وقت باجماعت ادا فرمائی جبکہ عالم سکرات شروع ہو چکا تھا اور بالآخر ۱۱۰ سال کی عمر میں ۳۱ اگست ۱۹۵۱ء بمطابق ۲۷ ذی قعد ۱۳۷۰ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب جان عزیز جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ (انوار ملت ناشر مرکزی مسجد مجلس امیر ملت، قصور)

فٹ نوٹ نمبر ۲: مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت شاہ سلیمان پھلواری تھا۔ آپ کے خاندان کا شمار برصغیر کے سادات خاندانوں میں سے تھا۔ قصبہ پھلواری ہندوستان کے صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ میں واقع ہے۔ آپ کے دادا کا نام داود تھا۔ مولانا شاہ سلیمان پھلواری قادری چشتی اپنے عہد کے جید عالم، خوش بیان واعظ، نامور خطیب اور شیخ طریقت تھے۔ پھلواری کے سجادہ شیخیت پر فائز اور متنوع اوصاف کے مالک تھے۔ وہ اپنے عصر کے علم وفیض کے تین سرچشموں سے سیراب ہوئے۔ فرنگی محل لکھنؤ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محل سہارن پور میں مولانا احمد علی سہارنپوری اور دہلی میں مولانا سید نذیر حسین دہلوی۔

حضرت شاہ سلیمان کی پیدائش ۱۲۷۶ھ اور تاریخ وصال ۲۷ صفر ۱۳۵۴ ہجری (۵ مئی ۱۹۳۵ء) اُن کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے شاہ حسن، شاہ حسین (والد کی وفات کے بعد پھلواری کی مسند شیخیت پر متمکن ہوئے) تیسرے شاہ غلام حسنین ندوی تھے۔ چوتھے مولانا سید محمد جعفر شاہ تھے۔ سید محمد جعفر شاہ ۱۹۲۲ء میں شہر کپورتھلہ مشرقی پنجاب کی شاہی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے۔ بعد میں بھائی کے فوت ہونے پر پھلواری کی مسند شیخیت بھی انہی کے سپرد ہوئی۔ ۱۹۴۷ء تک وہاں دونوں کام کرتے رہے۔ پھر پاکستان آ گئے۔ آپ نے تصوف وسلوک کی گود میں شعور کی آنکھیں کھولیں اور علم وعرفان کے ماحول میں پرورش پائی۔ آپ کی تعلیم میٹرک تک کے علاوہ قرأت، تجوید پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے ندوۃ العلماء

اپنے اس دینی کاموں کو ترقی دینے کے لیے حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ نے بقول حکیم عبداللطیف شادانی ایک بار اسلامیہ ہائی سکول دوسوہہ جو کہ آریہ ہائی سکول دوسوہہ کے مقابلے پر تھا، کے لیے مالی امداد حاصل کرنے کے لیے حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں پر کوششوں کے باوجود نظام دکن تک رسائی کی صورت پیدا نہ ہوئی مگر آخر کار کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ حکیم عبداللطیف شادانی اور اُن کے رفقا بھی ہمراہ تھے۔ اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور کہا۔ اسلامیہ ہائی سکول میں مسلم طلبہ علم کی روشنی حاصل کر سکیں گے۔

میں جلیل القدر علماء کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیے جن میں شمس العلماء حفیظ اللہ، مولانا عبدالرحمٰن بلگرامی، مولانا حیدر حسن ٹونکی، مولانا شبلی اور مولانا عبدالودود ہیں۔ ان سے تفسیر حدیث فقہ ادبیات اور معقولات کی تکمیل کی۔ ۱۹۲۴ء میں ندوہ سے فارغ ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ کپورتھلہ سے اوکاڑہ ہجرت کر کے آگئے۔

شاہ صاحب نہایت خوش مزاج، خوش طبع، خوش لباس، خوش خوراک، بلند اخلاق، فراخ حوصلہ، بذلہ سنج تھے۔ شعر و شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ ۱۵ جون ۱۹۵۱ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے کافی عرصہ تک منسلک رہے۔ جماعت اسلامی میں بھی رہے لیکن کچھ عرصہ بعد کچھ اختلافات کی بنا پر علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر ۱۹۷۳ء میں اس ادارے سے بھی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے الگ ہو گئے۔ آپ نے دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے متعدد کتابیں لکھیں جن میں گلستانِ حدیث، انتخاب حدیث و مقام سُنت، معارف حدیث، پیغمبرِ انسانیت، اجتہادی مسائل، مجمع البحرین، ازدواجی زندگی کے لیے اہم قانونی تجاویز، مسئلہ تعداد ازدواج اور اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ وغیرہ۔ آپ کا انتقال ۳۱ مارچ، یکم اپریل کی درمیانی شب ۱۹۸۲ء کو ۸۱ برس کی عمر میں کراچی میں انتقال ہوا۔ (المعارف۔ مئی، جون ۱۹۸۲ء)

چودھری رحمت علی: پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں برصغیر کے بہت سے مسلمانانِ قائدین نے اپنی اپنی بصیرت و ہمت اور فکر و دانش کے لحاظ سے یادگار کارنامے سرانجام دیے۔ اس انقلابی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے برصغیر کے قریباً سارے مسلمانوں کی تائید حاصل تھی اور پیش پیش تھے۔ یہ تحریک برسوں تک چلی پھر کہیں جا کر کامیابی کی صورتیں پیدا ہوئیں۔ ضلع ہوشیار پور کے تقریباً سب ہی مسلمانوں نے اس آزادی کی تحریک میں حصہ لیا۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں کردار چودھری رحمت علی مرحوم نے ادا کیا جنہوں نے برصغیر کے اندر مسلمانوں کے اکثریت کے علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی مملکت کا نام "پاکستان" تجویز کیا اور مسلمانانِ ہند کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ اس آزادی کی خاطر جلد از جلد کوششیں تیز تر کردو اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علیحدہ مملکت قائم کرو تا کہ آزادی سے ترقی و نشو و نما کر سکو اور مسلمان کا جو اعلیٰ مقام ہے اسے حاصل کرو۔
چودھری صاحب نے اپنے اس موقف کو سمجھانے کے لیے ایک رسالہ بعنوان "اب۔ ورنہ کبھی نہیں" تحریر کیا۔ اس میں انہوں نے واقعات عالم کے مدوجزر اور حال و مستقبل کا جو تجزیہ اس دور میں پیش کیا اگر دیکھا جائے تو ہر لحاظ سے صحیح تھا۔

چودھری صاحب مرحوم ۱۶ نومبر ۱۸۹۷ء میں موضع "موہراں" تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد ماجد چودھری شاہ محمد گوجر متوسط درجے کے زمیندار تھے۔ چودھری صاحب نے ابتدائی تعلیم ایک مکتب میں حاصل کی۔ میٹرک کا امتحان اینگلو ہائی سکول جالندھر سے پاس کیا۔ ۱۹۱۴ء میں مزید تعلیم کے حصول کی خاطر لاہور تشریف لائے اور اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ اس دور میں اس دانش کدے میں پروفیسر ایم اے غنی، مولانا اصغر علی رُوحی، خواجہ دل محمد اور سید عبدالقادر جیسی مقتدر ہستیاں اس دانش کدے کے ساتھ منسلک تھیں۔ ان شخصیتوں نے چودھری صاحب کی ذہنی صلاحیتوں کو مزید جلا بخشی۔ ۱۹۱۵ء میں انہوں نے بزم شبلی کی بنیاد رکھی۔ اس بزم شبلی میں یہ تاثر دیا گیا کہ "ہاں میں ہوں"

اس تحریکِ آزادی میں ہوشیار پور ضلع کے جن بلند کرداروں اور پُر وقار شخصیتوں نے دامے، درمے، قدمے، سُخنے حصہ لیا۔ ان میں صفِ اوّل کے چوہدری رحمت علی تھے جنہوں نے پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں برِ صغیر کے بہت سے مُسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ایک اسلامی مملکت کا نام "پاکستان" تجویز کیا۔

حکیم سید محمد عبدالحق قادر جو ہر ملّی تحریک میں پیش پیش رہے۔ جب بھی اور جہاں بھی مُسلم لیگ کے جلسے منعقد ہوتے مُسلمانوں کو تحریک میں حصہ لینے کے لیے پُر جوش تقریریں کرتے۔ وہ اسلام اور مُسلمانوں کی سربلندی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ ہندوؤں اور سکھوں کے تعصب سے بہت نالاں رہتے۔ ان کے جوش اور جذبے نے اُن کو تمام عمر کے لیے مجاہد بنا دیا تھا۔ وہ جلسے میں ترانہ ایک خاص انداز سے پڑھتے تھے، جس سے ایک دردمند مُسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ انھی جذبات کی بنا پر شعر کہنے کا ذوق بھی پیدا ہو گیا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد فیصل آباد رہائش اختیار کی۔

اسی طرح عبدالحکیم بسمل نے بھی آزادی تحریکِ پاکستان کے لیے بڑے بڑے کام کیے۔ ہوشیار پور تحریکِ پاکستان کا ایک بڑا مرکز تھا۔ بسمل اس ضلع کے کارکن فعال اور پُر جوش تھے۔ سول نافرمانی کی تحریک میں برابر شرکت رہے۔ گرفتار بھی ہوئے اور ہوشیار پور جیل سے گورداسپور جیل منتقل کیے گئے۔

(کاروانِ شوق۔ ص ۵۸-۱۵۷)

پھر اس پلیٹ فارم سے تقسیم ہند اور آزاد اسلامی مملکت کا تصور پیش کیا گیا۔ چودھری صاحب کالج کے جریدے "کریسنٹ" کے ایڈیٹر بھی رہے۔ جب بی۔ اے پاس کر لیا تو میدانِ صحافت میں قدم رکھا اور محمد دین فوق کے جریدے "کشمیر گزٹ" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز کیا۔ ان دنوں کشمیر گزٹ اور جموں کے دانشوروں، سیاسی کارکنوں اور برصغیر کے مسلمانان علماء اور اکابرین کی علمی اور سیاسی سرگرمیوں کا ترجمان تھا۔ اس جریدے سے منسلک ہونے کے بعد چودھری صاحب کی ذہانت یہاں ایک نئی فکر سے روشناس ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں چودھری صاحب چیفس کالج لاہور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ کالج ہی میں مزاری خاندان کے بچوں کے اتالیق مزاری اسٹیٹ کے مشیر اور سیکرٹری مقرر ہوئے لیکن یہاں انھوں نے ہر لمحہ علمی تشنگی کو محسوس کیا اور یہی احساس انھیں انگلینڈ لے گیا۔ انگلینڈ میں انھوں نے کیمرج اور ڈبلن یونیورسٹی سے قانون اور تاریخ سیاست میں ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور پاک نیشنل لبریشن موومنٹ کے نام سے تنظیم قائم کی۔ ان دنوں برطانیہ کا ستارہ عروج پر تھا اور تمام عالم کے لیے ایک سیاسی مرکز تھا۔ انگلینڈ میں تمام زیرِ تعلیم طلبہ ہندوستان کے چودھری صاحب کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور مسلمان طلبہ سے حلف لیا کہ واپس وطن جا کر علیحدہ اسلامی مملکت کے لیے جان و دل سے کوشاں رہو۔ ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء میں جب دوسری گول میز کانفرنس کا آغاز ہوا تو ایسے قیمتی موقع پر ایک پمفلٹ بعنوان "اب۔ ورنہ کبھی نہیں" شائع کیا جس میں لفظ پاکستان استعمال کیا گیا۔ اسی پمفلٹ میں مجوزہ مملکت پاکستان کا محل وقوع کو بھی اجاگر کیا گیا۔ اخبارات اور جرائد کے مدیروں سے انفرادی طور پر تعلقات کو استوار کیا گیا جس میں ان کے اخبارات کے ذریعے پاکستان کے لیے کوششیں کی گئیں تاکہ مُسلمان اپنا مقام پہچان سکیں اور آگے بڑھیں۔ اس طریقے سے حصولِ پاکستان کے لیے کندھے سے کندھا ملا کر چلیں اپنے دستِ بازو کے بل بوتے پر ایک علیحدہ اسلامی مملکت قائم کریں جس میں اسلامی قوانین رائج ہوں اور ظلم کے اندھیرے سائے سے نکل کر روشنی کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں۔ اس تحریکِ انقلاب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی کوششیں ان اخبارات و جرائد کے ذریعے اور تیز کر دیں۔

اس آزادی کی تحریک کو کامیاب کرنے کے لیے عوام کے قلوب کی ترجمانی کرنے کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ انگریزوں کی سختیاں اور راستے میں روڑے اٹکانے والے ہندوؤں سکھوں کی مشکلات کو دل و جان سے برداشت کیا۔ مگر ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔ برابر ان روڑوں کو راستے سے ہٹاتے رہے اور راستہ صاف کر کر عوام کو اپنے پیچھے لگایا اور خود اُن کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھال لی۔ ۱۹۲۱ء میں کانگرس کی مسلم آزاد پالیسی کے پیشِ نظر مجلس احرار کی بنیاد رکھی گئی جن میں پیش پیش چودھری افضل حق[1] تھے۔

اس انقلابی تحریک کے ذریعے اور سلسلے میں چودھری صاحب نے جرمنی کے نازی رہنما ہٹلر سے ملاقاتیں کیں۔ ۱۹۳۶ء میں ترکی ادیبہ خالدہ ادیب خانم سے بھی پیرس اور لندن میں ملاقاتیں کیں۔ اسی دور میں چودھری صاحب نے کامن ویلتھ آف مسلم نیشنز کے قیام کی تجویز پیش کی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب قرارداد پاکستان لاہور منظور ہوئی تو اسے جلد ہی شہرت حاصل ہوئی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکت پاکستان کو قائم کر دیا۔ چودھری صاحب ایک دفعہ سرزمین پاک کو اور اپنے خوابوں کی سرزمین کو دیکھنے کے لیے پاکستان تشریف لائے اور پھر واپس چلے گئے۔ چودھری صاحب کی صحت گر رہی تھی۔ آخر ۲ فروری ۱۹۵۱ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور آپ کو کیمبرج یونیورسٹی کے احاطہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ؏ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

[1] چودھری افضل حق: ۱۸۹۱ء میں چودھری امیر خاں راجپوت کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا وطن گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور تھا۔ آپ کے گھر کا ماحول کچھ ایسا دیندار تھا جس کی وجہ سے آپ بچپن سے ہی دین اور اسلام سے آشنائی اور صوم و صلوٰۃ کے پابند ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کر کے انٹرنس کا امتحان امرتسر سے پاس کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا پورا خاندان امرتسر منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں پر اکثر ایک عیسائی مشنری پروفیسر سے اسلام اور فلسفہ پر بحث ہوتی رہتی۔ اس بحث کی طوالت چودھری صاحب کی صحت اور تعلیم پر اثر انداز ہوئی اور کچھ امرتسر میں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑنے کی وجہ سے بھی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ کیونکہ چودھری صاحب خود اس وبا کی لپیٹ میں آ گئے تھے اور پھر خدمتِ خلق کے جذبے کے طور پر بھی بیماری کے دوران عوام کی خدمت کو اپنا اشعار بنا لیا تھا مگر تعلیم کا ارادہ ترک کر کے ۱۹۱۱ء میں محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر کے طور پر بھرتی ہو گئے اور پھر ابتدائی ٹریننگ پھلور ضلع جالندھر میں حاصل کی۔ یہاں سے آپ کی لدھیانہ پولیس تھانہ میں تقرری ہو گئی اور ان دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ ایک دن لدھیانہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ایک جلسے میں تقریر سے متاثر ہو کر پولیس سے استعفیٰ دے دیا اور ۱۹۲۱ء میں خلافت کمیٹی میں شامل ہو کر گڑھ شنکر سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ترکوں پر انگریزوں کے ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند کی اور ۱۹ فروری ۱۹۲۲ء کو گرفتار ہوئے اور انبالہ جیل میں رکھے گئے۔ یہاں پر بھی سیاسی قیدیوں سے امتیازی سلوک برتنے پر انتظامیہ کے خلاف احتجاج کیا۔ سزا ہوئی اور رہائی کے بعد ضلع کی کانگرس کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۲۷ء تک رہے۔ اس عرصہ میں قیدیوں کی اصلاح کے لیے سرکاری کمیٹی کے غیر سرکاری ممبر رہے اور پنجاب کے جیل خانوں کی اصلاح کی۔ پنجاب اسمبلی میں سکھوں کی مسلمانوں کے لیے تلوار اور کلہاڑی بلا لائسنس رکھنے کی اجازت حاصل کی اور اس کے لیے باقاعدہ قانون پاس کروایا۔ جب مسلم لیگ وجناح لیگ اور شفیع لیگ میں تقسیم ہوئی تو چودھری صاحب سر شفیع لیگ میں شامل ہو گئے۔

(تحریک پاکستان، مرزا جانباز)

تجویز تقسیم کا اثر

تقسیم ملک کی تجویز کا اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔ سکھوں نے اس تقسیم کے اعلان سے پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت کی تدابیر پر عمل پیرا ہونے کے لیے جتھے بنائے گئے۔ انند پور صاحب ضلع ہوشیار پور میں ہولی کا سالانہ میلہ پانچ مارچ سے آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء میں ہوا جس میں تقریباً پندرہ ہزار اکالیوں (کانگرس) نے پر جوش تقاریر کیں۔ جتھے دار موہن سنگھ ان اکالیوں کا صدر تھا۔ ۱۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو شرومنی اکالی دل نے تمام جتھے داروں کے نام ہدایات کا مسودہ تیار کر کے منظور کیا جس میں ہر وقت ایک ایک سو کے اکالی جتھے تیار رکھنے کا حکم تھا۔ اس مہم کو کامیاب کرانے کے لیے سرمایہ اکٹھا کیا گیا۔ زیادہ تر سرمایہ اس مہم پر ہندوؤں نے لگایا۔ ہندو قوم خود توڑنے سے پیچھے رہتی ہے مگر مکاری میں سب سے آگے رہتی ہے۔ گڑھ شنکر میں اکالی جتھوں کی از سر نو تنظیم اور بھرتی کی گئی۔ ان جتھوں کو صرف ایک نعرہ دیا گیا۔ "ماردیں گے یا مارے جائیں گے"۔

ان جتھوں کو ہدایات جاری کی گئیں۔ سکھ تلواروں کو بے نیام کر کے نکلیں۔ مسلمانوں کو قتل کریں۔ اپنے شہیدوں کا انتقام لیں۔ سردار سرمکھ سنگھ ایم ایل اے نے آزاد ہند فوج سے اپیل کی کہ وہ اکالی سینا میں شامل ہو جائیں۔ اکالی فوج کی تنظیم برابر جاری تھی۔ ہوشیار پور میں بھرتی زیادہ تیزی سے جاری تھی۔ اور وہاں ممبروں کو کرپانیں مفت دی جا رہی تھیں۔ ماسٹر تارا سنگھ کی سرکردگی میں دو سو اسّی شہیدی جتھے داروں نے بیساکھی پر ۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء کو اکالی تخت کے سامنے خودکشی کا حلف اٹھایا گیا۔ اس مقصد کے لیے مختلف گوردواروں سے پچاس لاکھ روپیہ کے فنڈ جمع ہوئے جو ماسٹر تارا سنگھ نے پاکستان کی تحریک کی مخالفت کے لیے کھولا تھا۔

۱۳ مئی ۱۹۴۷ء کو اکالی لیڈروں نے فیصلہ کیا کہ ہر گاؤں میں جتھے بندی کی جائے۔ ہر جتھے کو گھوڑ سواروں، سابق فوجیوں اور آزاد ہند فوج کے سپاہیوں سے تقویت پہنچائی جائے۔ آئندہ ہونے والے فسادات میں سکھ عمل کرنے میں ابتدا کریں۔ ان لیڈروں میں سردار شوران سنگھ ہوشیار پور اور موگا میں گیا۔ ہوشیار پور کے سفر کے دوران اس نے ایک جلسے کو خطاب کیا اور دوران تقریر کہا کہ تم سب کو اپنی اپنی مکمل تیاری کر لینی چاہیے، کیونکہ پنتھ کی طرف سے تم سب کو عنقریب دعوتِ عمل دی جائے گی۔ اس وسیع پروپیگنڈا پر دوسوہہ اور ٹانڈہ کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں سکھوں کو کمک پہنچائی جائے اور ضلع ہوشیار پور کے مقامات ٹانڈہ، دوسوہہ اور مکیریاں میں تھانہ کمانڈوز مقرر کیے جائیں۔ اس علاقے میں انند پور صاحب کو ایک مضبوط قلعہ بنایا گیا۔ ہر ہندو سکھ گاؤں کو حکم دیا گیا کہ دس دس سکھوں کا ایک ایک جتھا تیار کریں۔

مقامی اکالی نمائندوں نے جالندھر ہوشیار پور کے ضلعوں میں وسیع دورے کیے۔ جالندھر میں اشتہار تقسیم کیے گئے جن

میں تحریر تھا کہ ایک مخالف پاکستان کمیٹی قائم کی جائے مُسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ کرو۔ بعض دیہاتوں میں ٹریننگ سنٹر کھول دیے گئے۔ ہوشیار پور میں چار ڈیفنس کمیٹیاں قائم کی گئیں اور ان کمیٹیوں کو ایک ایک ہزار روپیہ فراہم کیا گیا۔

سکھوں کا مطالبہ تھا کہ اُن کے لیے پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کا مطلب سکھوں کے لیے مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور وہ اقلیت بن کر رہ جائیں گے، لہٰذا اُنہوں نے مطالبات کیے اور اپنی قوت کو منظم کرنے میں مصروف ہو گئے، لہٰذا گوجرانوالہ میں گیانی کرتار سنگھ نے سکھوں اور ہندوؤں کی دفاعی تنظیم کا کام شروع کر دیا۔ شہیدی جتھے تیار کیے گئے۔ پچاس لاکھ روپیہ کے فنڈ دھڑا دھڑ جمع کیے گئے۔ سکھوں کی مختلف رضا کاروں کی جماعتیں بھرتی شروع کی گئی۔ ہوشیار پور میں بھی شہیدی جتھوں کے خفیہ "خانوں" میں سولہ سو ممبر شامل ہوئے۔

سکھوں کے خود مختاری کے منصوبہ جات

۱۔ مُسلمانوں کے جان و مال کی وسیع تباہی و بربادی عمل میں لائی جائے۔

۲۔ اگر ممکن ہو تو مغربی پنجاب کی مشرقی سرحد کے متصلہ سکھ علاقے سے مُسلمانوں کو قطعاً نابود کر دیا جائے۔

۳۔ سکھ قوم کے تمام طبقے تعلیم یافتہ لوگ، مذہبی اور سیاسی لیڈر، سابق آزاد ہند فوج کے سپاہی، کاشت کار، اور طلبا سب کے سب اس منصوبے کی تکمیل کے لیے جمع ہو جائیں۔ وسیع اور باضابطہ انتظامات کے ماتحت ان کو انتظامی کاموں کے لیے، قتل و غارت اور آتش زنی کے لیے تیار کیا جائے۔

۴۔ مُسلمانوں کو پاکستان جانے کی بجائے قبرستان بھیجا جائے۔

12 VILLAGES IN DASUYA TEHSIL ATTACKED BY SIKHS
INVADERS AIDED BY POLICE AND CIVIL AUTHORITIES
HARASSED MUSLIMS FLY FROM 16 OTHER VILLAGES
SERIOUS ALLEGATIONS BY LEAGUE LEADERS

Lahore, Aug. 26 - Hakim Abdul Lateef and Ch. Mohammad Saeed, President and vice President of the Dasuya Muslim Leage respectively, who managed somehow or other to reach here from Dasuya have informed the Orient Press that the Sikhs with the help of the Civil and police officials attached the following villages, in Dasuya tehsil: Bagoal khurd, Baklan, Durge Hari Dhunga, Sheikhpur Darawla, Dindu Chopra-Baircha, Raja Munga, Khokal Dawakri, Khatten and Baulpur.

They further stated that the Mussalmans of the following villages, harassed the local police, have fled to by unknown places, Turan, Mihalpur, Kotli Gandian, Kaithan Dasuya Jand, hamza, Kotli Khurd, Khairabad, Jalalpur, Salimpur, Damar and Langarpur.

After Aug. 15

They disclosed that till Aug. 15 the Mussalmans all over the tehsil successfully defended themsolves against the ouslaughts of the Sikhs and many times repulsed them inflicting considerable losses on the invaders, but after the transfer of power when civil officials, the military and police began to help the Sikhs, the Muslims became helpless and suffered very badly.

EASTERN TIMES
LAHORE
WEDNESDAY AUGUST 27, 1947

TENS OF THOUSANDS KILLED

If the organised mopsing up operation of August 18,19 and 20 were isolated communal incidents as the East Punjab Government has dared call it all. I [redacted] say is that the word slaughter would then probably [redacted] dreadful that the brutal murder of innocent citizens women and children.

The death roll in Jullunder and Hoshiarpur districts has reached thousands figures. MAY I ask the East Punjab Government [redacted] to what has happened to the Muslims of Talwandi Kishinpur Khalchian living on the further side of railway line in Jullunder city and other small villages in tahsil Amritsar, Hoshiarpur districts, tahsil Jallundur. The Civil Hospital, Jullunder still has patients who describe tales of horror and butchary.

THOUSANDS OF GIRLS ABDUCTED

Take for instance the locality in which I lived, My house Dr. Col. Muhammad Ali's house, Mr. Anwar-ul-Haq, D.C. Rawalpindi's house and all other houses numbering about 200 have been looted and then burnt. All the big workshops and manufacturing concerns belonging to Muslims on the Railway Road and opposite Mandi Fentoganj have been systematically destroyed. Thousands of innocent Muslims Girls have been abducted. When I was coming to Lahore [redacted] August 22, I saw [redacted] Muslim refugee caravan being looted by the sikhs three miles below the boundry line under the very nose of the Hindu troops stationed there for protection. The robbers had not only taken away young girls but had dragged with them children of teenage as well.

If all this is described [redacted] isolated communal incidents by a responsible Government, God help the residents of East Punjab. The Government, instead of deploring the shameless inhuman attitude of its people and taking strong action against them is trying to sheild their brutal [redacted] and thus encouraging them to further slaughter.

I can never forget the words of a very responsible high civil official of Jullundur who after hearing the woeful tale of Muslims laughed and said, "Well, We have not forgotten RAwalpindi as yet". This attitude of the East Punjab Government will not lead us anywhere. We in West Punjab might not be able to forget Jullundur and Hoshiarpur and thus this barbarous struggle may become endless.

REPORTER AN EYE-WITNESS (MAJ. CHAUDHRI)
THE DAILY EASTREN TIMES LAHORE
AUGUST 29,1947 THE FRIDAY.

ضلع ہوشیار پور کے ایک لاکھ مُسلم پناہ گزین

چک سعد اللہ میں پچیس ہزار کا اجتماع

مَیں درد بھرے دل سے آج ضلع ہوشیار پور کے ایک لاکھ سے زائد پناہ گزینوں کی حالتِ زار کی طرف جو کمال پور، چک سعد اللہ (سادو) پنڈوری بی بی اور چک لادیاں وغیرہ کے کیمپوں میں مقیم ہیں۔ بیس دن سے مُسلمانان ضلع ہوشیار پور کا قتلِ عام جاری ہے۔ پناہ گزینوں کو نہ صرف حملہ آور بلکہ بہت سی جگہوں پر بھارتی حکومت کے تشدّد کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مُسلمان پناہ گزین بے سرو سامانی کی حالت میں کہاں جائیں۔ نہ تو ہتھیار ہیں کہ مقابلہ کر سکیں اور ننگے بھوکے بے آسرا کیمپ میں پڑے ہوئے ہیں۔ موسم برسات کی وجہ سے اور بھی زیادہ پریشانی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کیمپ میں سر چھپانے کو جگہ نہیں ہے۔ بیماروں کے لیے کوئی دوا دارو کا بندوبست نہیں ہے۔ ہندو سکھ تو ویسے ہی جان کے دُشمن بنے ہوئے ہیں۔

ضلع ہوشیار پور میں جم کر مقابلہ ہندوؤں، سکھوں کا تو ہر جگہ کیا گیا مگر اس سے زیادہ سخت مقابلہ مستی وال اور چک سعد اللہ کے باشندوں نے کیا جس کی وجہ سے ہزاروں مُسلمانوں کی جانیں بچیں۔ سترہ اگست کو بارہ سو سے زائد ہندوؤں اور سکھوں نے ایک منصوبے کے تحت "بڑھی بسی" میں مُسلمانوں کا قتلِ عام کرنے اور لُوٹ مار کرنے کا سلسلہ مسلّح اور منظم طریقے سے شروع کیا گیا۔

دوپہر کے دو بجے تک ملحقہ مواضعات کا بے رحمی سے خاتمہ کرنے کے بعد چک سعد اللہ کا رُخ کیا۔ اور ایسا بھرپور حملہ کیا کہ خدا پناہ۔ اس کا دفاع گاؤں کے چند نوجوانوں نے بڑی ہمت سے کیا۔ مسلسل پانچ گھنٹے تک دونوں طرف سے بندوقوں و رائفلوں کی لڑائی کے بعد سکھوں کو اپنے ۸۵ مُردہ اور ۱۲۰ زخمی آدمیوں کا نقصان اُٹھا کر ناکام واپس لوٹنا پڑا۔ گاؤں کی عورتوں نے اپنے بچوں اور بھائیوں کو میدانِ جنگ میں لسی اور پانی مہیا کیا اور اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی بھی میدانِ جنگ میں ہی کی۔

مذکورہ چک کو محفوظ مقام سمجھتے ہوئے تقریباً پچیس ہزار پناہ گزینوں کی مزید تعداد تحصیل اونہ، ہوشیار پور وغیرہ سے آنا شروع ہو گئی۔ اُن کے خورد و نوش کا انتظام بھی گاؤں والوں کو کرنا پڑا۔ گاؤں کے اندر صرف ایک کنواں تھا جس کی وجہ سے اتنی بڑی تعداد میں پناہ گزینوں کی ضرورت ایک کنواں پُوری نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ خوراک کی کمی کو بھی محسوس کیا گیا۔ اس کے بعد مزید بُری اطلاعات ہندوؤں اور سکھوں کی

طرف سے حملہ آور ہونے کی ملتی رہیں۔ دُشمن اپنی خفت مٹانے کے لیے اور شکست کا بدلہ لینے کے لیے سرتاپا کوشش کر رہا تھا کہ مذکورہ چک کا کوئی فرد بھی بچ کر نہ جائے۔ پاکستان جانے کے بجائے قبرستان جائیں۔

(انقلاب، لاہور۔ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء)

(ایک چشم دید رپورٹ)

شام چوراسی میں مُسلم پناہ گزینوں پر حملہ

متعدّد افراد شہید و مجروح ہوئے

شام چوراسی ضلع ہوشیار پور میں جو جالندھر سے چودہ میل دُور ہے پر بلوائیوں نے بھرپور حملہ کیا جس کی وجہ سے بیسیوں افراد شہید ہوئے اور متعدد افراد مجروح ہوئے۔ حفاظتی فوجی دستے نے حملہ آوروں پر جوابی حملہ کرتے ہوئے گولیاں چلائیں جس سے پندرہ بلوائی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس کے بعد پناہ گزینوں کو حفاظت کے ساتھ جالندھر کیمپ میں پہنچا دیا گیا۔ ایک اور جگہ ضلع فیروز پور کے ایک گاؤں سے جو فیروز پور سے ۱۲ میل دُور مشرق کی طرف ہے بلوائیوں کے حملہ کی اطلاعات ملی ہیں۔ لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ ایک اطّلاع کے مطابق چار بلوائی بھی مارے گئے۔ جالندھر اور ہوشیار پور کے اضلاع میں دیہات کی حالت خراب ہے۔

(انقلاب، لاہور۔ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۹۴۷ء)

جالندھر ڈویژن کی حالت کافی سُدھر گئی ہے

(مشرقی پنجاب کی حکومت کا ایک لغویاتی بیان)

لاہور ۹ ستمبر ۱۹۴۷ء۔ مشرقی پنجاب کی حکومت کا ایک اخباری بیان مظہر ہے کہ جالندھر ڈویژن کی حالت نمایاں طور پر بہتر ہو گئی ہے۔ فیروز پور لدھیانہ کے شہروں اور دیہات کی حالت سُدھر گئی ہے۔ جالندھر اور ہوشیار پور کے شہروں میں امن ہے، لیکن ان اضلاع کے دیہات کی حالت خراب ہے۔ روزانہ سکھوں اور ہندوؤں کے حملے ہوتے رہے، قتل و غارت ہوتی رہی۔ حملے کے وقت معصوم بچّوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ عورتوں کو برہنہ کیا جاتا۔ اُن کے پستانوں کو کاٹا جاتا۔ اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ غرض کہ مشرقی پنجاب کی حکومت کا بیان انتہائی جھوٹا تھا کہ جالندھر ڈویژن کی حالت سُدھر گئی ہے۔

(انقلاب، لاہور)

ایک سرکاری پریس نوٹ

"جب مشرقی پنجاب میں ہزارہا مسلمان تہ تیغ کیے جا رہے تھے۔ لاکھوں مسلمان بزورِ تشدد اپنے گھروں سے بھگائے جا رہے تھے۔ دہشت زدہ اور نادار مسلمان پاکستان کا رُخ کر رہے تھے، لیکن اُنھیں اس امر کا یقین نہ تھا کہ زندہ سلامت وہاں پہنچ بھی سکیں گے۔"

ہوشیار پور میں ۵ جولائی ۱۹۴۷ء ریاست بلاسپور کی سرحد سے ذرا ادھر اولندہ کے مقام پر مسلم مزدوروں کا ڈیرہ تھا جس پر رات کو مسلح حملہ کیا گیا۔ حملہ آوروں کے پاس اس حملے میں ایک رائفل، بارہ بور کی بندوقیں اور ریوالور استعمال کیے گئے۔ اور تین مزکنے دستی بم بھی پھینکے گئے۔ ۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو ننگل انند پور کے علاقے میں موضع دونال کے پاس مسلح سکھوں نے پٹھانوں کے ڈیرے پر حملہ کیا۔ پہلے اس کیمپ پر چار بم پھینکے گئے اور پھر حملہ آوروں نے رائفلوں اور بندوقوں کے فائر شروع کیے۔ ۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو سکھوں کے ایک جتھے نے جو بندوقوں، ریوالوروں اور بموں سے مسلح تھا موضع "بالیہ" تھانہ مہال پور کے ایک مسلمان راجپوت کے گھر پر حملہ کیا گیا اور دو دستی بم پھینکے گئے۔

۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو تقریباً تین سو سکھوں نے بموں، بندوقوں، رائفلوں اور بھالوں سے مسلح ہو کر ہوشیار پور سے ٹانڈہ جانے والی سڑک پر موضع آصل پور پر حملہ کیا۔ چند مسلمان مارے گئے اور زیادہ تر زخمی ہوئے۔ چار مکانوں کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ خشک چارے اور بھوسے کے ذخیروں کو بھی نذرِ آتش کر دیا گیا جو مویشیوں کے لیے تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو قیامِ پاکستان کا اعلان ہوتے ہی ہندوؤں اور سکھوں نے ضلع ہوشیار پور کے تمام علاقوں میں قتل و غارت اور خون ریزی کے عمل کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ ان ظالم درندوں نے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک کو بھی تہ تیغ کرنے میں ظلم کی حد کر دی۔ جوان لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی اور بعد میں اُن کو قتل کر دیا گیا۔ معصوم بچوں کو نیزوں کی نوکوں پر لٹکایا گیا۔ ہر مسلمان گاؤں میں خون کی ہولیاں کھیلی گئیں۔ مکانوں کو جلایا گیا۔ مال و اسباب لوٹ لیے گئے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو موضع پسروٹی ضلع ہوشیار پور میں سکھ سیوک سنگھیوں کے ممبروں اور پولیس کی موجودگی میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور کے نواح میں بسی میاں علی محمد خاں پر سیوا سنگھ اور آزاد ہند فوج کے تین سو افراد نے

مل کر قتل و غارت کی اور مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور شہر میں تقریباً چار سو سکھوں نے حملہ کیا جس میں کچھ مسلمان قتل ہوئے اور زیادہ تر زخمی ہوئے۔ اس پر ستم یہ کہ ان زخمیوں کے لیے علاج معالجے کا کوئی انتظام نہ تھا۔

۱۷/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور سٹی میں ہوشیار پور کی پولیس اور مقامی ملٹری نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

ع تھا جن پہ تکیہ وہی پتے ہوا دینے لگے

۱۷/ اگست ۱۹۴۷ء کو بسی کلاں نواح ہوشیار پور میں ایک سو سکھوں مع مقامی پولیس و آزاد ہند فوج نے مل کر مسلمانوں کا قتل عام اور لوٹ مار کی اور خون کی ہولی کھیلی گئی مسلمان بے چارے حملے کا دفاع کیسے کرتے جب کہ وہ نہتے کر دیے گئے تھے۔ اسی تاریخ کو ہوشیار پور شہر میں سکھوں اور پولیس والوں نے بے دردی سے مسلمان علاقوں پر فائرنگ کی۔

۱۸/ اگست ۱۹۴۷ء کو بمقام ساون ضلع ہوشیار پور میں ایک لڑائی کے موقع پر مسلمان پولیس افسروں کو غیر مسلح کر دیا گیا اور یہ سب کچھ سکھوں اور ان کے پجاریوں ہندوؤں نے کیا اور پھر ان پر حملہ کیا گیا۔

۱۹/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور شہر میں مسلم پولیس افسروں کو بھی غیر مسلح کر دیا گیا اور پھر ان نہتے مسلمانوں پر ناقابل بیان ظلم کیے گئے۔

۲۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو صبح ۶ بجے موضع کھرور تھانہ بلاچور ضلع ہوشیار پور میں سکھوں نے آزاد ہند فوج اور ڈوگرہ فوج کے ہمراہ بھرپور حملہ کیا۔ تقریباً ڈھائی ہزار مسلمانوں جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے بھی تھے قتل کر دیا گیا اور ان کے گھروں سے مال و اسباب لوٹ کر لے گئے۔

۲۷/ اگست ۱۹۴۷ء کو موضع سرسہ ضلع ہوشیار پور میں سکھوں اور ہندو غنڈوں نے بہ سرکردگی رام سنگھ اور ہرنام سنگھ جتھے دار، لوٹ مار، آتش زنی اور فائرنگ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اور جو زندہ بچے وہ زخمی تھے۔

ان حملہ آوروں کے قتل و غارت اور ظلم سے جو زندہ بچے وہ پیدل یا بذریعہ بسوں اور ریل گاڑیوں پاکستان پہنچے، مگر ان ظالموں نے ریل گاڑیوں پر بھی حملے کیے۔

۱۶/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہوشیار پور ریلوے اسٹیشن پر ایک بڑا سکھوں کا جتھا ٹرین پر حملہ آور ہوا اور مسلمانوں کو ٹرین سے گھسیٹ گھسیٹ کر نکالا اور تلواروں، نیزوں سے نہایت بے دردی سے ہلاک کیا گیا۔

یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو بیاس ریلوے اسٹیشن پر ۴۰ سکھوں نے مسلمانوں کا جانی نقصان کیا اور ان کے مال و اسباب لوٹ کر لے گئے، جوان لڑکیوں کو اغوا کیا گیا۔

پانچ ستمبر ۱۹۴۷ء کو موضع خوجے والا، ریاست کپور تھلہ میں ٹرین پر بہت بھیانک حملہ کیا گیا۔ اس ٹرین میں تقریباً

پانچ ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ ٹرین کو پٹڑی سے اتار دیا گیا۔ ان درندہ صفت انسانوں نے کس کس انداز سے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی۔ عورتوں اور جوان لڑکیوں کے پستانوں کو نہایت بے دردی سے کاٹا گیا اور بچوں کو اُن کے والدین کے سامنے ذبح کیا گیا۔ اس منظر کو دیکھنے کے لیے علاقے کے چیف منسٹر اور کنور صاحب خود موجود تھے وہ مداخلت کیوں کرتے۔

اگست اور ستمبر کے دو ماہ میں گورداسپور، فیروز پور، جالندھر، لدھیانہ اور ہوشیار پور کے اضلاع میں پانچ لاکھ سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو خاک و خون میں نہلایا گیا۔ ایسے مسلمان جو راستے میں دریاؤں کی طغیانی، بھوک و پیاس کے مصائب، درندہ صفت ظالم انسانوں کے شبخون اور سرحدی افواج کی گولیوں کے شکار ہوتے پاکستان پہنچ کر راستے کے زہر آلود پانی، وباؤں اور سردی کی شدت سے مرنے والے پناہ گزین کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ تھی۔ ان عورتوں، بچوں اور مردوں کی تعداد جو اغوا اور ارتداد کے چنگل میں پھنس کر مشرقی پنجاب میں رہ گئے دس لاکھ تک پہنچتی ہے۔

(پاکستان کی قیمت۔ منشی عبدالرحمٰن خاں)

اسی ضلع ہوشیار پور کے ایک علاقہ شام چوراسی کے مسلمانوں کی پاکستان میں منتقلی کے دوران ہندوؤں، سکھوں کے وحشیانہ مظالم یہاں تک زور پکڑ گئے تھے۔ ایک مہاجر کی کہانی اُسی کی زبانی:

روزنامہ نوائے وقت ۵ دسمبر ۸۰ء: ایک روز صبح کے وقت چوک سراجاں جہاں ہم رہتے تھے پر آج کسی وقت ہندو سکھ حملہ کریں گے، چنانچہ چوک سراجاں کے مسلمان نوجوانوں نے شیخ رفیع کی حویلی میں جمع ہو کر اس منظم حملے کو ناکام بنانے کی تیاری کی۔ تقریباً تین سو سکھوں اور ہندوؤں نے بندوقوں سے مسلح ہو کر چوک سراجاں پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کی تعداد حملے کو روکنے کے لیے بمشکل نوے یا پچانوے افراد پر مشتمل تھی۔ ان نوجوانوں نے جس طرح پاکستان کے لیے قربانیاں دیں۔ اس کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو اس وقت موجود تھے۔ ایک نوجوان گرتا تو اس کی جگہ دوسرا نوجوان آتا۔ ان نوجوانوں نے بڑی عمر کے لوگوں میں بھی عزم نو پیدا کر دیا کچھ تو اسی وقت جا کر اس حملہ کو روکنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چوک سراجاں میں یہ جنگ تین روز تک جاری رہی۔ اسے ہوشیار پور کے مسلمانوں کی طرف سے بغیر کسی اسلحہ کے فیصلہ کن دفاعی جنگ کہا جا سکتا تھا۔ قوموں کے لیے وہ بڑی مصیبت کا دن ہوتا ہے۔ جب اس کے نوجوان فیصلہ کن مرحلوں میں ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جائیں لیکن دوآبہ کے نوجوانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ تحریکِ پاکستان کو جس قدر خون کی ضرورت ہے اس کے لیے وہ ہر دم تیار ہیں۔ چوک سراجاں جب خالی ہونا شروع ہوا تو ہم لوگ بھی جامع مسجد کے قریب شیخ جان محمد کی حویلی کے آس پاس ایک مکان میں منتقل ہو گئے، لیکن وہاں پہنچنے کے لیے ایک لمبے دوراہے کو عبور کرنا ضروری تھا۔ اس کے آخری سرے پر ایک مندر تھا جس سے ہندو غنڈے فائرنگ کرتے تھے۔ سرکاری پولیس بھی اُن کی مدد کرتی تھی، کو عبور کرتے ہوتے بے شمار مسلمان شہید ہوتے۔ میرے والد صاحب اس دوران میں لاہور سے کانوائے لینے چلے گئے۔ مسلمانوں نے قافلے بنا کر اپنے اپنے

گھروں سے نکلنا شروع کر دیا تھا صرف ہمارا ہی خاندان والد صاحب کا انتظار کرتا رہا۔ سکھوں، ہندوؤں نے ہوشیار پور کی تمام مساجد سے قرآن مجید اٹھا کر سڑکوں پر پھینک دیے اور بدمست ہو کر اغوا شدہ مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی جا رہی تھی۔

آخر کار والد صاحب گیارہویں روز" کانوائے" لے کر پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ دریائے بیاس طغیانی پر ہے، اس لیے آنے میں دیر ہو گئی۔ ان کے ساتھ بلوچ رجمنٹ کے نوجوان سٹین گنوں اور تھری ناٹ تھری بندوقوں سے لیس تھے۔ شام کے وقت شام چوراسی پہنچے تو اس کی نہر کا پانی خونِ مسلم سے سرخ تھا۔ شام چوراسی کے مسلم نوجوانوں نے چار دن تک مسلسل پندرہ ہزار سکھوں اور ہندو غنڈوں کو روکے رکھا۔ اور اس دوران مسلمان گھرانوں کو قافلوں کی صورت میں روانہ کیا۔ نہر طغیانی پر تھی ہم عبور نہیں کر سکتے تھے، للہذا رات گزارنے کے لیے وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ رات کو ایک بلوچی نے والد صاحب کو بتایا کہ ہوشیار پور میں پندرہ روز میں ساڑھے تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور یہ سب کچھ مرہٹہ فوج کی دھاندلی کی وجہ سے ہوا۔ اغوا ہونے والی خواتین کا اندازہ نہ ہو سکا۔ رات ڈیڑھ بجے کے قریب چاند کی روشنی میں شمال و جنوب سے اچانک بڑی تعداد میں سکھ "ست سری اکال" کا نعرہ لگاتے ہوئے آ گئے۔ بلوچ رجمنٹ کے جوانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ ادھر ادھر چھپ گئے اور کانوائے کے مردوں کو کچھ رائفلیں دے دیں۔ اور کچھ لوگوں کے پاس پہلے سے ہی اسلحہ موجود تھا۔ جب وہ قریب آئے تو ان پر زبردست فائرنگ شروع کر دی گئی۔ وہ سمجھے کہ کانوائے سوتے ہوئے ہیں، ابھی اس بوکھلاہٹ سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ پیچھے سے کانوائے کو لے جانے والے بلوچ رجمنٹ کے جوانوں نے اسٹین گنوں سے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ اس کے بعد حملہ آور ایسے بھاگے کہ صبح تک کوئی خبر نہ ملی۔ ہم نے علی الصبح نہر کو عبور کیا تو کچھ فاصلے پر کسی عورت کے کراہنے کی آواز آئی۔ ایک بزرگ ڈاکٹر نصیر الدین فوراً آگے بڑھے۔ انہوں نے پوچھا کون ہے تو دیکھا ایک عورت خون میں لت پت پڑی تھی۔ انہوں نے اس خاتون کو پانی پلایا اور مرہم پٹی کی۔ اس عورت نے بتایا کہ شام چوراسی کے مقابلہ میں اس کے والد، سات بھائی، چچا اور ان کے چار لڑکے شہید ہو گئے ہیں تین بہنیں مقابلہ کرتی ہوئیں نہر میں ڈوب گئیں۔ والدہ کو حملہ آوروں نے قتل کر دیا۔ میں چھپ گئی لیکن انہوں نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔ جب حملہ آور میرے قریب آئے تو میں نے گنڈاسا سے دو حملہ آوروں کو زخمی کر دیا۔ پھر انہوں نے بدلہ میں میرا یہ حشر کر دیا۔ خاتون آخری سانسوں پر تھی۔ آخری سانس میں پاکستان کو سلام کہہ کر شہید ہو گئی۔

راقم الحروف کے گاؤں کی ہجرت

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بڑی سخت جدوجہد اور شب و روز کی ان تھک محنتوں سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۷ رمضان المبارک کو مملکت پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ پھر جو اکا دکا فساد پہلے رہتے تھے، اب زوروں پر شروع ہو گئے

تھے۔ ہندو سکھ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے اور درپے آزار ہو گئے۔ مال و اسباب کو لوٹتے، جانی نقصان کرتے مگر یہ قوم مسلم جن کی تعلیم و تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، تبع تابعین کے بعد اللہ پاک کے ولیوں، بزرگوں اور مشائخین نے کی ہو، جن کی زندگی کا ہر ہر شعبہ مجاہدانہ ہو اور اللہ رسولؐ کے لیے وقف ہو جو حق و باطل کی جنگ میں قتل ہونے پر شہادت کا درجہ پاتے ہیں اور جنگ میں فتح ہونے پر غازی کا درجہ پاتے ہیں، کیونکر ہندوؤں کے سامنے ہتھیار ڈال سکتے ہیں جن قصبوں اور دیہاتوں میں مسلمانوں کے خاندان اقلیت میں تھے وہاں پر مسلمانوں کو آسانی سے شہید کر دیا گیا اور جوان لڑکیوں کو جبراً اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور جن دیہاتوں یا قصبوں میں ہندو سکھ خاندانوں کی اقلیت میں ہوتے مسلمانوں نے اُن کے ساتھ اپنے اخلاق و محبت کی وجہ سے بھائیوں جیسا سلوک کیا۔ اُن کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ اُن کا ہر طرح سے دفاع کیا۔ شب و روز پریشان کُن خبریں آ رہی تھیں کہ آج فلاں گاؤں کے اتنی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ اور آج فلاں قصبے کو بلوائیوں نے نذرِ آتش کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو اذیتیں دے دے کر قتل کر دیا گیا حکومت برطانوی نے ابھی پاکستان کا اعلان نہیں کیا تھا۔ تقریباً ایک مہینہ پہلے پولیس اور ملٹری کے ذریعے جبراً ہر گاؤں اور ہر قصبے سے ہتھیار چھیننا شروع کر دیے تھے تاکہ بوقتِ ضرورت مسلمان نہتے رہیں اور اپنا دفاع نہ کر سکیں اور کچھ ایسی سکیمیں تیار کیں کہ جب اُن کے قافلے پاکستان کی طرف ہجرت کریں اُن پر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جاتے۔ اردگرد کے دیہات اور قصبات پہلے تو جتھہ بندی کے ساتھ اپنا دفاع کرتے رہے جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی مگر جہاں مسلمان جتھے ناکام ہو جاتے وہاں پر بدفطرت ہندوؤں اور سکھوں کی بن آتی۔ یہ سلسلہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا۔ ہمارے گاؤں کی تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ دو چار گھر عیسائیوں کے تھے۔ رمضان شریف ختم ہوا عید کا چاند نظر آیا لوگوں نے نمازِ عید کے لیے تیاری کی اور دربار شریف کی مسجد میں گئے اور نمازِ عید الفطر پڑھ رہے تھے۔ جب ایک رکعت ختم ہوئی تو اچانک گاؤں کی عورتوں اور بچوں نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا کہ سکھوں کا جتھہ گاؤں پر حملہ کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ بمشکل تمام دوسری رکعت ختم کی۔ نمازِ عید کا خطبہ کون سنتا کون پڑھتا بھگدڑ مچ گئی۔ گاؤں کے تمام مردوں نے فوراً گاؤں کے باہر دفاع کے انتظام کر لیے۔ عورتیں بھی چوکس ہو گئیں۔ مگر خدا کی قدرت نہ سکھ آئے اور نہ حملہ ہوا۔ اس کے بعد ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پُرخطر حالات کے پیشِ نظر یکے بعد دیگرے گاؤں والوں نے قرب و جوار میں اپنے عزیز و اقارب کے ہاں عورتوں اور بچوں کو بھیجنا شروع کر دیا۔ اس کے دو چار دن بعد حکومت ہند کے اعلان کے مطابق ایک کیمپ قائم کر دیا گیا جو کہ پندرہ بیس دیہات پر مشتمل تھا۔ یہ کیمپ دوسوہہ ریلوے اسٹیشن کے متصل ایک پڑاؤ اور اسلامیہ ہائی سکول دوسوہہ میں لگایا گیا تھا۔

موسم برسات کی وجہ سے کیمپ میں رہتے رہتے لوگ وبائی امراض کا شکار ہونے لگے۔ جن خاندانوں کے عزیز و اقارب

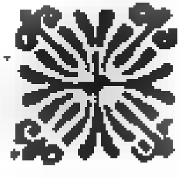
ظالم درندوں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کر چکے تھے وہ بھی سکونِ قلب کھونے کی وجہ سے لاغر اور بیمار پڑ گئے تھے۔ کیمپ کے اندر علاج معالجے کا انتظام تو ہوتا نہیں تھا جس کی وجہ سے لوگوں کی اموات ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اس کیمپ کا قیام تقریباً ڈیڑھ دو مہینہ تک رہا۔ اس کے بعد اکتوبر کے پہلے ہفتے میں اس کیمپ کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ جب قافلہ چلتے چلتے اُڑمڑ ٹانڈہ کے نزدیک پہنچا تو وہاں پر ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت سکھوں اور ہندوؤں نے سڑک کے دو طرفہ کھڑی فصلوں سے نکل کر بے خبر راہ چلتے قافلے پر اچانک حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ بھی نہیں تھا جس سے ان ظالم درندوں کا مقابلہ کرتے۔ لہٰذا بیسیوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا اور جوان لڑکیوں کو اُٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔ عجب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ بھگدڑ مچ گئی۔ ڈوگرہ ملٹری جو قافلے کی رہنمائی کر رہی تھی وہ بجائے مسلمانوں کا دفاع کرنے کے جو لوگ جانیں بچا کر بھاگتے ان پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ ان کی گولیوں کی بوچھاڑ سے بھی کئی لوگ شہید ہوئے۔ جو زخمی ہوئے وہ بھی مرے ہوؤں کے برابر تھے۔ جس جگہ پر یہ اچانک حملہ کیا گیا، وہاں پر سڑک برسات کی وجہ سے دلدلی ہو گئی تھی۔ جب ہندو سکھ حملہ کر کے بھاگ گئے۔ دوبارہ قافلہ کو متحد کر کے روانگی کا حکم دیا گیا۔ لاشوں اور زخمیوں کو اسی جگہ چھوڑ دیا گیا۔ اُن کا کیا حشر ہوا کوئی پتہ نہیں۔ قافلے کا پہلا پڑاؤ موضع ڈھڈا سنوڑا تھا۔ قافلہ پہنچنے سے پہلے ان ہندوؤں سکھوں نے سڑک کے کنارے جوہڑوں اور کنوؤں کے اندر چونا اور سجی ڈال دیا تھا۔ جو بھی ان جوہڑوں اور کنوؤں کا پانی استعمال کرتا پیٹ کے امراض میں مبتلا ہو جاتا۔ اس جگہ پر کیمپ نے دو دن قیام کیا۔ یہاں سے پھر آ سے روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس مقام سے چل کر جب پریشان حال قافلہ ضلع جالندھر کے موضع علاول پور دھوگڑی کے نواح میں پہنچا تو اس جگہ پر قافلے کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اس قافلے کو کچھ اس طرح امداد فرمائی کہ قافلے کے تحفظ اور رہنمائی کے لیے بلوچ رجمنٹ مسلمان ملٹری پہنچ گئی۔ یہاں پر لوگوں کو ذرا سکون ہوا۔ مسلمان ملٹری راستے بھر مسلمانوں کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ اس کیمپ میں ہماری رشتہ میں ایک نانی تھی اُس کا یہاں پر انتقال ہو گیا تھا۔ سڑک کے کنارے اگر ان کو بدفطرت ہندو اور سکھ نظر آجاتا فوراً اُس کو گولی کا نشانہ بناتے اور جہنم واصل کر دیتے۔ قافلے نے اس مقام پر دو دن قیام کیا تاکہ راستے کی پریشان کُن تھکن دُور ہو سکے۔ چوتھے دن وہاں سے پھر قافلے کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ جب قافلہ چلتے چلتے دریائے بیاس سے ابھی چار چھ میل پیچھے تھا پہنچا۔ وہاں پر سڑک کے دونوں کناروں اور دُور دُور تک ہزاروں کی تعداد میں انسانوں اور مویشیوں کی بکھری پڑی ہوئیں لاشیں نظر آئیں، جن کی بدبو، سڑاند اور تعفن کی وجہ سے قافلے والوں کے دماغ پھٹے جاتے تھے۔ بڑی مشکل سے اہلِ قافلہ نے چار چھ میل کا راستہ طے کیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جالندھر کینٹ کے گرد و نواح کے تقریباً بیس مواضع جات پر مشتمل مسلمانوں کا قافلہ جو تقریباً پچھتر ہزار سے زائد مسلمانوں پر مشتمل تھا وہ پاکستان ہجرت کر رہا تھا۔ جب چلتے چلتے شام کو تھکے ماندے قافلے نے اس منزل پر پڑاؤ

کیا تو ہندوؤں اور سکھوں نے دریائے بیاس کا کنارہ توڑ کر پورے قافلے کو سیلاب کی نظر کر دیا۔ ایک تو رات کی تاریکی اور دوسرا سیلاب۔ کوئی انسان اور مویشی زندہ نہیں بچا۔ ہمارے قافلے کو دریائے بیاس کو پار کرنے کے بعد دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔

ہمارا قافلہ جمعہ کے روز شام کو دریائے بیاس پر پہنچا۔ دوسرے دن اسی مقام پر بروز ہفتہ ۲۵ راکتوبر ۱۹۴۷ء بمطابق ورکاتک ۲۰۰۴ بکرمی عید الضحیٰ آگئی۔ خوشی کیا ہوتی۔ لوگوں نے اس عید قربان پر اپنی جانیں اور عزیز و اقارب کی جانیں پاکستان کے لیے قربانی میں دے دی تھیں۔ یہاں پر ہمارے کچھ عزیزوں کی بھی اموات ہو گئی تھیں۔ دل ایسے سخت ہو گئے تھے، کون کسی کے لیے روتا، کون کسی کا غم کھاتا، کون کسی کے بچھڑنے پر پریشان ہوتا۔ اگر دل میں کوئی آرزو تھی یا حسرت تھی تو صرف پاکستان پہنچنے کی تھی یعنی اس پاک سرزمین میں پہنچنے کے لیے جس کے لیے ہزاروں لوگوں کی قربانیاں رنگ لا چکی تھیں۔ گھر بار لٹا چکے تھے اور ہر طرح سے اُجڑ کر پاکستان کی طرف رواں دواں تھے۔ بے سروساماں تھے اور دلوں میں اگر کوئی اُمنگ تھی تو صرف ایک اُمنگ تھی وہ صرف پاکستان کی تھی۔ یہاں پر قافلہ نے چار دن تک قیام کیا۔ اس کے بعد قافلے کو روانگی کا حکم دیا گیا۔ وہاں سے قافلہ چل کر امرتسر پہنچا اور بیاکھی دسہرہ گراؤنڈ میں پڑاؤ کیا۔ اب لوگوں کے پاس سے راشن بالکل ختم ہو گیا تھا۔ ہندو سکھ جو سامان خوراک بیچتے تھے اُس کو خریدنے میں مُسلمان ہچکچاتے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں زہریلی چیزیں ملی ہوئی ہوں۔ اور کھانے سے کسی جان کا نقصان ہو جائے۔ خیر لوگ بھوکے پیاسے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہے۔ امرتسر میں گورنمنٹ ہند نے کچھ ٹرانسپورٹ کا انتظام کر رکھا تھا مگر وہ انتظام تسلی بخش نہیں تھا۔ لہٰذا جن لوگوں کے پاس بیل گاڑیاں تھیں اُن کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی بیل گاڑیاں لے کر لاہور جا سکتے ہیں۔ راقم الحروف کے والدین نے بھی بجائے بسوں، ٹرکوں پر جانے کے ان ہی بیل گاڑیوں والے قافلے کے ہمراہ چار پانچ روز امرتسر میں اپنی تھکن دُور کرنے کے بعد ایک شب کو چل پڑے۔ تمام شب قافلہ چلتا رہا۔ یہ ہماری آخری منزل کا سفر شب کو رہا۔ اُدھر صبح کا تارا نمودار ہوا۔ اُدھر ہم بھی منزل کے قریب پہنچ چکے تھے۔

جیسے ہی ہم باڈر یعنی پاک سرحد پر پہنچے نماز فجر کا وقت تھا۔ ایک طرف ہندوستان کا ترنگا اور دوسری طرف پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا۔ ہم نے اور قافلے والوں نے سرزمین پاک میں داخل ہو کر نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ایک آدھ گھنٹہ آرام کرنے کے بعد پھر چل پڑے۔ مگر تھکن سے جسم چور چور ہو رہے تھے۔ اب مزید چلنے کی ہمت نہیں تھی مگر پھر بھی لوگ کہہ رہے تھے کہ کسی گاؤں کے نزدیک پڑاؤ کیا جائے۔ ہمارے پاس راشن نام کو نہیں تھا۔ مگر حوصلے اس قدر بلند تھے کہ بغیر خوراک کے شب بھر سفر کرتے رہے۔ سُورج طلوع ہوا۔ دن چڑھا۔ دن کے دس گیارہ بجے ایک گاؤں کے نزدیک ڈیرے ڈال دیے۔ اُدھر سڑک پر تین چار ملٹری کے ٹرک گزر رہے تھے۔ اُنہوں نے ہمیں دیکھا اور ٹرک

ہمارے نزدیک لائے اور روک کر پوچھنے لگے کہ راشن چاہیے، لہٰذا اُنھوں نے ہمارے ہاں کہنے پر پانچ سیر کے قریب دال اور بیس سیر آٹا دے کر چلے گئے۔ والدین نے کھانا تیار کیا اور سب نے مل کر پیٹ بھر کر کھایا۔ اور رات کے تھکے ماندے تھے تھوڑا سا آرام کیا پھر چل پڑے۔ اب دلوں میں خوف وہراس نہیں تھا۔ آزاد ملک میں پہنچ چکے تھے۔ آزادی سے چلنے لگے اور شام تک ہڈیارہ برکی روڈ پر واقع باؤلی کیمپ پہنچ گئے۔ وہاں پر بچھڑے ہوئے عزیز و اقارب مل گئے۔ پھر آہستہ آہستہ پتہ چلتا رہا کون مرا، کون زندہ بچا۔ یہ ہمارے گاؤں کی روداد تھی کہ وہ کس طرح پاکستان پہنچے اور راستے میں جو جو تکالیف اُٹھائیں اُن کا مختصر سا خاکہ قارئین کرام کے پیشِ نظر ہے۔ ضلع کے دوسرے دیہات اور باقی مشرقی پنجاب کے مُسلمانوں کے حالات ایسے ہی پریشان کُن رہے۔ ٹرینیں تک کاٹ دی گئیں۔ قافلے کے قافلے شہید کر دیے گئے۔ جو زندہ بچے وہ پاکستان پہنچے۔



غیر مُسلموں کے تاثرات

ایک ہندو مصنف "دھنوتری" پنجاب کی خونی داستان جس کا ترجمہ حکیم سید اختر حسین ہاشمی نے کیا ہے لکھتا ہے۔ مشرقی پنجاب میں مُسلم اور مغربی پنجاب میں ہندو سکھ اقلیتوں کو نیست و نابود کرنے کی منظم جنگ اور مشرقی پنجاب میں اکالیوں کے شہیدی دل اور ہندو سبھا کے راشٹریہ سیوک سنگھ اور مغربی پنجاب میں قومی محافظین ان دستوں کو بدترین مظالم ڈھانے اور سیہ کارانہ افعال کا ارتکاب کرنے میں نہ صرف پولیس اور فوج نے عملی امداد دی بلکہ سکھ ریاستوں کے حکمرانوں نے بھی ساتھ دیا۔ برطانوی سامراجیوں کی حکمتِ عملی اور اُن کے منصوبوں اور ابلیسانہ فراست کا مشاہدہ مُسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی۔ جو مُسلم قومی محافظین کے دستوں کو غیر قانونی قرار دینے کی وجہ سے شروع ہوئی تھی حکومت کے حکم تنسیخ کے باوجود اس نظریہ کے تحت برقرار رہی کہ اس کے ذریعے خضر کانگرس وزارت پر دباؤ ڈالا جائے۔

اٹیلی کے ۲۰ فروری ۱۹۴۶ء والے اشتعال انگیز اعلان کے فوراً ہی بعد جس کے ذریعے تقسیم ہند کی بُنیاد ڈال دی گئی تھی گورنر جنکن نے خضر حیات خاں جو تمام عمر برطانیہ کا قابلِ اعتماد وزیر بنا رہا تھا یہ خواہش ظاہر کی کہ استعفیٰ

دے کر راستہ صاف کر دے۔ اس اعلان سے مسلم لیگیوں کو تشکیل وزارت کی لگن اور دوسری طرف اکالی سکھوں اور ہندوؤں کے لیے کدورت پیدا کی۔ امرتسر میں لاتعداد مسلمانوں کو سکھوں نے چوک پراگ داس میں قتل کیا۔ اس کے بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنڈی کے اطراف میں ہنگامے شروع ہو گئے۔ عوام لوٹ مار، آتش زنی اور ناقابلِ بیان مظالم کا ارتکاب کر رہے تھے۔

ایک موقع پر راولپنڈی کے ہنگامہ کے موقع پر میکڈانلڈ کا بیان:

"فکر مند مت ہو۔ یہ فوراً ہی اپنے مصائب بھول جائیں گے جب مغربی اور مشرقی پنجاب میں اپنے ہم مذہبوں کو مسلمانوں سے اپنا انتقام لیتے ہوئے دیکھیں گے۔"

پھر کیا ہوا۔ انتقام لینے کا پراپیگنڈہ شروع ہو گیا۔ دیہاتوں میں شہیدی دل دستوں کی تشکیل شروع ہو گئی۔ اس کے لیے مسلح افواج کے لیے جیپ گاڑیاں اور موٹر ٹرک فراہم کیے گئے۔ اس کام میں ان کی امداد و اعانت نہ صرف پنجاب کے سکھ حکمرانوں (فریدکوٹ اور پٹیالہ) نے کی بلکہ ضلع امرتسر میں بڑے بڑے زمینداروں مثلاً خاندان مجیٹھہ اور راج ہنس کے ہرمہندر سنگھ نے ہر قسم کی مدد دی۔ امرتسر کا کروڑ پتی باوا گرمکھ سنگھ اور پنجاب کا رئیس گوکل چند راشٹریہ سیوک کا قائد ایک پرانا فرقہ پرست رائے بہادر بدری داس تھا۔

پٹیالہ نے راولپنڈی کے پناہ گزینوں کے لیے اپنی ریاست میں ایک بڑا کیمپ قائم کیا۔ سرمایہ داروں نے تقریباً آٹھ کروڑ روپے پٹیالہ کے سرکاری بنک میں جمع کرائے۔ فیروزپور میں مہاراجہ فریدکوٹ نے اکالی دستوں کو متعدد جیپ گاڑیاں فراہم کیں اور اسلحہ فراہم کیا۔ ایک طے شدہ منظم منصوبے کے تحت تقریباً دو لاکھ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ اس وقت ۳۶ لاکھ ہندو اور سکھ مغربی پنجاب میں اور ۴۴ لاکھ پرستارانِ اسلام مشرقی پنجاب میں آباد تھے۔

ایک ہندو مصنف کرشن داس کوہلی تھا اپنی کتاب "نو مہا پرش" میں تقسیم ہند و پاکستان کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ایسے ہی ایک گاؤں کے بعد دوسرے گاؤں کو تباہ کر دیا؛ چنانچہ ان حملوں کا پہلا نشانہ ببر ترن تارن اور مجیٹھہ نامی گاؤں امرتسر میں تباہ و برباد ہو گئے۔ ۱۵ اگست ۴۷ء کو قتل و غارت کی یہ گرم بازاری اپنے انتہائے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ پولیس اور انتظامیہ ڈنکے کی چوٹ ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس برستی آگ نے گورداسپور اور نواحِ اضلاع کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ۴ اگست ۱۹۴۷ء کو میجر جنرل ریس نے جو "لشکر حد بندی" کا سپہ سالار تھا بمقام لاہور صحیفہ نگاروں کی ایک کانفرنس منعقد کی اور اس کانفرنس میں اعلان کیا کہ میرا لشکر نہ صرف "غیر جانبدارانہ حیثیت کا حامل" بلکہ جرار بھی ہے اور اس کا تمام تر کمان برطانوی عہدہ داروں کے ہاتھوں میں ہے۔ جب کوئی فوج کسی فریضہ کی انجام دہی

پر مامور کی جاتی ہے تو وہ اپنے فرائض کا کامل احساس رکھتی ہے۔ مزید برآں اُس نے اس امر کا بھی اظہار کیا کہ گو ہماری فوج عُہدہ داروں اور انتظامی سے عمل کرے گی، لیکن ہمیں اس کا بھی اقتدار حاصل ہے کہ اپنے فرائض آزادانہ حیثیت سے انجام دیں یہ فورج "مارشل آکن لک" سپہ سالار اعلیٰ کی راس نگرانی میں ہے۔ انگریز نے نہ صرف اپنے فرائض کو یک لخت فراموش کر دیا تھا بلکہ ایک عظیم واحد قوت کی حیثیت سے یہ سارے صوبے میں تباہی و بربادی کا ممدو معاون ثابت ہوا۔

شہیدی دل راشٹریہ سیوک سنگھ اور قومی محافظین کے مسلح دستے کھلے ہندوں اپنے تخریبی اعمال میں مشغول ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی نہیں روکا گیا۔ اور ظلم اپنے انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حق یہ ہے کہ آج ہر پنجابی کی زبان پر یہ ضرب المثل ہے کہ سکھ دستوں کا برطانوی کمانڈر اکالی بن گیا اور ہندو مسلم دستوں کی کمان کرنے والا مہا بھائی یا مسلمان"۔

مسلم پناہ گزیں جو امرتسر سے بھاگ کر لاہور میں پناہ ڈھونڈنے آئے تھے، ہندو ڈوگرا فوج نے چُن چُن کر ختم کیا۔ ۱۲۔۱۳۔۱۴ اگست کو تین چار ہزار افراد نے اپنی جانیں قربان کیں۔ اس کے علاوہ دیگر اضلاع میں بے پناہ خون کی ندیاں بہتی رہیں۔ یہ مسلح دستے شراب کے نشے میں بدمست اور انسانی خون کے پیاسے اپنے شکار کی تلاش میں گشت لگائے ہوتے تھے۔ اور ہندو سکھ پولیس نیز "لشکر حد بندی" کی عملی امداد سے مسلمان پناہ گزینوں پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ سینکڑوں مسلم خواتین کی عصمت دری کی گئی اور اُن کا اغوا کیا گیا۔ ایک مرتبہ مسلم خواتین کی ایک جماعت کو سر سے پاؤں تک برہنہ کر کے امرتسر کی شاہراہوں پر گشت کرایا گیا۔

ابھی تقسیم ہند کی باتیں عوام میں ہو رہی تھیں مسلمان قوم اپنی آزادی کے خواب دیکھ رہی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ صدارت الٰہ آباد میں ہندو سیاسی شر پسندوں کی توجہ ہٹا کر مسلم لیگ کے رہنماؤں اور قوم کو جمہوریت و آزادی کی طرف توجہ دلائی۔ ہندو شر پسند اخباروں نے مسلم لیگ کے اظہار آزادی کا نوٹس لیا۔ وہ تو چاہتے تھے کہ ہندوستان کو آزادی ملے۔ اب اس آزادی کے پردے میں مسلمان مسلم لیگ رہنماؤں نے مسلم آزادی کی سعی و کوششیں شروع کر دیں۔ ہندو قوم دل سے نہیں چاہتی تھی کہ ہندوستان کا بٹوارہ ہو جائے اور اس بٹوارے میں مسلمان بھی آزاد ہو جائیں۔ اخباروں میں اس کے متعلق کافی لے دے ہوئی۔ ہندو رسائل و جریدوں میں بھی ہندو اہلِ قلم شر پسندوں نے پاکستان کے متعلق دل کھول کر مخالفت کی۔ شعراء نے اپنی بدفطرت ذہنیت سے مجبور ہو کر شعر کہے۔ ایک ہندو شاعر تلوک چند محروم نے مندرجہ ذیل رباعی پاکستان کی مخالفت میں مشہور ماہنامہ جریدہ "زمانہ" کان پور میں چھپوائی۔

تقسیم وطن چہ فتنۂ عریاں است ... ایں شیوۂ افتراق و شر ساماں است

پاکستان است اندروں، دُور از تو ... کہ ایں رہ کہ میروی بہ ترکستان است

مگر اس کے مقابلے میں تحریک پاکستان کے حامی جیالے مُسلمان شاعروں نے مُسلم لیگ کو منظم اور مضبوط رکھنے کے لیے نظمیں لکھیں۔ یہاں تک کہ اس وقت کے رسالوں، جریدوں اور اخباروں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جو مندرجہ ذیل ہے۔

مُسلم لیگ کا ترانہ

اسلام کا جھنڈا لہرا کر ایمان کا جذبہ پیدا کر　　بُت خانہ کی راہ نہ دیکھا کر کعبے کی طرف منہ اپنا کر
مُسلم ہے تو مُسلم لیگ میں آ
ظُلمت نے جو کفر کی آگھیرا ایک شمع جلا کے لگا پھیرا　　منزل پہ پہنچ کے جما ڈیرا محفل ہو تیری ساقی تیرا
مُسلم ہے تو مُسلم لیگ میں آ
باطل پہ اڑے ہیں کانگرسی، کرتے نہیں حق کی دادرسی　　کچھ اور ہے اُن کے جی میں بسی، ہاں چھوڑ کے اُنکی ہم نفسی
مُسلم ہے تو مُسلم لیگ میں آ

شفق (آفتاب جنوری فروری ۱۹۳۹ء)

....

احسان کا ہنڈا ہاتھ میں لے　　ایمان کا ڈنڈا ہاتھ میں لے
اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لے　　پھر ساری یہ دُنیا تیری ہے

....

مُسلمانوں کرو اُونچا خدا کے نام کا جھنڈا　　قدم ہو راہِ حق میں ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا
جُھکا دو سامنے تم لیگ کے ہر ایک پرچم کو　　مٹا دو حق پرستی پر خیالِ خام کا جھنڈا
منظم ہو مسلمانو نہیں ہے وقت سونے کا　　کرو مضبوط مُسلم لیگ کے احکام کا جھنڈا
مسلمانوں سنبھل جاؤ ذرا ہوشیار ہو جاؤ　　لگائے کانگرس ہر سو ہے اپنے دام کا جھنڈا

.....

سُن لو سُن لو یہ فریاد۔ بگڑی قوم کی ہے رُوداد　　اس پر غیروں کی بیداد۔ کر دو اس حملہ پر صاد
مسلم لیگ زندہ باد۔ زندہ باد، زندہ باد

لیگ کے سب ممبر بن جاؤ۔ اسلامی پرچم لہراؤ　　سوئے ہوئے بھائی کو جگاؤ، پھر سب مل کر گاؤ

مُسلم لیگ زندہ باد۔ زندہ باد، زندہ باد

لیگ کا دامن تھام لو پیارے، یکجہتی سے کام لو پیارے　　وحدت کا اک جام لو پیارے، جوش سے پھر یہ نام لو پیارے

مُسلم لیگ زندہ باد۔ زندہ باد، زندہ باد

(آفتاب۔ ۱۹۳۹ء)

پاکستان کے حامی

مُسلمان ہو چکے ہیں دل سے پاکستان کے حامی　　بہت نزدیک ہیں منزل سے پاکستان کے حامی

مقابل کون آسکتا ہے تیری حق پرستی کے　　نہ گھبرا غلبۂ باطل سے پاکستان کے حامی

....

پاکستان والے ہیں

انوکھی تان والے ہیں نرالی شان والے ہیں　　یہ اپنی دُھن کے پکّے لوگ ہیں ایمان والے ہیں

پکار اُٹھتے ہیں مُسلم لیگیوں کو دیکھنے والے　　یہ پاکستان والے ہیں یہ پاکستان والے ہیں!

عجب ہشیاری و مستی ہے پاکستان والوں کی　　سبھی واقف ہیں کیا ہستی ہے پاکستان والوں کی

وہ دن نزدیک ہے جب سب پہ کھل جائیگا یہ عقدہ　　ارے پنجاب اک بستی ہے پاکستان والوں کی

ضیا بخش دل و جاں صاحب ایماں کی صورت　　وہی قرآں کی عظمت وہی قرآں کی صورت

مُسلمانوں کی ہستی کا بھرم اللہ رکھے گا　　حقیقت آئینہ کر دے گی پاکستان کی صورت

کہوں کیونکر کہ خود قرآن ہے قرآن کا مطلب　　کوئی کفر آشنا کیا سمجھے گا کیا ایمان کا مطلب

مُسلمانوں کی پاکیزہ تمناؤں کا گہوارہ　　بجائے خود ہے "پاکستان" پاکستان کا مطلب!

خدا چاہے تو ہر مشکل تری آسان ہو جائے
تیری پہچان کا قائم "نیا عنوان" ہو جائے
نئے عنوان سے قائم تیری پہچان ہو جائے
تیری قربانیوں کا نام "پاکستان" ہو جائے

(ماہنامہ خاتون لاہور ۱۹۴۴ء)

تمنائے ترقی میں یہ احسان کر کے چھوڑیں گے
ہم پاکستان پہ اپنی جان قربان کر کے چھوڑیں گے
جگر کے خون سے پالیں گے بوٹے "باغِ احمدؐ" کے
ہرا اسلام کا اک دن گلستان کر کے چھوڑیں گے

ہفتہ وار "خاتون" ۱۹۴۴ء

صوفیائے کرام کا اعلانِ حق :-

مسلم لیگ کی حمایت میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو مسلم لیگ میں شامل نہ ہو اور مر جائے تو اُن کے مرید ایسے شخص کا جنازہ بھی نہ پڑھیں۔ اور اس طرح حضرت دیوان سید آل رسول علی خاں آستانہ عالیہ اجمیر شریف نے ارشاد فرمایا کہ مسلم لیگ نے حصولِ پاکستان کے لیے انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان دل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ ہو جاتے۔ حضرت پیر لاڈلے حسین شاہ سجادہ نشین گلبرگہ شریف دکن نے فرمایا۔ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی جماعت ہے۔ مولانا حافظ خواجہ غلام سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف بذریعہ خاص ارشاد فرمایا کہ مریدین باصفا اور تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ حضرت سجادہ نشین دربار پاک پتن کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے ووٹ کے حقدار صرف مسلم لیگی نمائندے ہیں۔ مولانا الحاج سید شاہ غلام محی الدین چشتی نظامی سجادہ نشین گولڑہ شریف نے فرمایا کہ اے مسلمانو! اس معرکہ حق و باطل میں مسلم لیگ کا ساتھ دو۔ مولانا حافظ شاہ محمد قمر الدین چشتی نظامی سجادہ نشین سیال شریف کا فرمان ہے کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جنگِ پاکستان میں مسلم لیگ کا ساتھ دے۔ حضرت مولانا سید فضل شاہ امیر حزب اللہ جلال پور شریف کا ارشاد ہے کہ مسلمانو! وحدت ملت کو قائم رکھو اور مسلم لیگ کا ساتھ دو۔

ہز ہائی نس سر آغا خاں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی تاکید کی تھی۔

"خاتون" ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء

اُن کی دُھن اُن کی لگن اُن کی تمنّا اُن کی یاد

مختصر سی ہے مگر کافی ہے سامانِ حیات

(علامہ اختر الحامدیؒ)

کہاں چھپے ہیں جو کج رَو کو روشنی بخشیں

کہاں گئے جنہیں اہلِ جمال کہتے ہیں!

کتبہ: علی احمد صابر چشتی لاہور

سنہ ۱۴۰۱ھ

اعجاز جیلانی شروانی

بپاس خاطر: عالیجناب ملک نواز احمد صاحب سند کراچی پاکستان

حضرت خواجہ محمدؒ دیوان چشتی صابریؒ

خلقت العلماء من صدری وخلقت السادات من صلبی وخلقت الفقراء من نور اللہ تعالیٰ (الحدیث)
یہ حدیث پاک ان بزرگانِ دین کے متعلق ہمارے سرکار دو عالمؐ والی و وارث حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے جس کا ترجمہ اس طرح سے ہے کہ علماء میرے سینے سے، سادات میری پیٹھ سے اور فقراء انوار الٰہی سے پیدا ہوتے۔ ایک اور دوسری حدیثِ میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تخلیق زمین کی مٹی سے کی اور فقراء بہشت کی مٹی سے پیدا کیے۔ اس لیے فقراء ہمیشہ بے حرص، بے حسد اور بے ریا ہوتے ہیں۔ "الفقراء لامحتاج الا الی اللہ" فقراء اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ اور جو لوگ ان بزرگوں اور صالحین و صادقین کا قُرب حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے لیے قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ؛

یا ایہا الذین آمنو کونو مع الصادقین (اے ایمان والو صادقین کی معیت میں رہو)

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد نبویؐ ہے کہ حب الفقراء حب الرحمٰن" فقراء کی محبت اللہ پاک کی محبت ہے" تو ایسے ہی بُزرگانِ دین میں سے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے، آپ کا اسم گرامی خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت کی کہانی کچھ اس طرح سے ہے۔ آپ کے والد ماجد جن کا نام نامی لالہ پوہلو رام تھا، ایک ہندو راجپوت خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنے دور کے ایک مشہور و معروف اور یگانہ روزگار زرگر تھے۔ نہایت ہی ایمان داری سے کام کرنے کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں روپے کا کاروبار رکھتے تھے۔

آپ کی سکونت بمقام کانتھاں نزد دوسوہہ ضلع ہوشیار پور بھارت۔ پنجاب میں تھی۔ لالہ پوہلو رام کی اولاد میں صرف تین لڑکیاں تھیں۔ ان لڑکیوں کے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی اور اسی وجہ سے لالہ پوہلو رام کے دل میں یہی ایک آرزو سمائی رہتی تھی۔ اور اکثر پنڈتوں، سادھوؤں اور مُسلمان درویشوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نرینہ اولاد کے لیے دُعائیں کرواتے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کی بیوی مائی دیوی دیال اپنے پڑوس میں سائیں رحمت علی کے گھر گئیں تو دیکھا کہ

گھر کے اندر خوب صفائی ہو رہی ہے اور برتن صاف کیے جا رہے ہیں۔ استفسار کرنے پر پتہ چلا کہ ان کے گھر میں حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی جناب غوث الاعظم جیلانیؒ کا ماہانہ ختم شریف ہر ماہ چاند کی گیارہویں کو نہایت ادب و احترام کے ساتھ منعقد پذیر ہوتا ہے۔ مائی صاحبہ اس اہتمام سے متاثر ہوئیں اور کہا کہ اگر اس محفل پاک میں کوئی غیر مسلم شمولیت کرنا چاہے تو۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاں بصد شوق کر سکتا ہے، لہٰذا مائی صاحبہ اور لالہ پوہلو رام نہایت عقیدت مندی سے ختم شریف میں باقاعدگی سے دامے درمے، قدمے اور سخنے حصہ لیتے رہے۔ آخر کار وہ دن آیا ان بزرگوں کے طفیل تمناؤں کی کلیاں پھول ہونے لگیں۔

ایک دن ایک درویش مجذوب صفت سر اور پاؤں سے برہنہ ہاتھ میں آہنی چھڑی اور لمبا کُرتہ پہنے ہوئے دوسوہم اور کانگنتھاں کے بازاروں میں سیاحی کرتے ہوئے تشریف لائے۔ اچانک لالہ پوہلو رام کی نظر اس درویش پر پڑ گئی۔ وہ آپ کو کشاں کشاں عرض معروض کرتے ہوئے اپنے غریب خانے تک لے آئے۔ کھانا کھلایا۔ اس کے بعد مائی صاحبہ اور لالہ پوہلو رام نے ہندو دھرم کے طریقے پر نمسکار کیا اور نرینہ اولاد کی خواہش ظاہر کی، جس پر آپ نے بڑی کرپا فرمائی اور دُعا قبول ہوئی۔ کہتے ہیں کہ اس درویش کو عوام "پیر دریائی" کے نام سے پکارتے تھے۔ اُس کے ایک سال بعد لالہ پوہلو رام کے گھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا فرزند ارجمند عطا فرمایا جن کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے۔ اس فرزند ارجمند کی ولادت باسعادت پر لالہ پوہلو رام نے دو گائیں پنڈتوں کو دان کیں۔ اس کے علاوہ مندروں، گوردواروں، مسجدوں وغیرہ کو بطور عطیات روپیہ پیسہ تقسیم کیا اور غریب غربا کو بھی خیرات تقسیم کی۔ نومولود جب تین دن کا ہو گیا تو اُس نے اپنی ماں کے شیر کو نوش نہیں فرمایا جس سے والدین کی خوشی پریشانی میں بدل گئی۔ حکیموں، پنڈتوں کو بلوایا گیا۔ علاج معالجہ کیا گیا، مگر پریشانی کسی طرح کم نہ ہوئی۔ لالہ صاحب کے پڑوس میں ایک سید صاحب جن کا نام سید غلام احمد جو حافظِ قرآن پاک تھے، رہتے تھے، بچے کی ولادت کا سُن کر لالہ صاحب کے گھر تشریف لائے اور نومولود کا حال دریافت کیا۔ اُنہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کر کے بچے کی ساری کیفیت بیان کی۔ سید غلام احمد صاحب نے طفل نومولود کو طلب کر کے ایک نظر دیکھا۔ پھر پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر دونوں کانوں میں آذان و تکبیر پڑھ کر ثنائی اور نیک و صالح ہونے کی دُعا فرمائی۔ پھر سورۂ فاتحہ ایک کاغذ پر تحریر کر کے فرمایا کہ پانی یا عرق گلاب میں اس نقش کو گھول کر چند روز تک نوش کروائیں۔ انشاء اللہ جلد ہی صحت کُلی ہو جائے گی۔ اس کے بعد حافظ صاحب گھر تشریف لے آئے اور آتے ہی اپنی اہلیہ سیدہ رحمت بی بی سے فرمایا کہ پڑوس میں لالہ پوہلو رام کے ہاں ایک بہت حسین و جمیل بچے نے جنم لیا ہے مگر وہ اپنی والدہ صاحبہ کے شیر کو نوش نہیں کرتا، لہٰذا تم جاؤ شاید تمہارے جانے پر کوئی بات بن جائے۔ جب سیدہ رحمت بی بی لالہ پوہلو رام کے ہاں تشریف لے گئیں اور مائی صاحبہ نے اس بانصیب حسین و جمیل بچے کو گود میں لیا تو جوش و جذبہ مادری سے مائی صاحبہ کے پستانوں

سے دُودھ پینے لگا جس پر اس بانصیب بچے نے مائی سیدہ صاحبہ کا شیر نوش فرمایا اور پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مائی صاحبہ کو بھی بچے سے انس و محبت پیدا ہو گئی تھی، جہاں تک کہ زمانہ شیر گی تک مائی صاحبہ کا ہی شیر نوش فرماتے رہے اور بچے کی پرورش ہوتی رہی۔ ایک دن والدین نے اپنے دھرم کے مطابق دن مقرر کر کے تمام ہندو برادری کو بلوایا۔ کھانے کا اہتمام کیا گیا اور اس شبھ گھڑی میں مہورت نکال کر شبھ نام "دیوان چند" رکھا گیا۔

چار سال کی عمر میں دیوان چند کے والد ماجد لالہ پوہلو رام کا انتقال ہو گیا اور آپ یتیم ہو گئے اور پھر چھ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کا بھی سر سے سایہ اُٹھ گیا۔ اور پرورش کا تمام بوجھ آپ کے چچا لالہ آتما رام نے اٹھایا۔ گھر میں رہتے ہوئے حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ آپ کی چچی "پریمی" آپ سے نفرت کرنے لگی۔ آپ تمام دن مُسلمان بچوں کے ہمراہ کھیل کود میں مشغول رہتے اور جب بھوک پیاس پریشان کرتی تو آپ مائی دولاں کے گھر چلے جاتے اور کھانا تناول کرتے اور کبھی کبھی چچا لالہ آتما رام کی دوکان پر بھی چلے جاتے۔ اُن کے حُقّے کی چلم بھر دیتے اور حسبِ توفیق خدمات سرانجام دیتے تھے۔

نو دس برس کی عمر میں آپ مُسلمان بچوں کے ہمراہ مسجد میں چلے جاتے اور حافظ سیّد غلام احمد خطیب مسجد سے قرآن پاک کا درس لیتے اور نماز پڑھنے کی تعلیم و تربیت حاصل کرتے۔ شدہ شدہ ایک دن میر دین حجام سے لوگوں کی نظریں بچا کر سُنّت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کر لیا اور ختنہ کروا لیا۔ آپ کی تعلیم و تربیت صرف پرائمری کلاسوں تک محدود رہی، وقت گزرتا گیا، جب آپ کی عمر چودہ سال ہو گئی تو ایک عجیب مستی و کیفیت سے سرشار سر اور پاؤں برہنہ ایک لمبا کُرتا پہنے ہوئے اور مزاج میں کسی قدر خاموشی سی رہنے لگی۔ جب کبھی کیفیات میں مزید اضافہ ہو جاتا تو جوشِ محبت میں رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف پڑھتے جس سے آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔

ایک دن آپ کے چچا آتما رام نے ایسی حالت دیکھ کر سخت سُست کہا اور کہا کہ تُو اپنا دھرم چھوڑ کر مُسلمان ہونا چاہتا ہے اور آپ کو پکڑ کر "گرو" راما ناتھ، جس کی رہائش دوسوہہ شہر کے بطرف مشرق ایک تالاب پر تھی جس کو چھانیاں والا "تالاب" کہتے تھے، پر لے گیا اور گرو سے کہا یہ بچہ تمام دن مُسلمان بچوں کے ہمراہ کھیل کود میں مشغول رہتا ہے اور اکثر مسجد میں جا کر انہیں کے طور طریقے پر عبادت و ریاضت کرتا ہے، لہٰذا میں آپ کے پاس لایا ہوں تاکہ اس کو منع کریں، مگر گرو راما ناتھ نے بھی اس کے برعکس لالہ آتما رام کو سختی سے منع کرتے ہوئے کہا کہ اس بچے کا مقدر عروج پر ہو گا۔ لہٰذا تم اور سب اس کے ساتھ محبت کرو۔ ایک دن چچا آتما رام نے کہا کہ "دیوان چند" تمہارے والد نے ہزاروں روپے لوگوں کو بطور قرضہ دے رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری جائیدادیں ہیں۔ اپنا انتظام تم خود ذمّے داری سے سرانجام دو۔ جب ذرا سیانے ہو جاؤ گے تو تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ اُس وقت آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ تمام کاغذات و اشتام چچا سے لیے اور اُن پر تحریر کر دیا۔ "میں نے قرضہ وصول کر لیا۔"

جدی جائیداد میں سے ایک مکان چچا آتمارام کے نام ہبہ کر دیا۔ ایک مکان جناب سید حافظ غلام احمد جن سے قرآن پاک کا درس لیا تھا ہبہ کر دیا۔ ایک مکان اور ایک دوکان سلطان محمد ذیلدار کے نام ہبہ کر دی اور خود ذیلدار صاحب کے دیوان خانہ میں رہائش کر لی۔ ذیلدار سلطان محمد کی رہائش کا نتھاں میں تھی جو بڑے ہی عالم فاضل اور صاحبِ ذوق تھے۔ ایک دن دیوان چند نے ذیلدار سلطان محمد خان کے ذرائع سے مسجد میں اعلان کرا دیا کہ میں یعنی دیوان چند نے مذہب اسلام قبول کر لیا ہے اور اسلامی نام دیوان چند سے "دیوان محمد" رکھا گیا ہے۔ ویسے رُوحانی طور پر تو آپ مسلمان تو تھے ہی۔ اب شریعت کے مطابق آپ نے سرِعام مسلمانی کا دعویٰ کر دیا۔ جیسے ہی یہ اعلان ہوا آپ کے عزیز و اقارب اور دیگر ہندو برادری نے ذیلدار سلطان محمد خان کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا کہ ذیلدار صاحب نے ہمارے نابالغ بچے دیوان چند کو ورغلا کر مسلمان کر دیا ہے۔ اور یہ خبر اس دور کے ہفت روزہ اخبار "سراج الاخبار" میں شائع ہو گئی جس کا عنوان مندرجہ ذیل تھا:

دوسوہہ ضلع ہوشیار پور	"چوہدری سلطان محمد خان ذیلدار نے جو بڑے خلیق اور ہر دلعزیز ہیں اُن کی سعی سے ایک زرگر ہندو لڑکا مسلمان ہو گیا"

(سراج الاخبار صفحہ نمبر ۵ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۹۴ء)

عدالت نے ذیلدار صاحب اور دیوان چند کو مع فریقین سمن جاری کر دیئے۔ مقررہ تاریخ پر جب عدالت میں دونوں فریقین حاضر ہوئے۔ ہندوؤں کے دلائل سننے کے بعد جب مسلمانوں کی باری آئی تو دیوان چند نے عدالت کے رُوبرو صاف بیان تحریر کروایا کہ میں نے باہوش وحواس برضا ورغبت مذہب اسلام قبول کیا ہے، اس میں میرے ہندو عزیز و اقارب کو میرے ذاتی معاملات میں دخل در اندازی ہونے کی ضرورت نہیں، اللہذا اس بیان پر مقدمہ خارج ہو گیا۔ اس کے بعد دیوان محمد کچھ کچھ بے قرار و بے چین رہنے لگے۔ ایک دن چوہدری سلطان محمد خان نے اس بے قراری کی وجہ دریافت کی تو اُنھوں نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کسی کامل مُرشد کا دامن پکڑ لوں تاکہ میرے دل کو روحانی سکون مل جائے۔

آپ تقریباً تین سال تک ذیلدار صاحب کے دیوان خانے میں رہے۔ جب کسی کامل شخصیت کا پتہ چلتا کہ فلاں جگہ کوئی درویش رہتا ہے، وہاں پر تشریف لے جاتے۔ سب سے پہلے آپ حافظ رحمت علی رنگریز کی وساطت سے حضرت سرکار سید حسین شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ جن کا دربار پاک دوسوہہ شہر کے شمال مغرب کی طرف واقع تھا۔ اپنے دورِ عصر کے ایک عالم محدث اور ولئ کامل تھے۔ گرد و نواح کے ہزاروں لوگ آپ کے عقیدت مند تھے، کی خدمتِ اقدس میں تشریف لے گئے اور اپنی آمد کا مقصود بیان کیا مگر شاہ حسین قادریؒ نے پہلی ہی نگاہ میں بھانپ لیا اور فرمایا کہ دیوان محمد آپ اس وقت اُونچی پرواز میں ہو۔ ہماری اتنی طاقت نہیں کہ آپ کے بوجھ کو اُٹھا سکیں، اللہذا تمہارا فیض رُوحانی ہمارے پاس

نہیں ہے۔ کسی دوسرے صاحب درویش کے پاس جاؤ۔ اور تم اپنا ازلی حصہ تلاش کرو۔ پھر حضرت شاہ حسین قادریؒ سے اشارہ پاکر حضرت مائی بھاگن شاہ کے پاس تشریف لے گئے جو کہ مکیریاں میں رہائش پذیر تھیں اور وہ اپنے دور میں ابدال کے مرتبہ پر تھیں۔ حضرت دیوان محمد کو دیکھ کر مسرت سے اچھلنے کودنے لگیں اور زبان مبارک سے فرمایا "آ دے دیوانیا، توں ایتھے کیویں آیا ایں"۔ آپ نے دست بستہ عرض کیا کہ میرا یہاں آنے کا مقصود مرشد کامل کی تلاش ہے۔ بقول مولانا رومؒ؛

بر درِ درویش رو ہر صبح و شام — تا تما حاصل شود مطلب تمام

ہر کہ مقبول است درویش از نظر — شد مراتب او زبالا عرش بر

ہر کہ شد مقبول حق — ہست او لطفِ خدا را مستحق

جب مائی صاحبہ نے آپ کی آمد کا مقصود سنا تو فرمانے لگیں کہ میرا ایک بھائی حافظ کرم بخش چشتی صابریؒ ہوشیار پور میں مقیم ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں وہاں تمام قلبی مقاصد حاصل ہو جائیں گے، لہٰذا آپ چالیس میل کا راستہ پیدل طے کر کے ہوشیار پور پہنچے۔ اُن دنوں آپ روزے رکھتے تھے۔ جب آپ حافظ کرم بخش چشتی صابریؒ کی خدمت اقدس میں پہنچے تو آپ کسبِ معاش میں رنگریزی کا کام کرتے تھے۔ خواجہ محمد دیوان کو دیکھ کر فرمانے لگے، اگر آپ نے کوئی کپڑا وغیرہ رنگوانا ہے تو بتاؤ ورنہ چلے جاؤ۔ آپ یہ حکم سن کر دُوکان سے باہر نکل کر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ راہ چلتے لوگوں نے آپ کو اُٹھایا آپ وہیں کھڑے رہے، شام کو قبرستان کندن شاہ چلے گئے اور رات گزار کر پھر حافظ صاحب کی دُوکان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ کو اسی طرح صبح سے شام کرتے کرتے بہت دن گزر گئے تو ایک دن دریائے رحمت جوش میں آ گیا، حافظ سرکار پاک نے آپ سے استفسار کیا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے دست بستہ عرض کی کہ میرا نام محمد دیوان ہے۔

محمد دیوان صاحب کی آمد کا مقصود سن کر سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ میں مشرف بیعت فرمایا۔ کچھ دن پیر و مرشد کی خدمت اقدس میں رہ کر واپس دوسوہہ تشریف لے آئے اور موضع بہر دو تھلے شریف کے نزدیک ایک جھونپڑی بنالی۔ تقسیم ہند سے پہلے وہاں پر اسلامیہ ہائی سکول واقع تھا۔ یہ اراضی دوسوہہ کے پٹھانوں کی تھی۔ وہ اراضی دو حقیقی بھائیوں کی تھی۔ اُن پر قتل کا مقدمہ بن چکا تھا۔ دونوں برادر سرکار پاک خواجہ محمد دیوان چشتی صابری کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا اللہ فضل کرے گا مگر نماز کی پابندی کرنا۔ لہٰذا جب وہ عدالت میں پیش ہوئے تو وہ باعزت طور پر بری ہو گئے۔ اُس کے دوسرے دن وہ دونوں بھائی سرکار کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ حکم کریں تو یہ اراضی جہاں جھونپڑی ہے آپ کے نام ہبہ کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے جائیدادیں نہیں چاہئیں۔

انہی دنوں آپ کی ہمشیرہ در و تپی اور بہنوئی بشو رام جو کہ قصبہ گڑھ دیوالہ میں رہتے تھے۔ آپ کی درویشانہ روش اختیار کرنے کی خبر سن کر آئے اور دونوں پریشان ہوتے۔ آپ نے اُنہیں دس روپے دے کر رُخصت کرتے ہوئے فرمایا جس سرکار

دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مَیں نے پکڑا ہے اُس کو تا ابد نبھاؤں گا۔ تمہارا اور ہمارا تعلق رشتہ داری کا ختم اور آئندہ آنے کی زحمت نہ کرنا۔ اس کے بعد وہ کبھی نہیں آئے۔

سرکار حافظ کرم بخش رحمتہ اللہ علیہ نے سرکار خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ کی کمر میں ایک آہنی زنجیر کس کر باندھ دی تھی۔ سُنا گیا ہے کہ زنجیر چھتیس سال کے بعد خود بخود ہی گھِس گھِس کر کمر سے اُتر گئی۔

"فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ" (دانشمند کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا) مرشد کامل اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاکم ہوتا ہے اور اپنے مریدین کی پرورش و تربیت اس انداز سے کرتا ہے کہ ولایت وجود دارالسلام رہے اور الملک لمن غالب (مُلک اُسی کا ہے جو غالب رہے) مرشد کامل طالب اللہ کے وجود میں جو چور ہیں مثلاً نفس، حرص، حسد، شہوت اور غرور و تکبر جو گناہوں کی جڑیں ہیں اُس کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو بارہ برس تک روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا گیا۔ حافظ سرکار نے آپ کی کمر میں زنجیر اس لیے ڈال دی تھی تاکہ شہوت کی تمام رگیں مُردہ ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ حافظ سرکار پاک کی خدمت اقدس میں تقریباً پانچ سال تک رہے۔ اور آدابِ شیخ کا خیال یہاں تک رکھتے تھے کہ آپ ہمیشہ حافظ سرکار کے پاؤں ہی دیکھتے رہے اور اپنی نظریں اُوپر نہ اُٹھاتے تھے۔

آنکھ منہ ناک اور کان سب اُونچے اُونچے ناؤں
سبھو نیچے کارنے جو پُوجیں جائیں پاؤں

قضائے حاجت کے لیے شہر کی حدود سے دُور نکل جاتے۔

ایک دفعہ سُلطان محمد خاں ذیلدار نے آپ کے پاس رحمت علی رنگریز کے ذریعے ایک بوری آٹا، گڑ اور تیل وغیرہ اس نظریئے سے بھیجا کہ یہ آپ کے لنگر کے لیے ایک ماہ تک کافی رہے گا، مگر آپ نے ایک ہی دن ان تینوں جنسوں کے پُوڑے پکا کر مخلوقِ خدا کو کھلا دیئے۔ بعد میں سُلطان محمد خاں ذیلدار نے رحمت علی رنگریز کے ذریعے اطلاع کی کہ مَیں فقیر کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ آپ نے فرمایا یہ بھی ایک حجت تھی وہ ختم ہو گئی۔ میرا اللہ پاک مالک ہے۔ بعد میں آپ نے سہر دو تھلے شریف میں جا کر ڈیرہ لگا لیا۔ وہاں پر اہلِ دیہہ نے اراضی شاملات میں سے کچھ اراضی پیش کی۔ اس شاملات میں کچھ حصہ چوہدری شیو داس اور کچھ حصہ پنڈت دھرم داس کا تھا۔ اُنھوں نے بھی اپنے حصہ سے دست برداری اختیار کی۔ اس اراضی شاملات کے ملحق غلام محمد کی اراضی تھی۔ اُس نے بھی وہ اراضی آپ کے نام پر وقف کر دی۔ پھر اس اراضی میں نتھو رام آڑھتی ساکن بٹالہ ضلع بٹالہ نے ایک چاہ پختہ تعمیر کرا دیا۔ سرکار پاک کے خدام بابا رستم علی شاہ، سائیں امام دین وغیرہ نے آموں کے باغ اس اراضی میں لگوائے۔ پھر موضع چوٹاہلہ کے سُلطان علی خاں نے دربار کے حجروں کی تعمیر کے لیے شہتیر اور بالے مہیا کیے۔ جس سے دو پختہ کمرے اور ایک باورچی خانہ تیار ہو گیا۔

آپ کو ایک دور میں عشقِ مجازی بھی رہا۔ رُوداد کچھ اس طرح سے ہے کہ دو سوہہ کی ایک مائی امام بی بی کے ہاں جناب غوث پاکؓ کا باقاعدگی سے ختم شریف ہوتا تھا۔ اُس نے سرکار پاک رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت پر مدعو کیا۔ آپ وہاں پر تشریف لے گئے۔ اس دعوت میں شیخ نور ماہی کا اکلوتا لڑکا محمد حسین آیا ہوا تھا۔ لڑکا بہت صاحبِ جمال تھا۔ اُسے دیکھتے ہی آپ کو اس سے محبت ہو گئی۔ دعوت سے فارغ ہو کر آپ کا ٹھکانا بر دُوکان رحمت علی رنگریز چلے گئے۔ شب بھر کروٹیں بدلتے رہے۔ نیند نہ آئی، صبح ہو گئی۔ سُورج طلوع ہوا اور آپ شیخ نُور ماہی کے ہاں پھر تشریف لے گئے۔

وہاں جا کر معلوم ہوا کہ محمد حسین قرآن پاک کا درس لینے کے لیے حافظ اللہ دتہ کے پاس گیا ہوا ہے۔ آپ وہاں سے حافظ اللہ دتہ کے پاس چلے گئے۔ جب تک محمد حسین وہاں رہا، آپ وہیں تشریف فرما رہے۔ اس کے بعد آپ کا یہ وطیرہ ہو گیا کہ آپ ہر روز اس درسگاہ میں چلے جاتے اور کھڑے کھڑے محمد حسین کو دیکھتے رہتے۔ جب محمد حسین پڑھنے سے فارغ ہو جاتا تو اُس سے بات چیت بھی کرتے۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ محمد حسین کے والد شیخ نُور ماہی کو آپ کی اور محمد حسین کی محبت کا حال معلوم ہوا تو وہ آپ کو اپنے گھر لے گئے اور رہائش کے لیے وہیں ایک کمرہ دے دیا۔ آپ تمام دن محمد حسین کی خاطر تواضع میں مصروف رہتے۔ کوئی کام اس کی مرضی کے بغیر نہ کرتے اور تمام دن اُس سے جدا نہ ہوتے۔ رات کو آپ باہر تشریف لے جاتے۔ رفتہ رفتہ محمد حسین اور سرکار پاک کی محبت کا سارے شہر میں چرچا ہو گیا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر شیخ نُور ماہی سے کہنا شروع کر دیا کہ اس محبت کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ تم دُنیا دار ہو، تمہارا ایک ہی لڑکا ہے اگر وہ فقیر ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔

اس وجہ سے شیخ صاحب نے آپ سے بے اتفاقی شروع کر دی۔ انہی دنوں اتفاق سے محمد حسین کی نسبت دریا پار موضع جلال آباد ضلع امرتسر میں طے پائی۔ شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ سرکار پاکؓ نے بھی برات کے ہمراہ جانے کا خیال ظاہر کیا لیکن شیخ صاحب کو پسند نہ آیا۔ شادی کے روز حسبِ معمول جب سرکار پاکؓ باہر سے تشریف لائے تو دیکھا برات روانہ ہو چکی تھی۔ آپ کو سخت صدمہ ہوا جس کمرے میں آپ رہا کرتے تھے، اس کے دروازے کی زنجیر پکڑے پکڑے آب دیدہ ہو گئے۔ محمد حسین کو راستہ میں شدت سے بخار ہو گیا اور دریا پر پہنچتے پہنچتے تمام جسم پر آبلے نکل آئے۔ اس کی خراب حالت دیکھ کر برات واپس آ گئی۔ دو سوہہ واپس آ کر علاج معالجہ میں مصروف ہو گئے، لیکن بجائے افاقہ کے مرض بڑھتا گیا۔ شیخ نور ماہی کے رشتہ دار ہوشیار پور سے حضرت حافظ کرم بخش صاحب کو بھی لائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا خدا ناراض ہو گیا ہے۔

چند دن کے بعد محمد حسین راہئ مُلکِ عدم ہوا۔ سرکار پاک پریشان ہو کر اُن کے گھر سے چلے گئے اور پھر کبھی اُن کے گھر کا دروازہ نہ دیکھا۔

یہ واقعہ ہر دو تھلہ شریف کا دربار بنانے سے پہلے کا ہے۔ ایک روز آپ ہر دو تھلے شریف سے گزر رہے تھے وہاں موضع بلگن کا رہنے والا حاکو نامی ہندو جاٹ دُکان کرتا تھا اڑھائی سو ایکڑ اراضی کا مالک تھا۔ گانے بجانے کا شوق رکھتا تھا۔

مزامیر خود تیار کرتا۔ فروخت کرتا، فقیروں کا معتقد اور خود فقیر منش تھا، کی دُکان پر بوقت دوپہر گرمی کے موسم میں تشریف لے گئے۔ اُس نے عرض کی کہ کچھ دیر آرام کریں اور کچھ لسی پانی نوش فرمائیں۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ اس کے بعد آپ کا معمول ہو گیا۔ دُکان پر جاتے۔ اہلِ دیہہ بھی اُن سے محبت کرنے لگے۔ جُوں جُوں محبت بڑھتی آپ کی آمدورفت بھی بڑھتی گئی۔ ایک روز حاکو جاٹ نے عرض کیا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو مَیں تین چار ایکڑ اراضی آپ کے نام ہبہ کر دوں، نیز اس پر ایک مکان بھی تعمیر کرا دوں گا، لیکن یہ پیشکش نامنظور فرمائی۔



ایک دفعہ بوقتِ شام سرکار پاک حاکو جاٹ کی دُکان پر رونق افروز تھے کہ حضرت خواجہ حافظ کرم بخش صاحبؒ بھی تشریف لے آئے۔ رشب، کو حافظ صاحبؒ نے گانا سُننے کی خواہش ظاہر کی؛ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل غزل پیش کی۔

تینوں کتھے ملاں ولدارا　　کوئی دَس ملن دا چارا
عزازیل لٹی میری ہٹی وے　　گئی بیخ جہانوں پٹی دے
ہویا صاف حساب ہمارا　　تینوں کتھے ملاں ولدارا

آخر شب تک گانا ہوتا رہا۔ بعد ازاں آرام فرمانے لگے۔ جب صبح کو بیدار ہوئے تو دیکھا حضرت حافظ صاحب تشریف لے جا چکے ہیں۔ یہ حالات دیکھ کر سرکار پاکؒ ہوشیار پور روانہ ہوئے۔ وہاں جا کر نہایت عاجزی سے معافی کے طلب گار ہوئے کہ ہم سے حضور کیا خطا ہوئی جو چپکے سے تشریف لے گئے۔ حضرت حافظ صاحب نے خوش ہو کر تشفی فرمائی۔



جب آپ کی عمر تقریباً چوبیس سال تھی تو رُوحانی ولایت کی خلافت سے سرکار حافظ علیہ الرحمتہ نے نوازا۔ سب سے پہلے ہرد وتھلہ شریف کے پیراندتہ اور بھیر سائیں بابا رُستم علی شاہ مریدین کی صف میں شامل ہوئے اور دربار پاک میں خدمات بھی سرانجام دینے لگے۔ ویسے آپ کے مریدین کی تعداد ایک ہزار تھی۔ مرید کرنے کے بعد چند نصیحتیں ضرور فرماتے۔ مثلاً نماز روزہ نہ چھوڑنا، جھوٹ نہ بولنا، چغلی نہ کھانا، والدین کی خدمات اپنے اُوپر لازم کرنا۔ حلال و حرام کی تمیز رکھنا۔ بعض دفعہ مریدین کو وظائف کی تلقین بھی فرماتے تھے۔

آپ ہمیشہ علی الصبح اُٹھتے۔ دیر سے سوتے، نماز فجر سے فارغ ہو کر ڈیڑھ دو گھنٹہ مصلّی پر بیٹھے رہتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی عموماً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ مصلّی پر بیٹھتے۔ نمازِ فجر کے وظیفہ کے بعد بغداد شریف کی طرف منہ کر کے چند منٹ دست بستہ کھڑے رہتے اور ایسا ہی نماز مغرب کے بعد بھی کرتے۔ دن کے وقت بیکار نہ بیٹھتے؛ کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے۔ اکثر نعت شریف کی کتابیں پڑھتے رہتے اور خود نعتیں لکھتے۔

کم خفتن، کم گفتن اور کم خوردن کے درویشی طریق پر قائم رہے۔ آپ کی زندگی کچھ ایسے انداز سے گزری کہ ہر وقت نفس سے برسر پیکار رہے۔ دن بھر کبھی پاؤں دراز نہ کرتے۔ اگرچہ دیوار کے ساتھ بیٹھتے مگر سہارا نہ لیتے تھے۔ جو مجاہدات آپ نے اپنائے ہوئے تھے اُن کو آخر دم تک نبھایا۔ آپ کا اخلاق باوجود فقر کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے پر بہت بلند تھا۔ آپ نے کبھی فقیری کا دم نہ مارا۔ کسی قسم کا امتیازی لباس زیب تن نہ فرماتے۔ مزاج مبارک میں بے پناہ عاجزی اور انکساری تھی۔ اندازِ تکلم ایسا تھا جس سے صاف گوئی ظاہر ہوتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا تو یہ حال ہے "کپڑے صابونی وال اوئی" اپنی تعریف مطلق پسند نہ فرماتے۔ اگر کوئی آپ کے حکم کی تعمیل نہ کرتا تو فرماتے کہ "اچھا سائیں لو کا تیری مرضی"۔ عشقِ الٰہی میں ہمیشہ آنکھیں پُر نم رہتیں۔ مریدین پر والدین سے زیادہ شفقت فرماتے۔

آپ کا حُسنِ سلوک ایسا دلپذیر تھا کہ ہر کس و ناکس یہی خیال کرتا تھا کہ سرکار پاکؒ کی محبت سب سے زیادہ میرے ساتھ ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارت بہت زیادہ فرماتے۔ آپ مریدوں کو کھانا کھلاتے، اُن کے لیے بستر بچھاتے اور صبح سویرے سب کو جگاتے، جہاں تک ہوتا مہمانوں کو آرام و راحت مہیا کرتے اور اپنے آرام کا کبھی خیال نہ کیا۔ ظاہری تعظیم و تکریم پسند نہ کرتے۔ مہمانوں کی رُخصتی کے لیے دُور تک ساتھ آتے، وداع فرماتے وقت بغل گیر ہوتے۔ جب وہ روانہ ہو جاتے کھڑے دیکھتے رہتے جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو جاتے آپ شاذو نادر ہی بیکار بیٹھتے، کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے۔ جو مہمان تعلیم یافتہ ہوتے اُن کو تمام دن نعت شریف نقل کرنے کا کام دے دیتے تھے اور پھر آپ نقل کردہ نعت شریف پڑھتے اور املا کی غلطیاں دُرست فرماتے رہتے۔ تمام عمر عشقِ الٰہی میں وارفتہ اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نشہ میں سرشار رہے۔ آپ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ دن میں کئی بار زبان پاک سے "فضل کرم" کے الفاظ نکلتے۔ بحث مباحثہ میں نہ پڑتے۔ دوسروں کو بھی باز رہنے کی ہدایت فرماتے۔ تمام عمر کبھی کی بُرائی اور کسی پر نکتہ چینی نہیں کی۔ بائیں بازو میں برسوں درد رہا، لیکن آپ نے کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ ہر حالت میں راضی برضا رہے۔ لوگوں کے دُنیاوی جھگڑوں میں دخل نہ دیتے۔ جمعہ کے روز غسل فرماتے۔ جب راستہ چلتے سر مبارک پر چادر اوڑھے نیچے نگاہ کیے چلتے۔ جس سے ایک دفعہ تعلقات قائم ہو جاتا وہ چاہے کتنا بدل جاتے، لیکن آپ کے سلوک میں فرق نہ آتا۔ عُلمائے کرام اور سادات کا بہت احترام کرتے تھے۔ عمر بھر مجرّد رہے۔ آپ غریبوں سے مل کر بہت خوش ہوتے تھے اور اُن سے بہت محبت کرتے۔ آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرا مرید ہے بلکہ فرماتے میرا ملنے والا ہے۔

بزرگانِ دین کے اعراس پاک بڑے اہتمام سے مناتے۔ محرم الحرام کی پانچویں تاریخ کو حضور بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا سالانہ ختم شریف دلواتے اور دسویں محرم کو ختم شریف سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام دلواتے۔ بارہ ربیع الاوّل کو قبل دوپہر محفل میلاد اور دوپہر ختم شریف والی دو وارث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منعقد پذیر ہوتا۔ تیرہ اور چودہ ربیع الاوّل کو

مخدوم علی احمد صابر علیہ الرحمۃ اور خواجہ قطب دین بختیار کاکیؒ کا ختم شریف دلواتے ۔ چھ رجب المرجب کو خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجریؒ کا ہوتا تو رمضان المبارک میں حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندر بخشی ہند کا اور اکیس رمضان المبارک کو حضرت مولائے کائنات امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا ختم شریف ہوتا ۔

دو اور تین جیٹھ کو حضرت خواجہ حافظ کرم بخشؒ کا عُرس مبارک ہوتا ۔ لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا تمام رات محفل میلاد پاک جاری رہتی ۔ بکیریاں میں مائی بھاگن شاہؒ موضع اونچی بسی میں بابا قطب صاحبؒ اور سکرالہ میں بابا مست علی بخش صاحبؒ کا ختم شریف ہوتا اور ہر ماہ کی گیارہویں تاریخ کو محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی میراں محی الدین سید عبد القادر جیلانی کا ختم شریف ہوتا ۔

ایک دفعہ میاں بیوی لدھیانہ سے حاضر خدمت ہوئے ۔ اُنھوں نے عرض کی کہ اولاد نہیں ہے ۔ آپ نے تعویذ دلوا دیا ۔ اُس نے ڈھائی روپے نذرانہ پیش کیا ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نذرانہ رکھ لو ۔ کوئی ٹھیکہ تھوڑا ہی کیا ہے ۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا جس طرح لیلیٰ کی گلی سے آتے ہوئے کتے کو مجنوں پیار کرتا تھا اور اُس کے پاؤں چومتا تھا اسی طرح طالبانِ حق کو چاہیئے کہ بزرگوں کا احترام کریں ، کیونکہ وہ بارگاہ الٰہی میں جانے والے ہیں ۔

ایک دفعہ سرکار پاک علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ ایک ہندو معہ اہل وعیال ہردوار یاترا کے لیے جا رہا تھا کہ رڑکی کے ریلوے اسٹیشن پر کافی بھیڑ دیکھ کر پوچھا کہ یہاں کیا ماجرا ہے ۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے کچھ فاصلہ پر حضرت مخدوم علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کا دربار پاک ہے اور آج اُن کا عُرس مقدس ہے ۔ لوگ وہاں پر حاضری کے لیے جا رہے ہیں ۔ اس ہندو نے از راہ عقیدت خیال کیا کہ جاتے جاتے یہاں بھی سلام کرتے چلیں ، چنانچہ نیازمندی کے ساتھ پاپیادہ روانہ ہوا ۔ اپنا اہل وعیال کو باہر سامان کے پاس چھوڑ کر خود حاضری دینے کے لیے چلا گیا ۔ جس وقت اُس نے مزار اقدس پر سلام پیش کیا منظوری ہو گئی ۔ اُس کو ابدالی مرتبہ عطا ہوا اور وہیں سے حسب الحکم روانہ ہو گیا ۔ اس کی بیوی نے بہت انتظار کیا مگر اُسے نہ آنا تھا نہ آیا ۔ کسی راز دان نے اُس کو سمجھایا کہ اب انتظار بے سُود ہے ، اب اگلے سال عُرس پاک پر آنا ، چنانچہ وہ اگلے سال حاضر دربار شریف ہوئی اور اپنے خاوند کو مجذوبانہ حال میں دیکھ کر فریاد کی کہ ہمیں کس کے سپرد کر کے چلے گئے ۔ اُس نے ایک مٹھی چاولوں کی چاروں طرف بکھیر دی کہ تیرے اور تیری اولاد کے لیے رزق کا چھٹا دے دیا ہے کوئی فکر نہ کرو اور خود اپنی راہ لی ۔ اور سرکار پاک فرماتے تھے کہ جب ہم کلیر شریف گئے تو اس بات کا وہاں بہت چرچا تھا ۔

ایک دفعہ حافظ کرم بخش صاحبؒ ہردو تھلہ شریف تشریف لائے ۔ سرکار پاک خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے ، جہاں اب دربار شریف واقع ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس جگہ ایک جھونپڑی بنا لو ۔ یہ جگہ اہل گاؤں کی شاملاتِ دیہہ میں سے تھی جس کا رقبہ کافی تھا ، لہٰذا آپ نے اس جگہ پر دربار شریف کی بُنیاد رکھی ۔ اکثر کھانا گاؤں والے بھجواتے

تھے۔ زمین کو سخت محنت کرکے ہموار کیا۔ یہاں پر آموں کا ایک باغ لگوایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد بٹالہ کے ایک کھتری لالہ دولت رام نے کنواں لگوایا، غسل خانے تعمیر کروائے۔ آپ نے ایک مسجد کی بُنیاد رکھی، لیکن تعمیر سے پہلے ہی آپ کا وصال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے منصور پور اور جگت پور میں بھی دربار اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ باغ لگائے اور آنے جانے والے مسافروں کی خدمات کے لیے خدام مقرر کیے۔ سرکار شریف میں بھی بابا علی بخش صاحبؒ کا مزار بنوایا اور مسافروں کے لیے پختہ کمرے بھی تعمیر کروائے اور ایک خادم کو وہاں پر خدمت کے لیے مقرر فرمایا۔

سرکار پاک علیہ الرحمتہ نے شروع شروع میں بہت کم لوگوں کو مرید کیا لیکن بعد میں مریدوں کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ جب کوئی مرید ہونے کی درخواست کرتا تو آپ اکثر یہ فرماتے کہ بابا میں بہت گنہگار ہوں۔ مجھ میں ہزاروں عیب ہیں کوئی ولی اللہ تلاش کرو یا کبھی یہ بھی فرما دیتے کہ اپنا اعتقاد پختہ کرلو۔

خوراک بہت کم کھاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے عرس مقدس پر حاضری کے بعد واپس تشریف لائے۔ بارہ سال تک روزے سے رہے۔ اس دوران میں اناج بالکل نہ کھایا۔ بوقت شام ایک پیالہ لسی سے روزہ افطار فرماتے۔ کبھی کبھی دو ایک چھوٹے چھوٹے آلو بھی تناول فرما لیتے۔

سماع سے بھی آپ کو کافی لگاؤ تھا۔ سماع میں جب کبھی کیفیت ہوتی تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دفعہ چک مہرہ میں ختم شریف تھا۔ اس موقع پر محفل سماع بھی منعقد ہوئی۔ جب قوالوں نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے تو آپ کو پہلے ہی مصرع پر کیفیت ہوگئی۔ اشعار

تو گھر آجاوے شیام میرا اُنتر دیس
نیر بہی روئی آں ہنجو مکھ دھوئی آں

مینوں روندی نوں گل لا۔ میرا اُنتر دیس

برج کی ناری سب ہلگوا کھیلت
میں کیا کھیلوں میرا پیا پردیس

آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے۔ روپے، کپڑے جو کچھ پاس تھا، قوالوں کی نذر کر دیا۔ تمام محفل پر کیفیت طاری ہوگئی۔

ایک دفعہ موضع بھاگڑاں میں رونق افروز تھے۔ گاؤں کے اندر کسی کے ہاں برات آئی ہوئی تھی۔ جب صبح کو عورتیں مل کر لڑکی کو وداع کرنے کے لیے اکٹھی ہوئیں اور انہوں نے مل کر الوداعی گیت گانا شروع کیا جس کا پہلا مصرع تھا:

ساجن وداع کر دینے بن کیونکر لگے جی

یہ سنتے ہی آپ پر کیفیت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور یہی مصرع ترنم سے پڑھنا شروع کر دیا۔

گھنٹوں گزر گئے، لیکن اضطراری کیفیت میں کمی نہ ہوتی۔ تین روز تک حالت متغیر رہی۔ کبھی کبھی آپ اکثر مدھم آواز سے گایا کرتے تھے :
کتنا چھوڑا، تپنا چھوڑا، ماہی نوں توں عشق رچایا، ماہی اِت گن پایا

جب آپ کی راہِ توحید کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے سماع کو خیر باد کہہ دیا۔ بقول حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ جب عارف کی تکمیل ہو جاتی ہے تو قوالی سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

حلیہ شریف : آپ کا قد مبارک قدرے لمبا، جسم نازک، رنگ سُرخی مائل سفید چہرہ مبارک غایت نورانی۔ آنکھیں عشقِ الٰہی سے سرشار دست مبارک کشادہ، انگلیاں لمبی اور موٹی۔ پاؤں میں ہمیشہ کفش کی بجائے چوبی کھڑاؤیں پہنتے۔

چہ حسن است آنکہ دریکدم رخت اوصد نظر بینم
ہنوزم آرزو باشد کہ یکبار دِگر بینم

لباس مبارک : ململ کا عمامہ، موٹے سُوتی کپڑے کا کُرتہ اور تہ بند زیب تن فرماتے۔ کُرتے کے نیچے دوہرا سلوکہ پہنتے۔ اکثر چادر اوڑھے رہتے۔

عمر بھر مجرد رہے۔ عورتوں کو بہت کم نزدیک آنے دیتے اور بہت جلد رُخصت فرما دیتے۔ آپ غریبوں سے مل کر بہت خوش ہوتے اور اُن سے بہت محبت فرماتے۔

وصال شریف : پندرہ یا سولہ اگست ۱۹۴۰ء کو آپ کو شدت سے بخار آنے لگا۔ کئی روز تک بخار نہیں اُترا۔ معلوم ہوا کہ تپ محرقہ ہو گیا ہے۔ جسم مبارک کمزور ہوتا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسہال بھی شروع ہو گئے۔ ہر طرح کا علاج کیا گیا۔ مگر افاقہ کی نوبت نہ آئی۔ مگر آپ نے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ کسی قسم کی بے چینی چہرۂ اقدس پر ظاہر ہوئی۔ نیند بالکل ختم ہو گئی تھی۔ تقریباً چھ ہفتہ کے بعد بخار خود بخود اُتر گیا۔ غُسل صحت فرمایا۔ چند روز کے بعد بخار پھر عود آیا۔ تکلیف پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو صبح تقریباً ایک گھنٹہ تک بیٹھے رہے، لیکن خاموشی رہی۔ بعد میں لیٹ گئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ آخر صبح دس بجے ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو آپ نے وصال فرمایا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ بوقت عصر نماز جنازہ ہوئی۔ بوقت نماز عشاء تدفین ہوئی۔ آصف صابری صاحب نے قطعہ تاریخ وصال کہی :

خواجہ دیوان محمد در جہاں مشہور شد — در نگاہ رحمت اللعالمین منظور شد
آصف از قدوسیاں آسمان در گوش من — ایں ندا آمد کہ ماہ صابری مستور شد (۱۳۵۹ھ)

ارشاداتِ عالیہ

❁ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر پارس پتھر اور لوہے کے درمیان باریک سے باریک بھی پردہ ہو تو لوہا کبھی سونا نہیں بن

سکتا خواہ کتنا عرصہ اکٹھے پڑے رہیں۔ اس تمثیل سے مراد یہ ہے کہ اگر پیر اور مرید کے درمیان خفیف سا بھی حجاب ہے تو مرید لوہے کا لوہا ہی رہے گا۔ کبھی کُندن نہ ہوگا۔

۞ فرمایا کہ جب تک آدمی آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں کے علاوہ خیالات کا بھی دیانتدار نہ رہے گا، تب تک اُس پر نامحرم عورتوں میں جانا حرام ہے۔

۞ فرمایا: مَیں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی ادب کرے۔ مَیں تو سب کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرتا ہوں مگر یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مُرشد پاک کا فیض اُسی کو حاصل ہوگا جو ادب کرے گا۔ "طریقت ہمہ ادب است"

ے از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم ماند از لُطفِ ربّ

رباعی :

ہیچ شخصے خود بخود شیخے نہ شُد

ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شُد

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے رُوم

تا غلام شمس تبریزے نہ شُد

۞ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ والدین کو تو اپنے بچّوں کی جسمانی تربیت کا خیال ہوتا ہے مگر شیخ اپنے مریدین کو رب العالمین کے دربارِ اقدس میں رسائی کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس ارشاد مبارک سے مُرشد پاک کی والدین پر فضیلت واضح ہوتی ہے۔

۞ ایک دفعہ اپنے مرید لیک شاہ کو لائل پور (فیصل آباد) اس کے استفسار پر تحریر فرمایا اگر تم چاہو تو وہیں سفید کپڑوں میں درویشی اختیار کر سکتے ہو۔ میرے ہاں جتنے ملنگ ہیں، اُن میں سے ایک بھی ملنگ نہیں سب دُنیا دار ہیں۔

۞ ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ کسی امیر کے گھر جاؤ تو وہ خیال کرتا ہے کہ کچھ مانگنے آیا ہے۔ اگر غریب کے گھر جاؤ تو وہ خیال کرتا ہے کہ دھن بھاگ! کہ اس کے گھر درویش کا قدم آیا۔

۞ فرمایا : جو دم غافل سوئی دم کافر۔

۞ فرمایا : دل کے اندر غیر کو آنے نہ دے۔ دل سے باہر یار کو جانے نہ دے۔

۞ فرمایا : ہتھ کار دل، دل یار دل۔

۞ فرمایا : وہ طلب ناقص ہے جو بے حاصلی کی بنا پر جاتی رہے۔

ع اوہ لگیاں نہیں جیہڑیاں ٹُٹ گیاں

۞ فرمایا : فقیری دُنیا کے ہر کام سے مشکل ہے خال خال ہی منزلِ مقصود پر پہنچتے ہیں۔

ع ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

- فرمایا: ایہہ گل ہے اَل بلاڑی سر دتیاں ملے۔ تاں بھی جان سو آڑی۔
- فرمایا: جیہڑا ابن بیٹھا اوس کی کھٹنا ہے۔
- فرمایا: نام کا نشہ ہونا چاہیے باقی نشہ سب علت۔

ع نام خماری نانکا چڑھی رہے دن رین۔

- فرمایا: دماں والے ہی گھوڑے خریدن گے خالی ہتھاں والیاں نوں کون لئی بیٹھا ہے۔
- فرمایا: برتاوا اگر تین دن تک کھانا تقسیم کرتا رہے پھر بھی اپنا ہاتھ منہ کو نہ لے جائے۔

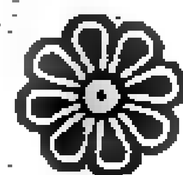
۷۸۶

صبح نماز وقت ۲۵ مرتبہ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۵ مرتبہ الحمد شریف ۱۵ مرتبہ درود شریف ہزارہ
۲۰ مرتبہ استغفار استغفر اللہ ربی من
کل ذنب و اتوب الیہ ط

عشاء کی نماز وقت ۲۵ مرتبہ اللہ الصمد
تسبیح کلمہ شریف کی ۲۰ مرتبہ کلمہ تمجید
۲۰ مرتبہ استغفار گیارہ گیارہ ہزارہ
اللھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد
بعدد کل ذرۃ مائۃ الف الف مرۃ

نماز ظہر و عصر و مغرب کو ۱۰ مرتبہ کلمہ شریف
۱۰ مرتبہ کلمہ تمجید ۱۰ مرتبہ استغفار ۱۰ مرتبہ درود شریف

عکس تحریر خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ



موضع سابو وال ریاست کپورتھلہ کے ایک نمبردار تھے جو پیرانِ پیر دستگیر غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قُطب ربانی کے سچے عاشق و صادق تھے۔ کبھی سائل اُن کے دولت خانہ پر غوث پاک کے واسطے سے سوال کرتا تو وہ خالی نہ لوٹتا تھا۔

سائلین کی بہتات نے ان کی جائیداد پر کافی اثر ڈالا۔ یہاں تک کہ اراضی بھی رہن یا بیع کرنے کی نوبت پہنچ گئی۔ ایک دن اپنے لڑکے سے کہنے لگا کہ کل جائیداد جو مجھے وراثت میں ملی تھی۔ اتنی ہی جائیداد تم کو پوری کرنے کے بعد دُنیا سے رُخصت ہوں گا۔ القصہ جب اس کی تمام جائیداد ختم ہوگئی۔ ایک دن جب کہ بارش ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنے کمرے کا دروازہ پکڑ کر جس کی سمت قطب شمال کی طرف تھی۔ روضۂ اقدس کی طرف مُنہ کر کے دونوں شاخیں پکڑ کر نہایت عاجزانہ انداز میں التجا کی کہ سرکار غوث پاک! مَیں نے آپ کے نام پر سب کچھ لٹا دیا۔ اب میرا دُنیا سے جی اُچاٹ ہوگیا ہے اور مَیں نے جو وعدہ اپنے لڑکے کے ساتھ کر رکھا ہے اس کو ایفا کیا جائے اور مجھے اپنے پاس بُلالیں۔ اُسی وقت فوراً ایسی برستی بارش میں سرکار پاک وہاں پہنچ گئے۔ نمبردار سے فرمایا باباجی! تمہارا بازو سرکار غوث پاک نے مجھے پکڑوا دیا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ تم کو سب کچھ سوا دیا جائے گا۔ تھوڑی دیر قیام کیا، حُقّہ نوش فرمایا اُس وقت اُس کا لڑکا بھی وہاں موجود تھا۔ اُس کی پُشت پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ہم کو کپورتھلہ جانے والی سڑک پر چھوڑ آؤ۔ اُس نے کہا کہ آپ جب آئے تو کیسے آئے جب کہ راستہ نہیں معلوم تھا۔ آپ نے فرمایا تجھے اس سے پُوچھنے کا کیا فائدہ۔ لہٰذا لڑکا دو دو فٹ گہرے پانی میں ساتھ چلتا گیا۔ تھوڑی دُور جا کر فرمایا اب تم واپس جاؤ۔ جب واپس ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایسا ہوا کہ مرض طاعون سے گاؤں کے بہت سے لوگ مر گئے۔ جن لوگوں کے پاس ان کی جائیداد رہن یا بیع تھی قدرتی طور پر وہ تمام کے تمام اس موذی مرض کا شکار ہوگئے۔ لہٰذا ان کو اپنی جائیداد کے علاوہ اپنے عزیز و اقارب کی جائیداد بھی منتقل ہوگئی۔

ایک دفعہ میاں محمد حسین صاحبؒ سجادہ نشین روشنی والے پیر ٹانڈہ شریف کے رہنے والے نے بیان کیا کہ دولے خاں سکرالہ شریف کے رہنے والے تھے وہ سب سے پہلے مست علی بخش صاحب کے پاس خدمت کرتے رہے۔ جب مست صاحبؒ کا وصال شریف ہوگیا تو وہ وہاں سے دربار شریف ٹانڈہ آگئے تھے۔ وہ ہمیشہ گدی نشینوں کی اور دربار شریف کی خدمت کرتے رہے۔ جب ستر پچھتر سال کے تھے تو ایک دن اُن کے دل میں اچانک خیال آیا۔ تمام عمر گزر گئی مگر نعمت باطنی سے محروم رہا۔ اُس نے وہاں سے ہمیشہ کے لیے رُخصت چاہی اور میاں محمد حسین صاحب کو اطلاع کر دی۔ میاں صاحب اُس کی خدمات سے اس قدر خوش تھے کہ وہ دولے خاں کو اپنے سے علیحدہ نہیں کرنا چاہتے تھے، لہٰذا میاں صاحب کافی پریشان ہوئے۔

اس دوران میں سرکار پاک خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ تشریف لے آئے اور مجھے اُنھوں نے نذرانہ دینا چاہا، لیکن مَیں اُداسی اور خاموشی کے عالم میں کھڑا رہا کچھ جواب نہ دیا۔ دوسری مرتبہ آپ نے پھر فرمایا حضرت صاحب نذرانہ قبول فرمائیں، مگر

میں زیادہ پریشانی کی وجہ سے پھر خاموش رہا تیسری دفعہ آپ نے فرمایا حضرت صاحبؒ کیا بات ہے، آپ پریشان کیوں ہیں۔ میں نے دست بستہ گزارش کی کہ سرکار! بابا دولا کہتا ہے کہ مجھے تمام عمر کی غلامی کا کوئی صلہ نہیں ملا۔ اب وہ اپنے گھر واپس جا رہا ہے اور اس کے بغیر میرا کام نہیں چلتا۔ یہ سن کر آپ نے دولے شاہ کہہ کر آواز دی۔ دولے شاہ آیا۔۔۔۔۔ اس پر ایسی نظرِ کرم فرمائی کہ دولے شاہ کو قطب کے عہدے پر فائز فرمایا۔ دولے شاہ سراپا لرزیدہ، لرزیدہ اور آب دیدہ بے ساختہ زبان سے کہنے لگا کہ آپ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نور ہیں۔ آپ میں مجھ کو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آئی۔ آپ نے فرمایا کہ خاموش رہو، اب کہیں مت جانا اور روضہ اقدس میں رہ کر تمام خدمات کو حسبِ سابق سرانجام دیتے رہنا۔ جاؤ ہم نے تم کو یہ علاقہ دے دیا ہے۔ اس کے بعد دولے شاہ کو اس قدر عروج ہوا کہ تمام علاقہ اُس کا گرویدہ ہو گیا۔ لیکن اُس نے غلامی اور خدمت گزاری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جب حضرت علی معظم صاحب رحمتہ اللہ علیہ دگڑھ شنکر والے) مرید ہوئے تو آپ کی عمر بارہ برس تھی۔ آپ کے شیخ پاک بُرقعہ پوش تھے۔ آپ نے بھی برقعہ پہن لیا۔ اگر مرید پیر کے حکم پر پابند رہا تو حلال ہو گیا ورنہ حرام۔

ایک دفعہ ارشاد فرمایا، پیرو مرشد سے نظرِ عنایت طلب کرنا چاہیئے۔ جو دُنیاوی مال طلب کرے گا، وہ دُنیاوی مال ہی میں زندگی گزار دے گا۔ (جیہڑا دُنیا منگے گا دُنیا جوگا رہے گا)

حافظ برکت اللہ جالندھری نے ایک دفعہ آپ سرکار پاکؒ کی ایک کرامت بیان کی، کہنے لگے کہ میں نے بہت سے مزاروں پر حاضری دی اور کئی ایک درویشوں کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا، لیکن کہیں بھی تسکینِ قلب نصیب نہیں ہوتی۔ ایک دفعہ میرے ایک دوست جو کہ میرے ہم مکتب تھے، کہنے لگے کہ ہردو تھلہ شریف میں ایک بزرگ اور مقدس شخصیت ہے اور آج کل عُرس پاک بھی شروع ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ میرے باوجود انکار کرنے کے وہ بضد اصرار کرتا رہا کہ چلو اور کچھ نہیں تو عُرس پاک میں شرکت ہو جائے گی، لہٰذا ہم ہردو تھلہ شریف پہنچے تو اتفاقاً سرکار پاک دربار شریف سے باہر کھڑے تھے رُو در بے جب مجھے آپ کی صُورت نظر آئی تو بے ساختہ زبان سے الفاظ نکل گئے۔

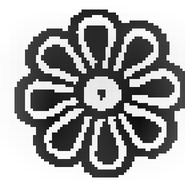
ع بسیار خُوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آپ کی صُورت کچھ ایسی دل میں گھر کر گئی کہ جب عُرس پاک اختتام ہوا ہم نے رُخصتی کی درخواست کی تو فرمانے لگے ایک دو دن اور قیام کرو، لہٰذا بحکم سرکار پاک ہم نے قیام کر لیا۔ اسی اثنا میں ایک بُوڑھا شخص جو کہ قوم راجپوت سے تھا حاضرِ خدمت ہوا اور دست بستہ عرض کی کہ جناب میں موضع نڑالی کا رہنے والا ہوں اور میرا ایک ہی لڑکا تھا جس کو منور خاں ذیلدار چوہالہ والے نے زبردستی فوج میں بھرتی کروا دیا ہے اور یہ واقعہ ۱۹۱۷ء کا ہے۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میں بڑھاپے کی وجہ سے کام نہیں کر سکتا۔ آپ حکم دیں تو میں بمعہ اہل و عیال دربار شریف میں آ جاؤں یا میرے لڑکے کو واپس بُلا دیں۔ یہ کہہ کر وہ زار و قطار

رونے لگا۔ اُس کے رونے سے متاثر ہو کر تمام محفل بھی آب دیدہ ہو گئی۔ یہ سُن کر سرکارِ پاک نے حکم دیا کہ تم تین صد ڈول پانی کے بغیر وقفہ کے کنوئیں سے نکالو۔ اس طریقے سے تم اللہ رسول کا باغ ہرا کر دو، اللہ پاک تمہارا باغ ہرا کر دے گا۔ جب وہ حسبِ شرائط تین صد ڈول پانی کے نکال کر واپس آیا تو آپ نے اہلِ مجلس سے فرمایا کہ سب بھائی اس شخص کے حق میں دُعا کریں اور ہم بھی دُعا کرتے ہیں نا معلوم اللہ کس کی دُعا منظور فرمادے۔ دُعا کے بعد فرمایا کہ اللہ میاں رحم کرے گا اور اب تم گھر جاؤ۔ وہ شخص اپنے گھر واپس چلا گیا، لیکن دوسرے دن سہ پہر کو وہی شخص ایک نوجوان لڑکے کے ہمراہ دربارِ پاک میں حاضر ہوا اور تھوڑی سی شیرینی بھی ہمراہ لایا۔ آتے ہی اس نوجوان نے کہا کہ اباجی! یہی باباجی ہیں جو مجھے لاتے تھے۔ سرکارِ پاک نے شیرینی تقسیم کرادی اور اُن کو بیٹھنے تک نہ دیا اور رُخصتی کردی۔ ہم کو شک گزرا کہ کوئی خاص بات ہے، لہٰذا ہم بھی دربارِ پاک سے نکل کر اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور اُن سے مل کر دریافت کیا کہ آخر اتنی جلدی کیوں تم کو رُخصتی مل گئی۔ اس نوجوان نے ہمارے اصرار پر کہا کہ گزشتہ شب کی بات ہے کہ ہمارا فوجی دستہ بمبئی کے نزدیک پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اور آج دن کو ہم نے محاذِ جنگ پر بحری جہاز میں سوار ہونا تھا لیکن رات کے پچھلے حصہ میں میرا کمانڈر میرے پاس آیا۔ میں نے اُٹھ کر سلام کیا۔ کمانڈر کہنے لگا کہ میں نے تمہارا نام آرمی سے خارج کر دیا ہے۔ میں نے اپنا قصور دریافت کرنے کی کوشش کی مگر اُس نے خاموش کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد سرکارِ پاکؒ تشریف لائے اور میرے پاؤں پر اپنے پاؤں رکھ کر ایک لمحے کے لیے میری آنکھیں بند کرادیں۔ جب آنکھوں پر سے ہاتھ اُٹھائے تو میں اکیلا تھا۔ نہ وہاں کیمپ اور نہ وہ مقام تھا۔ ہر طرف اندھیرا گھُپ تھا۔ میں بہت ہراساں اور پریشان تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں وہیں بیٹھ گیا۔ صبح صادق ہوئی، پو پھٹی، سورج طلوع ہوا تو دیکھا کہ میں اپنے گھر کے دروازے کے نزدیک ہی بیٹھا تھا۔ جب گھر کے اندر داخل ہوا تو گھر والے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔



حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ کے قلوب میں عشق و محبت الیار رچا بسا تھا۔ اس محبت کی کیفیات سے متاثر ہو کر اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سچا اور والہانہ عشق ہونے پر اکثر نعتیں پڑھتے رہتے تھے اور خود بھی اسی محبت سے سرشار ہو کر نعت شریف لکھتے رہتے اور لوگوں کو بھی نعت شریف پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کا کلام نعتیہ مندرجہ ذیل بطور امثال پیش قارئین کرام ہے۔



نعت شریف

سوہنا سرور انبیاء آیا جی واہ واہ الحمد للہ
ساڈا ہویا بھاگ سوایا جی واہ واہ الحمد للہ

ماہ مبارک ربیع الاوّل بھاگیں بھریا مہینہ
دن دوشنبہ وقت صبح دے آیا لعل نگینہ

مولا گھر گھر چانن لایا
جی واہ واہ الحمد للہ

آمنہؓ دے گھر حوراں پریاں وارو واری آون
کرن زیارت پاک نبیؐ دی صدقے واری جاون

سبھناں گیت خوشی دا گایا
جی واہ واہ الحمد للہ

زمیں فلک دے ملک سبھی بی بی آمنہؓ دے گھر آکر
وچ قیام پڑھن صلواتاں سبھناں خوشی منا کر

ساری اُمت نُوں بخشایا
جی واہ واہ الحمد للہ

پیدا ہندیاں پاک محمدؐ سر سجدے وچ دھریا
یا رب جبلی اُمتی سرور نے دم بھریا

ساری اُمت نوں بخشایا
جی واہ واہ الحمد للہ

جس دن رحمت عالم آئے ورہیاں رحمت باراں
آپ دے فیض قدم دی برکت کھڑیاں سب گلزاراں

مولا اُجڑیا دیس بسایا
جی واہ واہ الحمد للہ

جس دن حضرت پیدا ہوئے گھر گھر فرحت شادی
دو جگ اندر دُھوم مچی جب آئے سب کے ہادی

سبھناں راہ ہدایت پایا
جی واہ واہ الحمد للہ

خُودی تکبر سب اُٹھ دھائے رہا نہ بغض اور کینہ
کفر شرک دی بیخ اُٹھی جب آیا شہ مدینہ

اللہ واحد دا سبق پڑھایا
جی واہ واہ الحمد للہ

فارس کی سب آگ بُجھی نٹھیا ابلیس کمینہ
قیصر و کسریٰ گم ہوئے جب آیا مہ جبینہ

ایسا آپ دا پرتوا چھایا
جی واہ واہ الحمد للہ

آپ نہ ہوندے کجھ بھی نہ ہوندا خود خالق فرماوے
دو جگ دے مختار محمدؐ صفت نہ کیتی جاوے

سر پہ چھتر لولاک جھولایا
جی واہ واہ الحمد للہ

طٰہٰ تے یٰسین مزمّل شان نبیؐ دی نیاری
اُمّت دے بخشاون کارن آئے نبیؐ غفاری
کیسا آپ نے کرم کمایا
جی واہ واہ الحمد للہ
جس دے دل وچ مہر محمدی جنّت جگہ پاوے
جس نے صدق سے کلمہ پڑھیا اوہی بخشیا جاوے
خود اللہ نے فرمایا
جی واہ واہ الحمد للہ
بھیڑیاں کماں عمر ہی ساڈی غفلت دے وچ بیتی
رحمت عالم کملی والے بڑی عنایت کیتی
سانوں صابری دے لڑ لایا
جی واہ واہ الحمد للہ

نعت شریف

ساڈے دھن دھن بھاگ سوائے نبیؐ جی آئے نبیؐ جی آئے

اوّل حمد ہے پاک ربّے دی جو ہے سرجنہارا
بعد درود نبیؐ سرور پر جو ربّ دا محبوب پیارا
جنہاں دی خاطر جنہاں دی خاطر ربّ بنت بنائے
نبیؐ جی آئے نبیؐ ۔ ۔ ۔ ۔
اوّل ما خلق اللہ نوری حضرت نے فرمایا
سب سے پہلے نُور نبیؐ دا ربّ نے آپ بنایا
پھر اُس نُوروں، پھر اُس نُوروں ایہہ کھیل رچائے
نبیؐ جی آئے نبیؐ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
چھ ہزار ست سو چھونجا سن آدم دھایا
نُور الٰہی پر گھٹ ہو کے گھر گھر چانن لایا
کُفر اندھیرے، کُفر اندھیرے سب اُٹھ دہائے
نبیؐ جی آئے نبیؐ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
باراں تاریخ ربیع الاوّل ماہ مبارک
ظاہر ہوئے اس جگ وچ پاک حبیب خالق
وقت صبح دن پیر سہائے
نبیؐ جی آئے نبیؐ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
واہ واہ اس جگ وچ برسیاں رحمت باراں
سوہنے پاک نبی لیاں آن اُمّت دیاں ساراں
مولا اُجڑے، مولا اُجڑے دیس بسائے
نبیؐ جی آئے نبیؐ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
رل مل حُوراں پریاں آمنہؓ دے گھر آون
دین وداھیاں نال خوشی دے منگل گاون
اے بی بی، اے بی بی، تیرے بھاگ سوائے
نبیؐ جی آئے نبیؐ ۔ ۔ ۔ ۔
اے بی بی تیں پر اللہ نے ایسا کرم کمایا
جس نبی محمدؐ دو جگ دا والی جایا

صفت جہاندی، صفت جہاندی کیتی نہ جائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

زمین فلک دے مَلک تمامی آمنہ دے گھر آ کر — وچ قیام پڑھن سلام درود نبیؐ پر

سبھناں ادبوں، سبھناں ادبوں سیس نوائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

کرو قیام پڑھو صلواتاں اے میرے بھائیو — ہے تعظیم نبیؐ دی واجب بھُل نہ جائیو

پڑھ کے کلمہ، پڑھ کے کلمہ ہو زیر سائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

جس دم وچ مکّے دے نبیؐ سوہارے — بُت مُونڈھے گر گئے شیطان ڈھائیں مارے

کر دے سارے، کر دے سارے ہائے ہائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

جس دن اس دُنیا وچ آئے دین پناہی — سارے کنکر پتھر آپ دی دین گواہی

شجروں حجروں، شجروں حجروں آوازے آئے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

پیدا ہوندیا اوّل سجدے درگاہ باری — عرض کیتی اللہ میری بخشیں اُمت پیاری

ہر اک مومن، ہر اک مومن خوشی منائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

اس سوہنے پاک نبیؐ دی صفت کیا کوئی جانے — خود ہو واصف جہاندا اللہ قدر پچھانے

جیندا جبرئیل، جیندا جبرئیل جھولا جھولائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

جس دن ظاہر ہوئے پاک حبیبؐ غفاری — کُفر شرک دی بیخ جگت توں اکھڑ گئی ساری

خُوب توحید، خُوب توحید دے سبق پڑھائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

فارس کی آگ بُجھی آئے جاں نبیؐ گرامی — قیصر و کسریٰ دے چوداں کنگرے گرے تمامی

ایسے پرتوے، ایسے پرتوے آپ دے چھائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

ایسی سوہنی صُورت، سیرت پاک نیاری — جس پر عاشق اللہ اور خلقت ساری

واہ واہ سب دے، واہ واہ سب دے دل بھرمائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

شان جیدی وچ "لولاک ما خلقت ال" آیا — آپ نہ ہوندے کچھ بھی نہ ہوندا خود رب نے فرمایا

ایسے محبوبؐ، ایسے محبوبؐ کون سدائے — نبیؐ جی آئے نبی......

اس جگ دے وچ سرورِ عالمؐ جس دم قدم ٹکایا — گمراہاں نُوں سدھا حق دا رستہ آ بتلایا

ایسے ڈنکے، ایسے ڈنکے دین بجائے — نبیؐ جی آئے نبیؐ......

بھائیو مومنو کریو نبیؐ دی تابعداری — ایہو جانو عین ہی دولت عقبےٰ بھاری

کوئی ضائع، کوئی ضائع نہ عمر گنوائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ......
واہ واہ ایسے آئے سوہنے دُرِ یتیمی	جس جس ویکھیا آپ دا خُلق عظیمی
پڑھ کے کلمہ، پڑھ کے کلمہ ایمان لیائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ......
جیہڑے شوقوں پنجے وقت نماز گزارن	اوہو تابعدار نبیؐ دے جو سب کچھ وارن
او بہشتیں، او بہشتیں نبیؐ سنگ جائے	نبی جی آئے نبیؐ.....
بھائیو دل تھیں سارے جھگڑے جھیڑے چھوڑو	اس سوہنے پاک نبیؐ سنگ اکھیاں جوڑو
اللہ تم پر، اللہ تم پر کرم کمائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ......
جس سوہنے پاک نبیؐ دے ولوں مُکھ موڑا	اُس جانو دین ایمان دا رستہ چھوڑا
اُس نے عمروں، اُس نے عمروں وقت کنجائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ......
جس نے سوہنے پاک نبیؐ سنگ لائی یاری	گل یاد رکھو پھر خوش ہو اللہ باری
درود نبیؐ پر، درود نبیؐ پر جو پڑھے پڑھائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ.....
رنج و مصیبت اُس بھائی توں سب ٹل جائے	دین دنی دے سارے مقصد دل دے پائے
صدقوں نام، صدقوں نام نبی جو دھیائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ.....
جس نے دل تھیں صدقوں نام نبیؐ دا دھیایا	بحر غماں تھیں رب اُس دا بیڑا بنے لایا
پھر او جُنبش، پھر او جُنبش مُول نہ کھائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ.....
جس دے دل پر مہر محمدی لاگی ہوئی	اُس نوں اللہ دے در مل سی بھائیو ڈھوئی
اللہ دوزخ، اللہ دوزخ کنوں بچائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ.....
جو کوئی آپ دے در پہ بھائیو چل کے آیا	اُس نوں نال کرم دے خالی نہ درکایا
ایسے جگ وچ، ایسے جگ وچ دھنی کہلائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ....
جس محفل وچ ذکر نبیؐ دا کیتا جاوے	رُوح مبارک نبیؐ دی پھیرا پاوے
واہ واہ محفل، واہ واہ محفل عجب سہائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ......
جس جا محفل پاک نبیؐ دی جو کرن کراون	ایسی محفل پاک ہے مَلک بھی سُننے آون
اس جا رحمت، اس جا رحمت رب دی چھائے	نبیؐ جی آئے نبیؐ......
جس نے صدقوں پاک نبیؐ دا کلمہ پڑھیا	اُس نے جانوں غیر خیالوں بوہا جڑیا

اوہو اللہ، اوہو اللہ دے من بھائے نبیؐ جی آئے نبیؐ......

اللہ پاک نے ایس عاجز پر کرم کمایا اُس سوہنے محبوبؐ نبیؐ دا کلمہ پڑھایا

سارے دل دے، سارے دل دے بھرم گوائے نبیؐ جی آئے نبیؐ......

بھائیو سوہنے پاک نبیؐ دے رستے چلو جے کر رب نوں ملنا چاہو آپ دا دوارا ملو

کوئی اینویں، کوئی اینویں نہ مغز کھپائے نبیؐ جی آئے نبیؐ.....

اللہ پاک دا صابریؒ لکھ لکھ شکر منایا کالی کملی والے نبیؐ دامن ہیٹھ چھپایا

واہ واہ سُتڑے، واہ واہ سُتڑے بھاگ جگائے نبیؐ جی آئے نبیؐ.....

ساڈے دھن دھن بھاگ سوائے نبیؐ جی آئے

نعت شریف

رب نے رتبہ کیا نرالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

ایسا آپ دا عالی پایا ایسا پایا کسے نہ پایا جس نوں چاہا چا بخشایا

رب دے گھر ہے دخالا مدینے والے دا

آپ ہیں خاص حبیب حقانی جن کا دو جگ میں ہور نہ ثانی کچھ عبدی کچھ طور رحمانی

ایہہ طبیعت عجب ہے شالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

آپ تو نُور ہیں خالق اکبر جن کا دو جگ میں کوئی نہ ہمسر جسم کا سایہ نہ آیا زمین پر

نُور کے سانچے میں ڈھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

نُور آپدا کب رب سے جُدا ہے رب اور آپدی ایک ہی جا ہے رب دی اور آپدی ایک رضا ہے

سارا قرآن پاک حوالہ مدینے والے دا

مدینے والے دا

اولیاء انبیاء پیغمبر سارے بیشک ہیں وہ رب دے پیارے آپ دے نُوروں کل پیارے

ہے سب توں رتبہ اعلیٰ مدینے والے دا

مدینے والے دا

پیارا نام ہے احمد سرور جن سے دھوئی ہوندے گھر پڑھیو نام ایہہ طیب طاہر

اوپر دل دی مالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

آپ دے نام دا ورد کمائیو آپ دے سنگ ہی عشق لگائیو دیکھنا ہرگز بھول نہ جائیو

خود عاشق باری تعالیٰ مدینے والے دا

مدینے والے دا

ایسی صورت سیرت نیاری جنہاں دی خاطر خلقت ساری کیا خاکی کیا نوری ناری

دو جگ ہے متوالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جس نوں عشق ہو احمد سرور اوہو پہنچے گا رب دے گھر دلوں بجانوں اپنے دل پر

جس نے نقش بٹھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو کوئی سگ ہے آپدے دردا دوہیں جہانیں اوہی تردا عزیزا توں بن کے سچا بردا

دل سے حکم بجا لا مدینے والے دا

مدینے والے دا

مشکل اس دی حل ہو جاوے دوہیں جہانیں عزت پاوے آپ دی یاد میں جو مر جاوے

اوہ عاشق کرماں والا مدینے والے دا

مدینے والے دا

کرئیو آپ دی تابع داری پھر مل جاسی اللہ باری ایہو دولت عقبیٰ جاری

عشق نہیں ہے سکالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

اوہ تے جا جنت وچ وڑیا جس نے صدق سے کلمہ پڑھیا غیر خیالوں بوہا جڑیا

وحدت بھید سنبھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو کوئی مسلمان سداوے نام پہ نبیؐ فدا ہو جاوے اُمتی آپ دا وہی کہاوے

جس نے کچھ حق پالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

ایسا آپ نے کرم کمایا اُجڑیا دیس ایہہ آن بسایا جنگل دے وچ منگل لایا

ایہہ رحمت دا ہے اُجالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جب وہ آئے حق کے پیارے کنگرے کسریٰ گر گئے سارے واہ رے واہ رے واہ رے

رب نے ایسا پرتو ڈالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو سنگ آپ تشدد کردے اُنہاں خلق عظیموں کردے پھر ہو جاون کلمہ پڑھدے

اللہ ہے رکھوالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

ہمسریوں تک بنہ جو کھلووے دین ایمانوں بخدا کھووے روز محشر اوہ بیٹھا رووے

جس دل توں نام اُٹھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

اور ہی بن بیٹھے جو کوئی اُس دی شیطان نے مت کھوئی رب دے گھر نہ ہو گی ڈھوئی

جس رستہ نہ دیکھا بھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

اور ہی اور جس مذہب نکالا دو جگ میں ہو گا منہ کالا حکم ربانی سر توں ٹالا

نہ سمجھا شان نرالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

جو کوئی پاک ایہہ نام دھیاوے اس دا سینہ صاف ہو جاوے رنج مصیبت سب اُٹھ جاوے

ہے نام اے برکت والا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

رب نے ایسی شان وکھائی   قدسی حدیث مولا فرمائی   آپ دی خاطر بنی خدائی

پُوچھو قرآنوں حالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

چھوٹا بنی کوئی بیٹھے جو بن   بجاویں کتنا خرچ کر دھن   بس چھوٹا ہے رنگ ڈھائی دن

رہنا سدا اہی بول بالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

کاذب تے رب لعنت پاوے   صادق تے رحمت برساوے   بھائیو وہی جنت پاوے

جس دے پاس قبالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

خودی تکبر سب اُٹھ جاوے   صبغۃ اللہ دا رنگ رنگاوے   فوراً مست الست ہو جاوے

جس پیتا پریم پیالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

واہ کیا آپ دا شان مزمل   واہ کیا آپ دا بڑا تجمل   واہ کیا سوہنے مونڈھے کمبل

نُوری پاک دوشالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

چندوں چہرہ دون سوایا   نُوروں رب اپنے چمکایا   دیکھ کے سورج بھی شرمایا

واہ کیا حُسن کمالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

دونوں جہاں کے شاہ کہلا کر   واہ کیا بوریا ٹاٹ کا بستر   بن کے آئے غریبوں کے پرور

واہ کیا شان نرالا   مدینے والے دا

مدینے والے دا

سب کچھ اپنے نوروں بنا کے   ظاہر کیا رب خود فرما کے   لولاکی سر چھتر جھلا کے

کیتا درجہ بالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

سب بھائیوں پر کرم کمائیں سب نوں رستے محمدی چلائیں عشق گوھڑا رنگ چڑھائیں

اسے ساڈے جل جلالہ مدینے والے دا

مدینے والے دا

رب نے اپنا کرم کما کے حافظ اکمل پیر ملا کے صابری آپ دے دامن لا کے

دسیا راہ سوکھالا مدینے والے دا

مدینے والے دا

نعت شریف

دربار سوہنے نبی سرورؐ دے جو صدقوں چل کے آویں گے

بھر جھولیاں اپنے مقصد کی اوہ خوشی خوشی گھر جاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ .....

ایسا آپ دا دوارا شاہی جی جتھے بھریا راز الٰہی جی

پہلے آپ دے دوارے جاویں جو ڈھوئی اللہ دے گھر پاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ....

آپ خاص حبیب رحمان جی جن کے جبرئیل ہیں دربان جی

رب اس پہ ہی راضی ہوگا جو آپ دا نام دھیاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ .....

دوارے سوہنے احمد سرورؐ دے جو صدقوں آ عرضاں کردے

اوہ دل دی مرادیں پا کے سب پھر گیت خوشی دے گاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ....

دوارا آپ دا پاک رحمان دا جی جو صدقوں ایک ہی جان دا جی

سب عقدے اس دے حل ہوون جو ادبوں سیس جھکاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

دوارے سوہنے اللہ والے دے　　اس دو جگ دے رکھوالے دے
چھوڑ وہم خودی جو آن جھکے　　اسے دامن ہیٹھ لگاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

بھائیو ہمسری دے ہیں قابل جو　　پیش کر دے جھوٹے دلائل اوہ
سچے عاشق جو نبیؐ اطہر دے　　دل کدی نہ اپنا ڈولاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

ذکر آپؐ دا جس جا آوے گا　　اجلاس اوہ عجب سہاوے گا
آسن دے شوق سے ملک سبھی　　خود آپ بھی تشریف لاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

کی میں صفت کراں نبی سرورؐ دی　　اس خاص حبیبؐ داور دی
جن کی صفت کرے اللہ باری　　پھر ہور کی کریں کراویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

آپ جیہا دو جگ میں یار نہیں　　کوئی آپ بناں غمخوار نہیں
روز محشر نوں بن کے شافی　　ساری اُمت نوں بخشاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

بس صابری دل میں خوف نہ کر　　تیرے حامی پاک نبیؐ سرور
نال کرم دے دو جگ میں تیری　　خود آپ ہی لاج رکھاویں گے

دربار سوہنے نبیؐ ۔۔۔۔

نعت شریف

ایہو ہر دم دل وچ چاہ سیدا　　بخشو اپنا پاک لقا سیدا
یا نبیؐ جی بلّہ جے اک واری درس دکھاندے　　میرے دکھ اور درد قضیے سب دور ہو جاندے
گر ہو آپ دی مجھ پہ رحمت کی نظر　　پھر تو بے شک کُلی شفا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

آپ دا ہو کر شاہا ہور کس در جاواں　　کس نوں اپنا حال رو رو میں جا سناواں

ایسا کون طبیب جو مرضاں کٹے　　توری دید ہے میری دوا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

میں نرا سا بھٹر کے کاسہ آپ دے دوارے آکھڑا　　بدیاں دیکھ نہ جھڑکیو سخی آپ دا رتبہ بڑا

توری دید کی بھکھیا کا مانگت ہوں　　ایہو خاص ہے میری صدا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

میں توں او گنہگار ہوں پر نام آپ دا ہے رحیم　　میں پر اپنا کرم کریو نام آپ دا ہے کریم

جیسا چنگڑا منڈرا میں آپ دا ہاں　　لینا دامن بیٹھ چھپا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

بحرِ عصیاں میں پھنسا بیڑا میرا ہے یا شہاؐ　　ڈکو ڈولے کھا رہا ہے یا نبیؐ بہرِ خدا

کریو کرم شہا اب نہ دیر کرو　　لڑ لگیاں دی توڑ نبھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیؐ سر آپ دے سوہنے لولاک تاج جی　　آپؐ کو اللہ نے بخشیا دو جہان دا راج جی

واہ واہ آپؐ دی نیاری شان نبیؐ　　کہا اللہ نے پیارے عرش آ سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

آپ نوں ایسا شہا اللہ نے لاڈ لڈایا　　پیار سے عرشیں بلا سب مخفی بھید بتایا

دُوری دُور ہوئی سب پردے اُٹھے　　میرے دل توں بھی غیر اُٹھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا محمدؐ مصطفٰے یا رحمت للعالمین　　تم شفیع ہو عاصیاں یا شفیع المذنبینؐ

میرا نامہ عمل سب سیاہ ہی ہوا　　اپنی رحمت سے کر ■ صفا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیؐ بخشو پناہاں نفس نے گھیرا مجھے　　دو جہاں میں یا نبیؐ فقط آسرا تیرا مجھے

ایتھے اوتھے حامی میرا کوئی نہیں　　کس سے عرض کروں میں جا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیؐ جی جب سوا نیزے پہ ہوگا آفتاب　　کردیو سایہ اپنی رحمت کا رسالت مآبؐ
جب وقت نزع دا آوے یا نبیؐ　　دینا اس ویلے درس دکھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

وچ اندھیری گور دے منکر نکیر آویں گے جب　　پھر اُٹھا کے پُوچھیں گے جلدی بتا کون تیرا ربّ
اس بات کا ہے دل میں خوف بڑا　　اس ویلے مینوں آن گل لا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

مَیں گناہیں بھر ڈُبا ہُوں اے حبیبؐ اللہ دے　　میرا جھیڑا اُسن دا کیہڑا اُسن لو نام اللہ دے
مَیں تو شاہا غلام قدیم کا ہُوں　　میری لگیاں دی اوڑھ نبھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

روزِ محشر ہوگا جب ہر اک دا دل گھبرائے گا　　اللہ دے دربار میں سب نُوں بُلایا جائے گا
دفتر عملاں دی جب پڑتال ہووے　　اُس ویلڑے لاج رکھا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

اے صبا بہرِ خدا کریں عرض جا درِ مصطفےٰ　　اک بردہ ہند میں تڑپے مگر ہے پُر گناہ
یا نبیؐ اللہ یا شہنشاہ!　　اوہدے دل دی بھی تپت بجھا سیدا

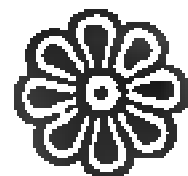
بخشو اپنا پاک لقا سیدا

یا نبیؐ جی محفل میلاد میں جو آوندے　　اور بھی ہیں جتنے بھائی کلمہ گو جو سن آوندے
باغ جنت میں جگہ سب کو ملے　　بلّٰہ سب کو لینا بخشوا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا

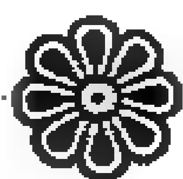
یا نبیؐ جی آپ ہو داتے دو جگ کے شہنشاہ　　صابریؔ مسکین ادھینہ آپ کے در کا گدا
میری لاج و شرم سب آپ کو ہے　　بلّٰہ پُوری کر دو التجا سیدا

بخشو اپنا پاک لقا سیدا



مناجات

اے پاک پروردگار جی — خاطر پاک محمدؐ
ہے عرض تیرے دربار جی — خاطر پاک محمدؐ
یا ربّ تیرے ہاں عاجز بندے — ساڈے عمل ہیں سارے گندے
توں بخش دے روز شمار جی — خاطر پاک محمدؐ
ساڈے عیباں ول نہ جائیں — اپنی رحمت دا مینہ برسائیں
صدقہ سارے دوست یار جی — خاطر پاک محمدؐ
جتنے بھائی مومن سارے — اے ساڈے خالق سرجنہارے
کریں بخشش بخشنہار جی — خاطر پاک محمدؐ
جتنی بھی اُمّت حضرت سرورؐ — اس پر اپنا کرم کیا کر
ہووے نہ کوئی خوار جی — خاطر پاک محمدؐ
مومن بھائی جو وچ تنگی — کر دے حالت ان کی چنگی
کوئی رہے نہ قرض دار جی — خاطر پاک محمدؐ
یا ربّ ساڈی آس پچا کر — اپنے حبیبؐ دا عشق لگا کر
کر دے توں عاشق زار جی — خاطر پاک محمدؐ
بانیٔ محفل پر ربّ اکبر — فضل کرم دی اپنے نظر کر
اوہدے بگڑے کاج سنوار جی — خاطر پاک محمدؐ
یا ربّ عزہ جلال دا صدقہ — اپنی قدرت کمال دا صدقہ
بخشیں پاک نبیؐ دیدار جی — خاطر پاک محمدؐ
یا ربّ سُتڑے بخت جگا کر — بھر کے وحدت جام پلا کر
ایہہ صابری کر سرشار جی — خاطر پاک محمدؐ



نعت شریف

اے سوہنے سرور عالمؐ اپنا نوری مکھڑا دکھائیو
خستہ دلاں دل کملی والے جھات کرم دی پائیو

آپ بناں مَیں کس در جاواں کس نوں اپنا حال سناواں کس بدھ اپنا من پرچاواں
کجھ تو دھیر ودھائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

اے دو عالم دے سوارا سوہنا مکھڑا نور ستارا بخشو اپنا آپ نظارا
دیر گھنی نہ لائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

سانوں نوری مکھڑا دکھا کر ساڈے نیناں دی پیت بجھا کر پیت بجھا کر دل میں سما کر
سارے روگ گنوائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

آپ بناں مینوں چین نہ آوے تنا وڈیا وڈھ وڈھ کھاوے اوہ دن کون مبارک آوے
مَیں گھر قدم ٹکائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

جس گھر قدم مبارک آوے اوہو وڈیا عجب سہاوے پھر اوہ پھُولا نہ سماوے
اُس دے بھاگ سوائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

یا حضرت تسیں کرم کماؤ میرے دل دی آپ دوا ہو آپ دے ڈٹھیاں کل شفا ہو
رُخ توں برقعہ اٹھائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

مکی مدنی شاہ اسوارا تدھ بنا میرا حال آوارہ آپ بناں کون دیوے سہارا
مَیں گھر قدم ٹکائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

مَیں گھر آپ دے قدم جے آون میرے دکھڑے دُور ہٹ جاون شگن مناواں گاون گاواں
اتنا کرم کمائیو اے سوہنے سرور عالمؐ . . .

اے محمّد سرورِ عالمؐ   مَیں گھر جھبدی آئیو جم جم   پھر تو دُور ہوون سارے غم

بِلّہ آئیو آئیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ ۔ ۔ ۔

بسم اللہ بسم اللہ آئیو   میرے مُتّڑے بھاگ جگائیو   میری مشکل حل کرائیو

بِلّہ اتنا نہ ترسائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " " "

مَیں تُہوں بھاویں کوہجا جھلّا   پر مَیں پھڑیا آپ دا پلّہ   اپنے کرم سے بخشو تسلّا

مَیں ول نظر وگائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " ۔ ۔

یا نبیؐ آپ ہو اللہ والے   مَیں عاصی دے ہو رکھوالے   بھر کے وحدت والے پیالے

مَیں عاجز نُوں پلائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ ۔ ۔ ۔

یا نبیؐ سخی آپ دا دوارا   آپ دا رُتبہ سب تھیں اعلیٰ   جان کے مینوں مُبرا نکارا

سوہنا مکھ نہ چھپائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " " "

آپ بناں مَیں کس نُوں پکاراں   آپ بناں نہ باغ بہاراں   خار دسیندیاں ہیں گلزاراں

آ کے رونق لائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " ۔ ۔

اے سوہنے سائیں کملی والے   آپ دے رتبے سب تھیں بالے   آپ دے سنگ جو نیوڑا لگاوے

اوہ رب دے من بھائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ ۔ ۔ "

نہ کوئی نیک مَیں عمل کمایا   اینویں ورتھا جنم گوایا   مینوں نفس کتے بھرمایا

اس تھیں آن بچائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ ۔ ۔ "

اے سوہنے سرور اللہ دے پیارے   مَیں تو آن پڑا تورے دوارے   آپ ہو کرم کماون ہارے

خالی نہ درکائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " " "

میرے مُتّڑے بخت جگا کے   خاص ہی اپنا کرم کما کے   مینوں اپنا مست بنا کے

اپنے پاس رکھائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " " "

ایسا آپ دا عالی پایا   ایسا پایا کسے نہ پایا   بدن مبارک دا نہ سایہ

رب اوہوں عرش جھکائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " ۔ ۔

بھانویں ہوں مَیں گناہیں بھارا   پر مَیں ملیا آپ دا دوارا   مَیں ہوں دردو الم دا مارا

بِلّہ نہ جھڑکائیو   اے سوہنے سرورِ عالمؐ " ۔ ۔

اے بادِ صبا تو جائیں مدینے　جتھے دس دے رسولؐ نگینے　میرے آ ٹھنڈ پادن سینے
ایہہ میری عرض سنائیو　اے سوہنے سرورِ عالمؐ ۔ ۔ ۔
اے سوہنے دو جگ دے چندا　ہند وچ ہے اک عاجز بندہ　تجھ بن اس حال ہے مندہ
اس پر ترس ہی کھائیو　اے سوہنے سرورِ عالمؐ ۔ ۔ ۔
صابریؔ نہ رکھ دل ہیں اندیشہ　نام نبیؐ رکھ ورد ہمیشہ　پھر ہو روشن دل رگ و ریشہ
ایہو سبق پکائیو　اے سوہنے سرور عالمؐ اپنا نوری مکھڑا دکھائیو



نعت شریف

نبیؐ جی پوری کیہڑے ویلے ہوؤ موری آس

اے حبیبؐ اللہ دے پیارے　جلدی بلاؤ اپنے دوارے　جیوڑا ہویا ہے اداس
نبیؐ جی پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اے میرے سرور ماہ جبینہ　ہند وچ رُلدا میں نیٹ کمینہ　مدینہ آپ دا ہے باس
نبیؐ جی پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
دم دا ہے گا کی بھروسا　ایہو لگڑی دل وچ آسا　تورے قدموں میں نکلے سانس
نبیؐ جی پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
رو رو اکھیاں نیر اچھالے　اے میرے سائیں مدینے والے　مینوں بلا لو اپنے پاس
نبیؐ جی پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
گل کفنی تن بھبوت رماواں　آپدے دوارے آکے الکھ جگاواں　گل پا پلسترا منہ گھاس
نبیؐ جی پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
پاک جمال دی جھلکیا پاؤ　میرے مقصد دل ولاؤ　سب کارج ہوون راس
نبیؐ جی پوری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

پاک جمال دی بھکیا پا کے   مَیں پر اپنا کرم کما کے   کر دے دوئی کا ناس
نبیؐ جی پُوری ۔ ۔ ۔ ۔

یارب تیری ذات پاک دا صدقہ   اوس شہر لولاک دا صدقہ   خوش بسے سارا اجلاس
نبیؐ جی پُوری ۔ ۔ ۔ ۔

اوگن دیکھ کے مکھ نہ چھپائیو   روز حشر اللہ اگے فرمائیو   ایہہ صابرؔ ہمراہ داس
نبیؐ جی پُوری کیہڑے ویلے ہووُ مُوری آس



نعت شریف

سب بلہارے جاؤ نبی سرورؐ دے   جس کا نام لیاں پاپی تر دے
جن کی صفت قرآن وچ آئی جی   جن کا کلمہ پڑھے خدائی جی
ایسی شان کسے نہ پائی جی   جبرئیلؑ ہیں درباں جن در دے
جن کی شان میں لولاک آیا ہے   خود اللہ نے فرمایا ہے
ایسا رُتبہ کسے نہ پایا ہے   دونوں عالم جن کے ہیں بردے
خاص اللہ کے پیارے ہیں   جن کی خاطر کل پسارے ہیں
اُن ہی کے ظہور یہ سارے ہیں   جن کی یاد میں سب ہیں دم بھر دے
جب آپؐ کا نُور ظہور ہوا   پھر دو جگ نُور نُور ہوا
تب کفر شرک سب دُور ہوا   جدوں پھیرے پئے سچّے رہبر دے
عجب معجزہ کافراں نے پایا   چند ٹکڑے کر کے دکھلائے
ایسا پرتو آپؐ دا ہے چھایا   گرے کنگرے کسرا قیصر دے
کی آپؐ دی صفت سناواں مَیں   صدقے بلہاری جاواں مَیں



نعت شریف

پاک محمدؐ مصطفٰے سنگ دیکھو پریت لگا — صلی اللہ علیہ وسلم

ہور سب پریتاں کوڑئیں ایہو سچی پریت

دو جگ دے وچ آپؐ بناں کوئی نہ ہر امیت

پڑھ دیکھو حکم خدا۔ پڑھ دیکھو حکم خدا — صلی اللہ علیہ وسلم

فاتبعونی حکم ہے دیکھو وچ قرآن

بناں محبت آپ دی نہ ہندا مسلمان

حب نبیؐ دا سبق پکا، حب نبیؐ دا سبق پکا — صلی اللہ علیہ وسلم

منقبت حافظ برکت اللہ

نوریا آن پری منجدھار

دکھ کی ندیا سر چڑھ بولے بجلی چمکے برسن اولے

رین اندھیری منوا ڈولے کس بدھ اتروں پار

نوریا آن پری منجدھار

ناؤ پرانی دور کنارا روٹھ گیا ہے کھیون ہارا

اب تو تیرو ہی ہے سہارا ایشور کر دے پار

چھوڑ گئیں سب سکھیاں سیاں ۔ تھلیاں والے شام گوسیاں

تم بن اب کون پکڑے بتیاں   بیری ہے سنسار ا
نوریا آن پری منجدھار

کرپا کرو من موہن مراری   ڈوب نہ جائے داس تمہاری
تم بن پاپن کے بنواری   کون ہے تارن ھار
نوریا آن پری منجدھار

چشت نگر کے ہو مہاراجہ   تیرے ہاتھ ہے موری لاجا
تھلیاں والے غریب نواجا   تیرو بڑا ہے دربار
نوری آن پری منجدھار

کرپا کرو تورے دوارے آؤں   رو رو اپنا حال سناؤں
بپتا سناؤں در پہ چڑھاؤں   حافظ ہنجواں ھار
نوریا آن پری منجدھار

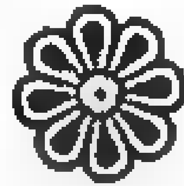


شجرہ طریقت خواجہ محمّد دیوان چشتی صابریؒ

نام بزرگان	سن وصال شریف اور مقام
۱۔ خواجہ خواجگان خواجہ محمد دیوانؒ صابری	۲۲ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ ہردو تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔
۲۔ خواجہ حافظ کرم بخشؒ صابری	ٹانڈہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور
۳۔ حضرت امیر شاہؒ صابری	" " "
۴۔ حضرت جلال الدینؒ چشتی صابری	" " "
۵۔ حضرت یار محمدؒ چشتی صابری	۳ صفر ۱۲۷۱ ہجری " "
۶۔ حضرت محمد افضلؒ چشتی صابری	۲۷ رجب ۱۲۱۴ ہجری سرہند شریف

۷۔ حضرت محمد یوسفؒ سرہندی	" " " " "
۸۔ حضرت ابوالفتح سنوری چشتی صابری	۱۴، رمضان ۱۱۸۶ ہجری سنور شریف
۹۔ حضرت عبدالقادر سنوری چشتی صابری	۶، شعبان ۱۰۹۸ ہجری گنگوہ شریف
۱۰۔ حضرت شیخ داؤد فتح گنگوہی چشتی صابری	یکم ربیع الثانی ۱۰۴۰ ہجری " "
۱۱۔ حضرت شیخ بوسعید گنگوہی چشتی صابری	۱۸، محرم ۱۰۶۰ ہجری " "
۱۲۔ حضرت شیخ محمد صادق گنگوہی صابری	۱۸، رجب ۱۰۰۵ ہجری
۱۳۔ حضرت نظام الدین بلخیؒ	۱۴، ذوالحجہ ۹۸۹ ہجری بلخ بخارا
۱۴۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ	۱۴، ذوالحجہ ۹۸۹ ہجری تھانیسری
۱۵۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی	۱۳، جمادی الثانی ۹۴۷ ہجری گنگوہ
۱۶۔ حضرت شیخ محمد احمد صابری	۲۱، شعبان المعظم ۸۹۸ ہجری ردولی ضلع بارہ بنکی
۱۷۔ حضرت شیخ محمد عارف صابری	۲۷، صفر ۸۸۲ ہجری ردولی ضلع بارہ بنکی
۱۸۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ صابری	۱۵ جمادی الثانی ۸۳۷ ہجری " " "
۱۹۔ حضرت جلال الدینؒ کبیر الاولیاء	۱۷، ربیع الاول ۷۶۵ ہجری پانی پت
۲۰۔ حضرت خواجہ شمس الدینؒ ترک	۱۹، شعبان المعظم ۷۱۶ ہجری " "
۲۱۔ حضرت شیخ علاؤ الدین علی احمد صابرؒ	۱۳، ربیع الاول ۶۹۰ ہجری کلیر شریف
۲۲۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ	۵، محرم ۶۶۸ ہجری پاک پتن شریف
۲۳۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	۱۴، ربیع الثانی ۶۳۵ ہجری دہلی
۲۴۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ	۶، رجب ۶۳۲ ہجری اجمیر شریف
۲۵۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	۱۷، شوال ۶۱۷ ہجری مکہ معظمہ
۲۶۔ حضرت خواجہ محمد شریف زندنیؒ	۳، رجب ۶۲۰ ہجری قنوج (بحوالہ کتاب سیر الاقطاب)
۲۷۔ حضرت خواجہ شیخ مودود چشتیؒ	یکم رجب ۵۲۷ ہجری چشت
۲۸۔ حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسفؒ	۳، رجب ۴۵۹ ہجری " "
۲۹۔ حضرت خواجہ بو محمد حسن	۴، ربیع الاول ۴۱۱ ہجری " "
۳۰۔ حضرت خواجہ شیخ ابو احمدؒ	یکم جمادی الثانی ۳۵۵ ہجری " "

۳۱۔ حضرت خواجہ شیخ ابواسحاقؒ	۱۴، ربیع الثانی ۳۲۹ ہجری مکہ معظمہ
۳۲۔ حضرت خواجہ علاؤالدین ممشاد دینوریؒ	۱۴، محرم ۲۹۹ ہجری بغداد شریف
۳۳۔ حضرت خواجہ ہبیرہ بصریؒ	۷، شوال ۲۸۷ ہجری بصرہ
۳۴۔ حضرت خواجہ ابراہیم ادہمؒ	۱۶، جمادی الاوّل ۲۸۰ ہجری بلخ
۳۵۔ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ	۱۴، شوال ۲۵۲ ہجری مرعش
۳۶۔ حضرت خواجہ فضیلؒ	یکم ربیع الاوّل ۱۸۷ ہجری مکہ معظمہ
۳۷۔ حضرت خواجہ شیخ عبدالواحدؒ	۲۷، صفر ۱۷۷ ہجری بصرہ
۳۸۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ	۱۱۰ ہجری بصرہ
۳۹۔ حضرت مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ	۲۱، رمضان المبارک ۴۰ ہجری نجف اشرف
۴۰۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم	۲، ربیع الاوّل ۱۱ ہجری مدینہ منورہ



حضرت شاہ الٰہی بخشؒ (المعروف بہ پیر الٰہی شاہؒ)

آپ کی ولادت باسعادت موضع مولی مہندی تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوئی موضع مولی مہندی دریائے بیاس کے کنارے بطرف مغرب مکیریاں ایک اونچے ٹھیہہ پر واقع ہے۔ یہاں پر دریائے بیاس کا پتن ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت بروز سوموار ماہ ربیع الثانی بمطابق ۱۸۸۳ بکرمی میاں اللہ دین ولد میاں کمال الدین کے ہاں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کے چار بھائی تھے ان میں سب سے چھوٹے بھائی میاں شمس الدین درویش منش اور تعلیم یافتہ شخصیت تھیں اور علاقے بھر کے گرد و نواح میں اس خاندان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ مائی لاڈو صاحبہ جبکہ آپ کی عمر شریف ۹ سال کی تھی۔ انتقال فرماگئیں۔ اُسی دن سے میاں شمس الدین علیہ الرحمۃ نے آپ کی پرورش کی ذمہ داری اُٹھالی اور دینی و دنیوی تعلیم دینا شروع کردی۔

آپ بچپن ہی سے ذہین اور بلند خیال رکھتے تھے۔ ویسے بھی آپ کا خاندان بزرگان دین اور درویشوں کا عقیدتمند تھا، لہٰذا اس خاندانی اثر سے آپ کے دل میں بھی مرشد پاک کے دامن سے وابستہ ہونے کی ازلی تمنا پیدا ہوگئی۔ علاقے کے گرد و نواح میں ایک درویش سائیں لکھن شاہ سلسلہ نقشبندیہ کے جن کی شہرت کافی تھی کے دست حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہوئے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ سکون قلب کی دولت سے مالا مال نہیں ہوئے حالانکہ آپ نے حسب الحکم مرشد پاک بہت زیادہ زہد اور ریاضت کی مگر کوئی بات بنتی نظر نہ آئی۔ سائیں لکھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر حضرت میاں احمد شاہ مستؒ (جو حضرت عبدالرسول جی علیہ الرحمۃ) بٹالوی کی اولاد سے ایک عارف کامل درویش تھے اور آپ کی آمد و رفت بہ سبب دوستانہ تعلقات کی بنا پر اکثر تشریف لاتے رہتے تھے۔ اُن کی مہمان نوازی کی خدمات میں ہمیشہ پیر الٰہی شاہؒ پیش پیش رہتے۔ میاں احمد شاہ مستؒ نے آپ کی اس فرمانبرداری و سعادتمندی سے متاثر ہوکر فرمایا کہ اگر آپ کو سکونِ قلب اور معرفت الٰہی کے حصول کی تمنا ہو تو آپؒ جالندھر چلے جائیں۔ آپؒ کو کامل درویش مل جائے گا اور دولت معرفت و حقیقت سے نوازے جاؤ گے۔ آپ کی تمناؤں کی کلیاں پھول ہو جائیں گی۔ یہاں تو سوائے زہد و ریاضت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف ۱۶ سال کی تھی اور اس دینی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ جالندھر تشریف لے گئے اور

میاں بگّے شاہ قادریؒ سے دوبارہ بیعت سے مُشرف ہُوئے۔

میاں بگّے شاہ قادری علیہ الرحمۃ پیر قادری علیہ الرحمۃ کے مقبول خلفاء میں سے تھے اور جالندھر کے رئیس خاندان کے چشم و چراغ تھے باوجود دُنیاوی دولت کے آپؒ نے امیری کو فقیری پر ترجیح دینا زیادہ پسند فرمایا حضرت پیر الٰہی شاہ قادریؒ حسب الحکم حضرت بگّے شاہ قادری کے مسجد بھونیاں المعروف بہ مسجد مولوی ولی محمد میں اقامت اختیار فرمائی اور مرشد پاک دُنیا و دین کے حسب الارشاد ذکر و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس دوران میں میاں بگّے شاہ قادری کے پیشوا و رہنما نے پیر الٰہی شاہ قادریؒ کو قابل جوہر سمجھ کر خود ہی اپنی تربیت میں لے لیا۔ تمام شب مسائل سمجھاتے اور ذکرِ پاک میں گزر جاتی چودہ سال تک حضرت پیر قادری نے آپؒ کو تعلیم فرمائی۔ قطبِ دوراں حضرت میاں غلام محی الدین صاحب قادریؒ رئیس اعظم بستی غذاں جو جالندھر شہر سے بطرف مغرب ۲ میل کے فاصلے پر رہتے تھے، اپنے زمانے کے شیخ کامل تھے۔ آپ کے جدی بھائی خان صاحب فضل کریم رئیس جالندھر بھی آپ کے مرید تھے اور ایک مخلوقِ خدا نے آپ سے فیض اکتساب کیا۔ آپؒ زہد و تقویٰ کی وجہ سے پیر قادریؒ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا مزار اقدس حویلی میاں امیر خاں میں مرجع خلائق ہے۔ پیر قادری صاحبؒ حضرت پیر الٰہی قادریؒ کو لفظ "سائیں" کے نام سے مخاطب کرتے تھے اور پیار سے فرماتے تھے کہ الٰہی شاہ کیسا پیارا نام ہے جو کوئی ان کا نام لیتا ہے خدا کو یاد کرتا ہے اور الٰہی الٰہی کرتا ہے۔

جو کوئی ہر نام لے جانت، یا انجان
میرے تن کے چام کے جوڑے اُس پگ آن

حضرت پیر الٰہی شاہؒ کا لباس سادہ اور اجلا ہوتا تھا۔ سر پر کبھی کبھی ٹوپی اور کبھی پگڑی باندھتے تھے۔ لنگی یا پاجامہ اور چوغہ جو بھی وقت پر میسر ہو جائے استعمال کر لیتے تھے، ہمیشہ ایک جوگیا رنگ کا کپڑا بطور رومال ساتھ رہتا تھا۔ ریش مبارک کو وسمہ لگاتے تھے۔ آپؒ کی صورت وجیہہ اور موزوں قد رکھتے تھے۔ آپ آخر شب بیدار ہو کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے صُبح کی نماز مسجد میں با جماعت ادا کرتے تھے اور باقی نمازیں اکثر اپنے ڈیرے پر ہی پڑھ لیا کرتے تھے۔

آپ کے ہم عصر بزرگوں میں مولوی غلام رسُول اور سائیں بوٹے شاہ جن کے معتقد راجہ ہیرا سنگھ نابھ والے تھے۔ اُن کے علاوہ بابا چتر داس ماجھ والے اور اُن کے گرو امرتسر میں اقامت رکھتے تھے اور مونی جی جالندھر کو ڈھل ابدھوت علاول پور دھوگڑی میں رہتے تھے۔ آپ کا حافظہ بڑا قوی تھا ذہن رسا فراست کمال درجے کی تھی تمام عمر مجرد رہے۔ اس لیے صلبی اولاد نہیں تھی مگر معنوی اور رُوحانی اولاد گرد و نواح سارے علاقے میں موجود تھی۔ اگر کوئی آپ کے در پر یعنی صُحبت میں چند روز بھی گزارے تو انسان بن جاتا نشست و برخاست میں تمیز حاصل کر لیتا۔ ایک دن جواہر شاہ کو فرمایا کہ جس میں کلام کی سمائی نہیں اس میں عرفان کی سمائی نہیں ہوتی اور ہو بھی نہیں سکتی۔

آپ ادب کا خاص خیال رکھتے تھے اور فرماتے کہ اللہ پاک کو ادب بہت پسند ہے۔ فرماتے جس میں ظاہر کا ادب نہیں ہے اس کو باطن کا ادب کیسے حاصل ہو سکتا ہے اور اکثر اللہ پاک سے دُعا کرتے کہ خدا بے ادبی سے بچائے۔ آپ کی ذہانت اور قیافہ شناسی مُدلّل تقریر ایسی ہوتی تھی کہ مخاطب خواہ کیسا ہی بحث و مباحثہ کرنے شکستِ فاش کھا کر شرمندہ ہو جاتا تھا۔

ایک دفعہ عالموں کو شعر کے بُرا کہنے پر فرمایا کہ آٹا اچھا ہونا چاہیے پھر روٹی خواہ تنور میں لگاؤ خواہ چولہے کے توے پر پکاؤ یعنی نفسِ مضمون اچھا ہونا چاہیے عبارت نظم ہو یا نثر، بیان کرنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ اس پر جھگڑا کرنا نادانی ہے۔

ایک دفعہ عالم صاحب نے کہا کہ آپ جو 'ہمہ اوست' کہتے ہو تو گویا میاں اور بیوی کو برابر کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب! جب آپ عالم نسار کہتے ہو تو کیا آپ ماں کو الگ کر لیتے ہو شامل نہیں سمجھتے۔ عالم صاحب یہ تو سمجھ کا پھیر ہے۔

ایک دفعہ میاں علی داد خاں اور شیر داد خاں قوالان لبستی شیخ درویش نے ایامِ عاشورہ میں امامین کا ختم شریف دلایا۔ آپ کو ضیافت میں مدعو کیا گیا۔ اتفاقاً تمام دن بارش کا سلسلہ جاری رہا تو آپؒ بارش ہی میں بھیگے کپڑوں کے ساتھ مذکورہ بالا قوالاں کے گھر پہنچے تو شیر داد نے آپ کو دیکھتے ہی عرض کیا کہ حضرت اس بارش میں آپ کو کافی زحمت اُٹھانی پڑی۔ فرمایا کیا امامین سے بھی زیادہ جنہوں نے اتنے مصائب و تکالیف اُٹھائیں یہاں تک کہ حق و باطل کی جنگ میں جانوں تک قربان کر دیں اور تمام کنبے کا کنبہ شہید ہو گیا۔ کیا ہم اُن کے فاتحہ شریف پر بھی حاضری نہیں دے سکتے۔ آپ کے اس قول نے سب حاضرین محفل کو متاثر کیا۔ بشیر کو ایک شخص اور میاں غلام قادر شاہ اثر جالندھری نے عرض کیا کہ حضرت صاحب! میاں شیر داد خاں قوال کا میلان طبع زیادہ تر اہلِ تشیع کی طرف ہے اور اکثر بزرگانِ دین کی بے ادبی کرتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میاں شیر داد! مندرجہ ذیل شعر کے کیا معنی ہیں ؎

تا صورت پیوند جہاں بود علیؓ بود
تا نقش زمان بود زمین بود علیؓ بود

ایک دفعہ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ حضرت جی! آپ پابوسی کیوں کراتے ہو۔ آپؒ نے فرمایا: کہ پابوسی ہم خود نہیں کراتے، البتہ جو محبت و عقیدت سے کرے اس کا اپنا فعل ہے۔ ہم منع نہیں کرتے کیونکہ دست بوسی اور پابوسی بزرگانِ طریقت کی سُنّت ہے اور امام بخاری کی کتاب ادب المفرد سے یہ حوالہ فرمایا:

"قال صہیب رأیت علیا یقبل ید العباس و رجلیہ"

(ترجمہ: صہیب نے کہا کہ مَیں نے علیؓ کو حضرت عباسؓ کے ہاتھ پاؤں چومتے دیکھا ہے) اس حدیث سے دست بوسی

اور پابوسی مولا علی مرتضٰی مشکل کشا کا فعل ثابت ہے۔

ایک دفعہ مولوی ولی محمد صاحب شمس الہند (جالندھر) نے کہا کہ شاہ صاحب! کیا باعث ہے کہ ہم مولویوں اور علماءؒ کے شاگرد جب علم میں زیادہ ترقی کرتے ہیں تو اکثر مسائل میں اپنے اُستادوں سے اختلاف کرتے ہیں اور مقابلہ پر اُتر آتے ہیں اور آپ کے مریدین جیسے جیسے سلوک کی منازل طے کرتے ہیں تو فقیر منش ہوتے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب! آپ اپنے شاگردوں میں شیخی اور تکبر بھرتے ہیں اور دوسرے علماء کی اُن کے سامنے نفی کرتے ہیں اور اُن کو ایسے طریقے سے تعلیم دیتے ہیں جس سے وہ اپنے آپ کو بڑا عالم اور لائق سمجھتا ہے۔ اس میں انانیت پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے ہاں تو آغاز تعلیم کا آموختہ اپنی ہستی کو نفی کرنا یاد کرایا جاتا ہے۔ نفس کو زیر کرو، خودی کو چھوڑ دو، جیسے جیسے میدان ارتقاء میں قدم بڑھاتا جائے گا۔ ویسے ویسے اس کے مزاج میں ملائمیت اور عاجزی و انکساری پیدا ہوتی جائے گی۔

وصال شریف! آپ کا وصال اکہتر سال کی عمر میں ہُوا۔ آپ تین دن بعارضہ ہیضہ بیمار رہ کر ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ بمطابق ۔ ستمبر ۱۸۷۹ء اور ۲۲ بھادوں ۱۹۵۴ بکرمی بروز اتوار بوقت سہ پہر ہُوا (انا للہ وانا علیہ راجعون) بروز سوموار بوقت صبح ڈیرہ شریف سے جنازہ اُٹھایا گیا اور امام ناصرالدین علیہ الرحمۃ کے دربار اقدس کے بالمقابل سید موید علی شاہ (دہلی والے پیروں کے خاندان) کے ایک بزرگ نے نماز جنازہ پڑھایا پھر جنازہ اُٹھا کر مکان شریف متصل مقصود پور لایا گیا۔ جنازہ تیسری بار پڑھانے کے بعد دفن کیا گیا اور بوقتِ ظہر آپ کے جسد اطہر کو سپردِ لحد کیا گیا۔ چالیسویں روز میاں غلام احمد خاں صاحب نے جو پیر قادری کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ تھے کے زیر نظر فیض اثر چالیسویں کا قُل ہُوا اور سجادگی مقرر کی گئی۔

مکان شریف جالندھر سے چار میل بطرف امرتسر، لاہور شاہراہ پر واقع ہے۔ عُرس پاک ۲۲ بھادوں کو مکان شریف اور ڈیرہ شریف میں منعقد پذیر ہوتے تھے۔

حکیم غلام قادر شاہ صاحب اثر جالندھری سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے ایک بزرگ اور آپ کے ہمعصر تھے انہوں نے حضرت پیر الٰہی شاہ قادریؒ کے لیے قطعہ تاریخ وفات تحریر کیا تھا جو مندرجہ ذیل ہے۔

چوں حق آگاہ میاں الٰہی شاہؒ — قدوہ سالکاں اہل وجود
بنمودہ عبور از ۔ پل موت — از وصال حبیب شد خوشنود
عیسوی سال رحلتش ہاتف — گفت شیخ شیوخ آواں بود (۱۸۹۷ء)

❊

فرمودات

بے ادبی سے بچو جب بھی دُعا مانگتے تو زبان گوہر فشاں سے فرماتے کہ اللہ پاک بے ادبی سے بچائے کسی بزرگ کا ادب اور احترام جیسے اس کی زندگی میں کرتے تھے وصال کے بعد اس کے مزار کے ساتھ بھی ویسے ہی ادب سے حاضری دیا کرتے تھے۔

دولت مندوں اور امیروں کی صُحبت درویشوں کے لیے زہر قاتل ہے۔

گھروں میں جاکر بیٹھنے سے یعنی عورتوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرو، مردوں میں بیٹھنا چاہیے۔

بھنگی، افیونی، چرسی، شرابی اور نشے بازوں کے پاس قطعاً نہ بیٹھو۔

نام کے حاجی اور نمازی جو اپنے ماتھے پر محراب بنا رکھتے ہیں۔ اُن کی صُحبت سے بھی الگ رہو۔ یہ بھی متکبر ہوتے ہیں اُن کو اپنی عبادت پر غرور ہوتا ہے اور خدا کو عاجزی و انکساری پسند ہے۔

جہاں بھی رہو خوب سُتھرے مکان میں رہائش رکھو۔

لباس کو میلا نہ رکھو، اُجلا رکھو، خدا کو صفائی مرغوب ہے۔

جسم کو غلاظت سے بچاؤ اور ہر وقت اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھو۔ دانت اور آنکھ کی صفائی کا خیال رکھو۔

دل کو غیر سے صاف رکھو۔

شکل و صُورت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

تول برابر کنگنی مول برابر نانہہ   بھیکھ برابر ہوت ہے بھیت برابر نانہہ

تشریح: سونے کو رتی سے تولتے ہیں تو تول میں رتی سونے کے برابر ہو جاتی ہے، مگر مول میں برابر نہیں ہوتی اس طرح ظاہری لباس تو سادھ نیکوکار اور بدکار کا ایک ہو سکتا ہے مگر اخلاقی بھید برابر نہیں ہوتا۔

ایک راول جوگی کو مرید کرتے وقت فرمایا یا تو شوق الٰہی کو دل میں جگہ دو یا بٹیروں کا شوق پُورا کر کے دل بہلایا کرو۔ وہ جوگی اکثر بٹیرے رکھتا تھا۔

حضرت قبلہ محمدؐ خاں شاہ چشتی نظامیؒ

حضرت قبلہ وکعبہ میاں محمدؐ خاں شاہ چشتی نظامیؒ کی ولادت باسعادت بمقام کانٹھیاں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں ایک مشہور قبیلہ افغان میں ہوئی اور سن ولادت ۱۲۶۰ھ بمطابق ۱۸۹۹ بکرماجیت ہے۔ بچپن ہی سے آپ کا دل اور دھیان مائل بہ یادِ الٰہی تھا۔ آپ کے والد ماجد برطانوی فوج میں سردار کے عہدے پر فائز تھے اور آپ کے برادر بزرگوار دہلی میں بعہدہ تھانیدار تعین تھے۔ چنانچہ مذاق کے مطابق آپ کو بھی عہد شباب میں سواران پولیس کے محکمے میں بھرتی کروا دیا گیا۔

طبع مبارک ابتدا ہی سے صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی اور طبیعت فقر دوست اور سعادت آثار واقع ہوئی تھی۔ دہلی میں دوران ملازمت اکثر جامع مسجد میں ادائے نماز کے لیے جایا کرتے تھے۔ اسی جامع مسجد کے جنوب مشرقی گوشہ کے ایک حجرہ میں حضرت قبلہ شاہ محبُ اللہ صاحب معتکف تھے۔ دہلی اور گرد و نواح میں حضرت قبلہ شاہ محب اللہ صاحب کی شخصیت پاک بہت مشہور و معروف تھی۔ آپؒ ان کی خدمت بابرکت میں اکثر نہایت ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے حاضری دیتے تھے۔ چنانچہ اس صحبت صالح کی ہم نشینی کا اثر روحانی کشش کی صورت میں پیدا ہوا اور قلبی و روحی کیفیات سے متاثر ہو کر حضرت قبلہ شاہ صاحبؒ نے اپنے آپ کو بیعت سے سرفراز ہونے کے لیے پیش کیا جو بارگاہ خواجگان میں قبول ہوئی۔ اس طرح سے آپ نے خواجہ محبُ اللہ شاہ چشتی نظامیؒ کے چشمۂ فیض میں جو خود رحمانی کا مظہر تھا۔ حضرت قبلہ کی قلبی استعداد و قابلیت کو اس بے بہا ودیعت کے قبول کرنے کے لیے جو پیران عظام سے سلسلہ بہ سلسلہ حضرت تک موصول ہوئی تھیں محل موزوں سمجھ کر دفعتہً دریائے فیضان بے کراں کا دریا بہا دیا۔

جب قبولیت نامہ اور استعداد کاملہ کا ملکہ پیدا ہوا تو ایک دن حجرے میں بلا کر خلوت میں کچھ پڑھ کر دم کیا اور فرمایا کہ بوٹی لگا دی ہے۔ اب یہ خود بخود نشوونما پا کر بار آور ہو گی اور اس فیض نظر کا یہ اثر ہو گا کہ اگر پہاڑ پر بھی نظر ڈالو گے تو فوراً مسخر ہو جائے گا۔ بعد ازیں حضرت قبلہ وکعبہ اپنے پیر و مرشد اور قطب دوراں کے وصال شریف تک دہلی ہی میں قیام

رکھتے رہے اور اسی طرح اپنی اکتسابی ترقی کے لیے حسب الحکم پیرومرشد کی صحبت بابرکت سے مستفیض ہوتے رہے ۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ قبلہ محمد شاہ چشتی نظامی علیہ الرحمۃ نے دوران ملازمت اور خواجہ محب اللہ چشتی نظامیؒ کے وصال سے پیشتر ایک انگریز نے بمعہ جوتے اس مقدس جگہ پر (جہاں پر آپ کی بصیغہ ملازمت تقرری تھی) وہاں داخل ہونے کا ارادہ کیا آپ نے اس بے باکانہ حرکات پر مزاحمت کی اور اُسے مقدس مقام پر داخل نہ ہونے دیا انگریز کشیدہ و کبیدہ خاطر ہو کر واپس چلا گیا ۔ آپؒ نے اسی دن سے ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی ۔

ملازمت سے سبکدوشی کے بعد آپؒ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور سخت مجاہدوں کا آغاز کر دیا ان مجاہدوں کی ادائیگی کے لیے ڈیرہ دُون کی پہاڑی سلسلہ کا انتخاب کیا وہاں ان پہاڑوں میں لق و دق جنگلوں میں ایک قدیم مسجد بصورت کھنڈر کھڑی تھی ۔ بس اسی کو آپ نے گوشہ نشینی کے لیے منتخب کر لیا ۔ وہاں ابھی قیام کیے ہوئے ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی عالم رویا میں زیارت سے مشرف ہوئے ۔ قطب صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کا بازو پکڑ کر فرمایا کہ چلو ہمارے ہاں چل کر رہو ۔ ذات خداوندی کی عنایات آپ کو اپنے ارادوں میں کامیابی سے ہمکنار کرے گی ۔

اس انکشاف پر آپ نے دہلی کی طرف مراجعت فرمائی جب سہارنپور پہنچے تو ایک مسجد میں فروکش ہوئے وہاں پر حُسنِ اتفاق سے ایک مجذوب صاحب تشریف لائے ۔ انہوں نے کھانے اور بستر کے متعلق آپ سے استفسار کیا بصورت نفی جواب ملنے پر کسی مزید سلسلہ گفتگو کے بدون فرمایا کہ براہِ راست حضرت خواجہ قطب صاحب علیہ الرحمۃ کے در آستانہ پر تشریف لے جائیں ۔ یہ جواب سُننے پر حضرت قبلہ نے فرمایا کہ آپ کو کس طرح اس رازِ نہاں کی اطلاع ملی ہے ۔ اس پر مجذوب صاحب نے فرمایا کہ جب آسماں والوں کو بھی اس رازِ نہاں کی خبر ہے اور زمین کے (تحت اسریٰ) کو بھی اس رازِ نہاں کی خبر مل گئی ہیں تو میں زمین پر رہ کر کس طرح بے خبر رہ سکتا ہوں ۔ لہٰذا آپ نے یہ سُن کر فوراً وہاں سے آغازِ سفر کیا جب دہلی پہنچے تو ایک بزرگ نے اسی عُنوان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت قبلہ مولانا فخرالدین چشتی نظامیؒ کے سلسلۂ عالیہ میں تاقیامت باکمال لوگ پیدا ہوتے رہیں گے ۔

حضرت خواجہ قطب دوراں کے آستانہ اقدس پر حاضری کے کچھ دنوں بعد آپؒ نے اجمیر شریف کی درگاہ عالیہ پر حاضری دی اور وہیں یہ ارادہ مُصمم کر لیا کہ جب سلوک کی منازل کی تکمیل نہیں ہوگی ۔ آستانہ پاک سے نہیں اُٹھوں گا ، چنانچہ ایک مُدت تک سخت مجاہدے کیے تجرد و روحانیت کا ایسا غلبہ ہو گیا تھا کہ فنا فی الشیخ ہو گئے بالآخر رحمتِ ایزدی کا سمندر جوش میں آ گیا اور مرتبہ فنا فی اللہ تک پہنچ گئے ۔

اس کے بعد آستانۂ اقدس سے اشارۂ غیبی ہُوا کہ وطن واپس جاؤ ۔ وہاں والدین کی خدمت میں رہو ، لہٰذا آپ نے

واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا اور بُسی نو' نواح ہوشیار پور میں پہنچ گئے اور مخلوقِ خدا کی رہنمائی دل وجان سے کرنے لگ گئے۔ آپؒ کی اس فیضِ نظر نے ایک مخلوق کو بھٹکتے ہُوئے راستہ سے نکال کر راہ ہدایت کی صُورت دکھائی۔

آپ کو اپنے مرشد پاک سے ایک تسبیح اور ایک عصا عطا ہُوا تھا اور یہ سب کچھ آپؒ کے لیے بصُورت خلافت تھا۔ پھر ایک وقتِ سعید بعض بزرگانِ طریقت اہلِ سلاسل نے حضرت قبلہ میاں محمد شاہ چشتی نظامی علیہ الرحمۃ میں کمالاتِ حسن وخوبی دیکھے اور ظاہر و باطن کو جانچ کر متفقہ طور پر آپ کو منصبِ جانشینی پر منتخب کر لیا۔ یہ تقریب جانشینی و خلافت حضرت سلطان جی کے آستانہ پاک پر منعقد پذیر ہُوئی تھی۔ دستار بندی ہو گئی۔ اس طریقہ سے آپ کو بزرگوں سے خلافت عطا ہوئی۔

ایک دفعہ حضرت قبلہ دھار (راجستھان) بغرض زیارت پیرانِ دھار تشریف لے گئے۔ وہاں سرزمین دھار میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ کے سلسلے کے اکثر خلفاء مدفون ہیں۔ گویا یہ زمین فردوس بریں کا نمونہ ہے۔ ان بزرگوں کے مزارات مقدسہ میں حضرت عبداللہ شاہ چنگال علیہ الرحمۃ کا بھی مزار اقدس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کے آستانۂ اقدس پر ایک کتبہ لگا ہُوا ہے جس پر تحریر ہے کہ صاحب مزار علیہ الرحمۃ منجملہ صحابہ کبار حضرت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور راجہ بھوج[1] کے عہد حکومت میں یہاں تشریف لائے تھے۔ یہاں آکر راجہ مذکور کو مشرف بہ اسلام کیا اور وہ مسلمان ہو گیا تھا؛ چنانچہ راجہ بھوج کی قبر حضرت کے روضہ مبارک کے بالمقابل ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے چالیس صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ اجمعین تشریف لائے۔

جن کو یہاں پر شہید کر دیا گیا تھا اور سب کو ایک کنویں میں ڈال کر اُوپر سے کنویں کا مُنہ بند کر دیا گیا تھا۔ حضرت علامہ کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ جو بابا فرید گنج شکرؒ کے پوتے ہیں۔ اُن کا مزار اقدس بھی اس جگہ پر مرجع خلائق ہے۔ جامع مسجد اندور[2] میں حضرت قبلہ نے تقریباً اڑھائی برس تک اعتکاف کیا۔

---

[1] راجہ بھوج ۱۰۶۰ء - ۱۰۱۰ء پرم آرہ خاندان میں ایک طاقتور راجہ تھا وہ فنون لطیفہ کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اس نے علم نجوم پر اکثر قیمتی کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ فن تعمیر پر بھی کئی ایک کتابیں لکھیں۔ خود شاعر تھا۔ اس نے ایک بہت وسیع جھیل جس کا رقبہ ۲۵۰ میل تھا۔ بھوپال کے بطرف جنوب مشرق تعمیر کی۔ دور وسطیٰ میں یہ انجینئرنگ کا ایک بہت بڑا نمونہ تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں راجہ ہوشنگ شاہ آف مانڈو نے اس جھیل کے کناروں کو توڑ کر پانی کو نکال دیا۔ اب جھیل کی جگہ زراعت ہوتی ہے۔

[2] اندور براستہ شاہراہ اُجین سے ۳۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ ایک مشہور معروف اُجین کھانڈوا ریلوے اسٹیشن ہے۔ اندور سے ایک سڑک مغرب کی طرف دربار کو جاتی ہے۔ اس کی بُنیاد رانی اہلوا الیہ بائی نے رکھی جو کہ سرسوتی اور کبان دریاؤں کے کنارے پر واقع ہے۔ شہر کے اندر متعدد عمارتیں لال باغ پیلیس مانگ باغ پیلیس اور کانچ محل واقع ہیں۔ (مدھیہ پردیش۔ ٹورزم ڈیپارٹمنٹ بھارت)

اس زمانہ میں یہ مسجد بالکل بے رونق تھی۔ بہت کم لوگ اس میں نماز کے لیے آتے تھے۔ آپ کے تشریف لانے کی برکت سے جلد ہی اس میں رونق عود کر آگئی اور اللہ رسُولؐ کے اذکار ہر وقت جاری رہنے لگا۔ ایک دفعہ اندور میں قیام کے دوران مہاراجہ اندور نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جس مسجد میں آپ کا قیام تھا وہاں ایک بزرگ ترین ہستی پاک کا مزار اقدس تھا۔ اکثر مرہٹے صاحب مزار سے عقیدت رکھتے تھے۔ ان میں یہ دستور تھا جب کوئی دلی مراد اُن کی حسبِ تمنا بر آئے تو اُن کے مزار اقدس پر آتے اور اس وقت تک قیام رکھتے تھے۔ جب تک کہ ان کو صاحب مزار کی طرف سے بشارت یا اشارہ خواب میں نہ ہو وہ واپس گھر نہیں جاتے تھے۔ اتفاق سے جب آپ وہاں پر تشریف لے گئے دو شخص وہاں قیام رکھتے تھے اور کسی حکم یا اشارہ کے منتظر تھے اور زیادہ انتظار مُدت گزر جانے کے باعث پریشان ہو رہے تھے تو وہ حضرت قبلہ میاں محمد شاہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہُوئے اور دست بستہ عرض کی کہ ہم لوگ مہاراجہ اندور کے خاص ملازم ہیں۔ ہماری مُدتِ قیام ختم ہو چُکی ہے لیکن صاحبِ مزار کی طرف سے اجازت نہیں ملتی۔ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اجازت ہو جائے گی۔ چنانچہ دوسرے دن ان کو اجازت مل گئی جب یہ لوگ مہاراجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوئے تو زیادہ مُدت غیر حاضری کی باز پُرس کی۔ انھوں نے آپ کے متعلق بھی سب کچھ بتلا دیا۔ مہاراجہ صاحب ان دنوں سخت بیمار تھے تو مہاراجہ صاحب نے دفعیہ مرض کے لیے دُعا کی التجا کی اور ساتھ ہی ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا کہ یا تو غریب خانے پر تشریف لائیں یا مجھے حاضری کا موقع بخشیں۔ یہ پیغام مہاراجہ صاحب کا دو شخص لے کر گئے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم زمرۂ فقراء و مساکین سے ہیں۔ ہمیں راجوں مہاراجوں سے کیا کام ہے لہٰذا وہ اشخاص یہ جواب لے کر راجہ صاحب کے پاس گئے۔ راجہ یہ جواب سُن کر خود ہی حاضر ہُونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس پر آپ کو خبر ہوگئی۔ آپ نے خود ہی اپنی بے جا شہرت و غوغا کا موجب سمجھ کر تشریف لے گئے۔ راجہ صاحب نے عرض کیا کہ مجھے فلاں مرض ہے اور میں کافی پریشان ہوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی دُعا اللہ پاک کی بارگاہ اقدس میں مشیت کے خلاف کوئی اثر نہیں رکھتی۔ بزرگانِ دین کی حرکات و سکنات ارادہ ایزدی کے تابع ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسان اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کر کے پھر ان کے زہرناک مضار کو دُور کرنے کے لیے کسی نیک وسیلہ کے تریاق کو جو رحمت الٰہی کا مظہر ہے۔ درمیان میں لائے تاکہ اللہ پاک اس کی دُعائے عاجزی قبول فرمائے اور تمہاری تکلیف کی وجہ یہ ہے کہ تم نے اپنی رعایا پر ایزادی محصول اور تشدد کو روا رکھا ہے پس غریب مظلوموں کی آہ و گریہ کے اثر سے جناب باری کی طرف سے یہ مصیبت نازل ہُوئی ہے یہ مقام شکر ہے کہ تمہارا کیفر کردار ایک مرض کی صُورت میں نمودار ہُوا ورنہ اگر اقبال جو اصل ضرر رساں ہے چھین لیا جاتا تو کون روک سکتا تھا۔ لیکن یہ اس کی جود و سخا و عنایت کا تقاضہ ہے کہ وہ ہماری بہت سی کرتوتوں اور برائیوں پر عفو کر جاتا ہے اے مہاراجہ! اگر آپ اس سے عبرت حاصل کر کے تائب ہو جائیں اور مخلوق خدا کے ساتھ انصاف اور شفقت و رحمت

کا رویہ اختیار کریں تو انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد یہ مصیبت راحت میں تبدیل ہو جائے گی۔

ایک دفعہ آپ جامع مسجد دہلی میں ٹہل رہے تھے کہ مجذوبانہ صورت بزرگ حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے اور کچھ تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد حضرت قبلہؒ نے ان سے فرمایا کہ چائے پیو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ میری چائے لاہور پیالہ میں بھر کر رکھی ہوئی ہے۔ بس یہ کہہ کر تشریف لے گئے۔ ایک درویش نورالدین سے آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ بزرگ کس طرف گئے ہیں ــــ وہ مسجد کی سیڑھیوں کے باہر کی طرف دیر تک دیکھتا رہا مگر وہ سیڑھیوں سے باہر نہیں نکلا اور نہ ہی وہ سیڑھیوں میں موجود تھا۔ اتنے میں حضرت قبلہ نے درویش نورالدین کو مسجد کے اندر لا کر فرمایا کچھ پتہ چلا کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ وہ سیڑھیوں سے باہر نکلتا نظر نہیں آیا۔ فرمایا بھلے آدمی وہ تو لاہور بھی پہنچ چکے ہیں۔

وصال شریف!

وصال شریف سے چار پانچ ماہ پیشتر ہی اگرچہ تنہائی وسکون زیادہ پسند خاطر رہا۔ یوم الوصال سے پہلے آپ مرض اسہال میں مبتلا ہو گئے جو یوم الوصال سے ایک دن پہلے بند ہو گئے تھے۔ اسہال کے بند ہو جانے پر آپ نے کوئی بھی دوائی سوائے جواہر مہرہ اور عنبر وغیرہ کے استعمال نہیں فرمائی۔ بروز جمعہ لوگوں کو فرمایا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔ سوائے میاں علی محمد خاں صاحبؒ کے جو حضرت قبلہ کے پاس رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمیں دوائی دو میاں صاحب نے حسب الحکم جواہر مہرہ حل کر کے دہن مبارک میں ڈالا تو معاً آنکھیں بند کر لیں۔ میاںؒ صاحب نے ذرا جھک کر دیکھا تو آپ نے آنکھیں کھول دیں تو آپؒ کا طائر روح اقدس پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی عمر شریف بہتر برس کی تھی۔ ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۳۲ ہجری بروز جمعۃ المبارک واصل حق ہوئے۔ مزار اقدس بسی نو ہوشیار پور میں مرجع خاص وعام بلا لحاظ مذہب وملت ہے۔ مزار مبارک کے سامنے وہ حجرہ جہاں آپ کا قیام رہا اور نماز معکوس ادا کرتے رہے۔ ابھی تک موجود ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر مولانا شیخ غلام قادر گرامی صاحب کو حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے دلی عقیدت تھی جس کا اظہار انہوں نے مندرجہ ذیل رباعی میں کیا ہے۔

بالغ نظرم، باخبرم، آگاہم
از حلقہ بگوشاں محمد شاہم
من دست بدامنِ محمد زدہ ام
دادند باوجِ عرش عفی راہم

اقوال زریں!

❁ دنیا دار کو دنیا کے کام ترک کرنا ضروری نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ان میں دل نہ لگائے۔

❁ گنہگار کے لیے بزرگوں کی صحبت ایسی ہے جیسے دُھوپ میں سفر کرنے والے کے لیے سایہ دار درخت جس طرح دُھوپ کی کلفت کو دُور کرتا ہے۔ اس طرح بزرگوں کی صحبت گناہوں کے اثر کو دُور کرتی ہے۔

❁ دل کو تمام نقوش سے صاف و مجلی کرنا چاہیے جب جلاد تمام ہوگا تو تمام تجلیات اس میں خود بخود معکوس ہوگی۔

❁ ذاکر کا ذکر دل میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ اگر غفلت ہو جائے تو ضائع نہیں ہوتا۔

❁ آدمی میں دو رگوں کے ذریعے شیطان اثر کرتا ہے۔ ایک رگ گردن، دوسری کمر میں ان رگوں کو اگر توڑ دیا جائے تو شیطانی بلا سے امن ہو جاتا ہے۔ کمر کی رگ اس طرح ٹوٹتی ہے کہ یہ چھوٹے بڑے کی خدمت کے لیے کمر کو خم کرے اس طرح گردن کی رگ گردن کو خدائے واحد کے سامنے جھکانے سے ٹوٹتی ہے۔ (حوالہ "یادِ پیر" از محمد عمر خاں ہوشیار پور)



میاں علی محمّد خاں چشتی نظامیؒ

میاں علی محمد خاں چشتی نظامی کی ولادت باسعادت ۱۲۹۹ھ بمطابق ۸۲ - ۱۸۸۱ء میں بمقام بسی نو عمر خاں ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد عمر خاںؒ تھا۔ یہ گاؤں آپ کے والد ماجد ہی کے نام پر منسوب تھا جس کی بنیاد انہوں نے خود ہی رکھی تھی۔ آپ افغان خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور صاحب علم و فضل صوفی منش تھے۔ انہوں نے دو کتابیں بعنوان 'تہذیب دھرم' اور 'یادِ پیر' کے نام سے تحریر فرمائیں۔

"یادِ پیر" میاں محمد شاہ چشتی نظامی علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارک پر مبنی تحریر کی تھی اور 'تہذیب دھرم' مذہبی علوم پر مشتمل تھی۔ میاں علی محمد خاں کی تعلیم و تربیت زیرِ نظر فیض اثر حضرت قبلہ میاں محمد شاہ آپ کے نانا کے ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ کو فاضل اساتذہ کی زیرِ نگرانی میں زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا گیا۔ علم طب و فنون سپہ گری میں کمال حاصل کیا۔ جب آپ دینوی تعلیمات سے فراغت حاصل کر چکے تو آپ کے نانا قبلہ میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے دست حق پرست پر شرف بہ بیعت فرمایا اور علم روحانیت کی تعلیم کا آغاز کیا اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرائے۔ ان سخت مجاہدات کا اثر ایسا ہوا کہ آپ نے جلد ہی سلوک کی منازل طے کر لیں۔ آپ کا شمار کامل درویشوں کے زمرے میں ہونے لگا۔ مخلوقِ خدا کو راہِ مستقیم کی تعلیم و تربیت فرمانے لگے۔

آپ کی صورتِ وجیہہ اور پُرکشش تھی جو ایک دفعہ آپ سے نیاز حاصل کر لیتا دل و جان سے گرویدہ ہو جاتا۔ اپنے

نانا قبلہ یعنی پیر و مرشد کے وصال شریف کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے جب آپ نے فرائض خلافت و جانشینی کے اختیار فرمائے تو نظام حیدر آباد دکن کے درباری شاعر جناب مولانا غلام قادر گرامی صاحب نے قطعہ ذیل کہا۔

محرم نکتۂ خفی و جلی

جانشیں محمد است علی

آفتاب آفتاب زاست دلیل

درخورِ مسندِ ولی است ولی

خدا کی مخلوق کی رہنمائی اس طریقے سے فرمائی کہ لوگ باگ اپنے آباؤ اجداد کہنہ اصول بدیوں کو چھوڑ کر نیکی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ شریعت کی پابندی اور اصول زندگی کے طور طریقے اپنانے لگے۔ ہر بُرے رسم و رواج سے توبہ کر لی اور ایک سچے جان نثار کی طرح شریعت محمدیؐ کے پیروکار بن گئے عشق و محبت کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ بلا تمیز مذہب و ملت ہر انسان آپ سے والہانہ عشق و محبت رکھتا تھا۔

آداب تسلیمات بجالانا آپ کے سامنے اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ نمود و نمائش سے پرہیز کیا۔ سادہ لباس زیب تن فرماتے اور بہت تھوڑی مقدار میں سادہ خوراک استعمال فرماتے تھے۔

آپ نے پاکستان کی تحریک آزادی میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۶ء میں جب مُسلم لیگ کے انتخاب ہوئے تو اس انتخاب کو مسلم لیگ کے حق میں کامیاب کرانے کے لیے انتھک کوششیں فرمائیں اور اپنے عزیز و اقارب کے علاوہ دوست احباب اور مریدین کو ہدایت فرمائی کہ مُسلم لیگ جماعت کو ووٹ دے کر کامیاب کرائیں تاکہ قوم مُسلم بھی غلامی کے جُوئے سے خلاصی حاصل کرے اور آزادی جو کہ ایک پیدائشی حق ہے۔ قوموں کے لیے آزادی کا سانس لینا نصیب ہو۔ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر مخلوق خدا کی خدمات کو اپنا شعار بنائیں۔

تقسیم ہند کے وقت آپ نے لاہور میں ہجرت کے بعد قیام فرمایا۔ یہاں چند ہفتے قیام کے بعد مستقل سکونت کے لیے پاکپتن شریف تشریف لے گئے۔

آپ نے پاکپتن شریف میں رہ کر مخلوق خدا کی رہبری و رہنمائی فرمائی اپنے مریدین کو درس و تدریس کے ذریعے دینی اور دنیوی تعلیمات سے ان کی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا۔ اکثر حضرت اکبر محی الدین ابن عربی کی تالیف کا درس دیتے اس کے علاوہ فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کا درس بھی دیتے تھے تاکہ سلسلہ سے منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و شریعت کے مسائل کا بھی کما حقہٗ معلومات حاصل ہوں۔ چشتیہ سلسلے میں تعلیم مریدین کے لیے ایک اہم جزو سمجھا جاتا ہے۔ تاکہ سلسلے کی صحیح طور طریقے پر تبلیغ اور نشوونما ہو سکے اور اس میں کسی قسم کا بگاڑ پیدا نہ ہو سکے۔ بقول: ان پڑھ مرید کی تعلیم ٹامک

ٹوپیاں ہوتی ہے ۔ جاہل فقیر و درویش سے دُور دُور بھاگو ۔ اس نظریے کے پیشِ نظر تعلیم کو ایک اہم مقام حاصل ہے ۔ صحبت نشینی سے ادب و آداب اور اُٹھنے بیٹھنے کا طریقہ تو آجاتا ہے ۔ مگر تعلیم سے جو مقاصد حاصل ہوتے ہیں ۔ اس سے مخلوقِ خدا کی رہنمائی اور رہبری مقصود ہوتا ہے ۔

میاں علی محمد خاں صاحب، صاحبِ تصنیف تھے ۔ آپؒ نے مندرجہ ذیل کتب تحریر کر کے بحیثیت مبلغ سلسلے کی بہت بڑی خدمات سرانجام دیں ہمیں اور یہ سلسلے کے لیے مشعل راہ کا کام دیتی ہیں جس سے ہر فرد استفادہ کر سکتا ہے ۔

۱ ۔ راہِ فرار ۲ ۔ تفسیر نون ۳ ۔ مکتوب در مسئلہ وحدت الوجود ۔

راقم الحروف نے میاں صاحب کی زیارت کے علاوہ آپ کے درس میں بھی ایک دفعہ شرکت کی تھی ۔ آپ کی ذات اقدس سے ہزاروں لوگوں نے استفادہ کیا ہے ۔ آپ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا ۔ آپ کے مطالعہ میں شریعت طریقت اور فقہ کی کتابیں رہتی تھیں ۔

وصال شریف !

آپ کا وصال شریف ۱۵ ، محرم الحرام ۱۳۹۵ھ بمطابق ۲ ، جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں ہوا ۔ میت پاکپتن شریف لائی گئی اور درگاہ پاک بابا فرید علیہ الرحمتہ کے صحن میں سپردِ لحد کی گئی ۔ یہیں پر مزار اقدس بنا ۔ (علمائے پنجاب)



حضرت سید میراں غلام محی الدین قادریؒ

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ میں ایک مرد فاضل ، عالم ، عابد و زاہد اور صاحب ارشاد تھے ۔ اوّل چند پشت سے ان کا قیام لاہور میں تھا ۔ پھر جب بوقت آمد احمد شاہ درانی بادشاہ نے اس خاندان کی بزرگی کا احوال سُنا تو آپ کے چچا بزرگوار سید علی اکبر قادریؒ کو جو اپنے وقت کے عالم و فاضل اجل ، طبیب حاذق تھے ۔ ہزاروں التجاؤں کے ساتھ اپنے ہمراہ پنجاب سے واپسی پر کابل کو لے گیا ۔ اس وقت سید غلام محی الدین قادری بھی سولہ برس کی عمر میں اپنے عم بزرگوار کے ساتھ کابل تشریف لے گئے اور چند سال وہاں قیام رہا ۔ پھر جب حضرت سید علی اکبر قادری بادشاہ مذکور سے رخصت لے کر وطن کو تشریف لائے تو راستہ میں راجہ رنجیت دیو والیٔ جموں نے اُن کو اپنے پاس بُلالیا ۔ آپ کے چچا نے جموں ہی

میں وصال فرمایا اور حضرت جموں سے گوجرانوالہ تشریف لائے۔ رنجیت سنگھ کے باپو جے سنگھ کنھیا نے اُن کی گوجرانوالہ میں عزت و توقیر کرکے چاہا کہ آپ انہی کی ریاست میں سکونت اختیار فرمائیں، مگر آپ نے اس کی درخواست کو قبول نہ کرتے ہوئے لاہور تشریف لے آئے۔ لاہور میں آتے ہی جے سنگھ کنھیا نے اپنے علاقے قصبہ مکیریاں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں درخواست کرکے آپ کو لے گیا، لہٰذا آپ اس کی درخواست پر مکیریاں چلے گئے۔ قصبہ مذکور کے عقیدتمند لوگوں نے آپ سے ایسے والہانہ انداز سے محبت کی کہ آپ نے لاہور دوبارہ آنے کا ارادہ ملتوی فرمایا، بلکہ حسب التجائے چودھری مہنجی خاں مالک و رئیس دسوہہ اور نوروز خاں رئیس میانی افغاناں اور حسب فرمائش رئیس غلزیاں آپ کی شادی ایک سید خاندان المعروف بہ سبزواری بمقام کوٹلہ نواح عالم پور میں ہوگئی اور ایک مدت تک موضع مذکور میں سکونت اختیار فرمائی۔ اسی موضع میں آپ کا وصال ایک ہزار دو سو چوالیس (۱۲۴۴ھ) میں ہوا۔ حضرت صاحب کی اولاد کی زبانی مذکور ہے کہ جب حضرت سید علی اکبر کابل تشریف لے گئے تو علمائے شیعہ نے اُن کے ساتھ علمی بحث کی اور ایران سے بہت سے علماء اپنی مدد کے لیے بلائے گئے، مگر آپ سب پر غالب آگئے اور بادشاہ نے خوش ہو کر ان کو مرزا بہادر کا خطاب دیا اور انعام اس قدر بخشا کہ یہ مالامال ہو گئے جب عند البحث علمائے شیعہ عاجز ہو جاتے تو یہ کہتے کہ "آرم ملا رفیع را کہ با سید علی اکبر مباحثہ نماید" اور ملا ایک عالم جید ایرانی تھا جو اسی زمانہ میں مرچکا تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعد وفات سید علی اکبر کے سید محسن ان کا فرزند جموں سے لاہور کو آنے لگا، تو سردار غلام محمد چٹھہ جس کی ریاست رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں تھی۔ ان کو راستے سے بلا کر لے گیا جب مہاں سنگھ نے رسول نگر پر یورش کی اور ریاست غلام محمد کی درہم برہم ہونے لگی اور وہ اس پریشانی سے گھبرا کر حضرت سید محسن قادری رحمۃ اللہ علیہ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا جبیں سائی کرتے ہوئے دست بستہ گزارش کی کہ حضرت جی ہماری ریاست ہماری ملکیت سے جا رہی ہے۔ بارگاہ اقدس رب العزت میں دعا فرمائیں ورنہ سکھوں کا قبضہ ہو جائے گا اور ہم برباد ہو جائیں گے۔ آپ نے اُس کی التجا پر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ پیران پیر دستگیر جناب غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ گھوڑے پر سوار خالصہ فوج کے درمیان سکھوں کی مدد فرما رہے ہیں، لہٰذا میری وہاں تک رسائی نہیں کہ میں کچھ درخواست یا عرض و معروض کرسکوں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اب اپنا بوریا بستر لپیٹو گے۔ جب عنان حکومت خالصوں کے ہاتھ آگئی تو سید محسن قادریؒ نے مندراں والا میں سکونت اختیار فرمائی۔

اولادیں

سید غلام محی الدین قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندان (۱) سید غوث (۲) سید غلام المشہور بہ شاہ صاحبؒ (۳) سید غلام رسول (۴) میراں حافظ سید محمد شاہؒ (۵) میراں سید غلام گیلانی یہ پانچوں اپنے وقت کے یگانہ تھے۔ شجرہ

ھ۱ حدیقۃ الاولیاء (مفتی غلام سرور لاہوری۔ ترجمہ اقبال مجددی)

نسب ان کا حضرت غوث پاک محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسلک ہے۔

آپ کا شجرہ نسب جناب غوث پاک رضی اللہ عنہ سے اس طرح ملتا ہے۔ حضرت میراں غلام محی الدین بن سید محمد طاہر بن سید عبد القادر بن سید محمد شاکر بن سید محمد آدم بغدادی بن سید اسمٰعیل بن شاہ یعقوب بن سید موسیٰ بن سید صوفی علی قادری

حضرت سید غلام محی الدین قادری گیلانیؒ کے آباؤ اجداد میں سے سید محمد غوث اوچ میں حلب (شام) سے تشریف لائے روایت ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے حضرت غوث پاک پیران پیر دستگیر نے خواب میں حاکم ملتان حسین لانگا کو بشارت دی کہ میرا فرزند ارجمند ملتان میں آ رہا ہے تو اپنی دختر کا عقد اس سے کر دینا۔ لہٰذا جب آپ ملتان تشریف لائے تو حاکم ملتان نے اپنی دختر کا عقد آپ سے کر دیا۔ علاقہ اوچ کو بطور جہیز میں پیش کیا جس کو آپ نے قبول کر کے علاقہ اوچ میں سکونت اختیار فرمائی آپ نے کئی ایک کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اب آپ کی اولاد وہیں موجود ہے۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ (۱) عبد القادر ثانی ۔(۲) عبد اللہ ربانی ۔(۳) سید مبارک حقانی ۔(۴) سید محمد نورانی ۔ ان میں سید محمد نورانی۔ سید عبد القادر ثانی کی اولاد کچھ تو صاحب سجادہ اوچ میں موجود ہے۔ کچھ سلطان پور میں جاگیر دار ہے اور کچھ دیپالپور میں مخدوم خلائق۔ حضرت شاہ چراغ اور عبد القادر ثالث انہیں کی اولاد ہے جن کے مزارات لاہور میں مرجع خلائق ہیں۔

سید عبد اللہ ربانی کے صاحبزادے سید محمد اسمٰعیل گیلانی قادریؒ تھے۔ آپ اوچ شریف سے بعہد اکبر بادشاہ، لاہور تشریف لائے۔ شہنشاہ اکبر نے فیروز پور (بھارت) میں آپ کو ایک ہزار بیگھہ زمین مزارع عنایت کر کے درخواست کی کہ آپ لاہور تشریف لائیں، لہٰذا آپ نے بخیال سکونت لاہور تشریف لا کر محلہ لکھیاں میں موجودہ نام ہال روڈ تمام امراء و شرفاء لاہور معہ بادشاہ ان کی خاطر داری بدرجہ کمال کرتے تھے۔ وقت آبادی شہر اس ٹیلے (ڈھابہ بی بی وڈی کے نواح میں آبادی تھی) سکونت پذیر ہوئے اور یہ ٹیلہ سیرگاہ تھی۔ آپ نے سلسلہ قادری میں ایک خاص مقام پیدا کیا۔ جس سے ایک خلق کثیر کو فیضان غوثیہ سے نوازا۔ آپ کا وصال ۵ ربیع الاول ۹۷۸ھ میں لاہور میں ہوا۔ مزار اقدس آپ کا عالیشان مع روضہ و گنبد حسب الحکم اکبر بادشاہ کے تعمیر ہوا تھا۔ مزار اقدس پرانی انارکلی بر لب سڑک مرجع خلائق ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے جن کے اسمائے گرامی سید بدر الدین (مزار میانی قبرستان ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔) دوسرے صاحبزادے سید حاجی بہاؤ الدین قادری گیلانی تیسرے صاحبزادے کا اسم گرامی سید قطب الدین قادری گیلانیؒ تھے۔ ان میں سے دو کی اولاد ست گھرہ اور دیپالپور میں آباد ہے سید بدر الدین گیلانی قادریؒ کی اولاد لاہور میں رہائش رکھتی تھی۔ حضرت سید بدر الدین قادری گیلانی کے صاحبزادے حضرت سید صوفی علی قادری گیلانی تھے۔ آپ ولیٔ کامل اور قطب دوران تھے۔

شہنشاہ اکبر نے آپ کو ایک ہزار بیگھہ زمین بطور نذرانہ پیش کیا تھا۔ مگر آپ نے اس نذرانہ کو قبول نہیں فرمایا تھا۔ اور اس نذرانے کی سند آپ کے کمرے میں پڑی رہی۔ حسب الوصیت ان کی کسی اولاد نے اس سند پر توجہ نہیں کی، چنانچہ وہ سند سید اصغر علی قادری گیلانیؒ آپ کے نبیرے کے پاس بوقت شورش خالصہ ضائع ہو گئی۔ آپ نے دینِ اسلام

گیلانیؒ بن سید بہاؤ الدین بن سید اسمٰعیل ثانی بن سید عبداللہ بن سید محمد غوث اوچ شریف بن شمس الدین بن سید علی بن شاہ مسعود بن سید احمد بن سید صوفی بن سید نصر بن سید سیف اللہ بن عبدالوہاب بن حضرت غوث پاکؓ آپ کا وصال شریف ۱۲۸۴ھ میں ہُوا۔

فٹ نوٹ :

کی بہت زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ وصال شریف آپ کا ۱۰ رجب المرجب ۱۰۰۲ھ میں لاہور میں ہُوا مزار اقدس تکیہ انبلی والا عقب نئی انارکلی مرجع خلائق ہے۔ دور خالصہ میں رنجیت سنگھ نے آپ کے مزار اقدس کا تمام سنگِ مرمر اُتار کے مزاروں کی بربادیاں کر دیں۔ آپ کے صاحبزادے حاجی سید محمد ہاشم قادری گیلانی اور سید محمد قاسم قادری گیلانی اور سید موسیٰ قادری گیلانی تھے۔ ان میں سید محمد قاسم قادری گیلانی بابرکت بزرگ ہستی تھیں۔ شریعت پاک کے سخت پابند تھے۔ طریقت میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چل کر مخلوق خدا کی رہنمائی فرماتے رہے۔ آپ کا مزار اقدس محمد افضل پراچہ (جو خادم حضرت محمد اسمٰعیل قادری گیلانی جدِ امجد ان کے کا تھا) نے تعمیر کروایا تھا۔ مزار پہ عالیشان اور خوبصورت گنبد بنوایا تھا۔ مگر رنجیت سنگھ نے دور خالصہ حسب الحکم مسمار کرا دیا گیا تھا۔ آپ کا وصال شریف ۱۰۷۰ھ میں ہُوا۔ مزار اقدس تکیہ انبلی والا میں مرجع خلائق ہے۔

سید ہاشم شاہ قادری گیلانی کے صاحبزادے سید فاضل شاہ قادری گیلانی تھے۔ جب آپ کے والد حج کو جانے لگے۔ آپ اس وقت خورد سال تھے۔ آپ کے والد نے فرمایا کہ ہماری غیر حاضری میں کہیں باہر نہ جانا۔ مگر آپ نے یہ سمجھا کہ گھر سے باہر بالکل نہ جانا۔ والد ماجد آپ کے عرب میں راہیٔ ملک بقا ہو گئے اور آپ نے مدت العمر گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔

آپ قائم اللیل اور دائم الصوم مشہور تھے۔ شاہ عالم بادشاہ اگرچہ بڑا متعصب متشرع یعنی فقراء سے ارادت کم رکھتا تھا۔ مگر آپ کا بدرجہ کمال ارادتمند تھا؛ چنانچہ ایک گاؤں بعد از وصال آپ کے برائے اخراجات خانقاہ کا نذرانہ بصورت سند تحریر کر کے ارسال کیا جو دور خالصہ میں ضبط ہُوا۔ آپ کا وصال شریف ۲ ذوالحجہ ۱۱۱۲ھ میں ہُوا۔ مزار اقدس مسجد بے بدل خاں کے متصل ہال روڈ بالمقابل مزار اقدس حضرت اسمٰعیل محدث واقع ہے۔



حضرت میراں سیّد غلام المعروف شاہ صاحب قادری

یہ بزرگ منجھلے بیٹے حضرت سید غلام محی الدین قادری گیلانیؒ کے تھے۔ابتداءعمر ہی میں آپ کا خیال ترک و تجرید و عبادت و ریاضت کی طرف تھا اور دُنیاوی کاموں سے ازحد نفرت تھی۔سوائے عبادت ریاضت کے اور کوئی شغل ملحوظ خاطر نہ تھا؛ چنانچہ پچاس برس تک آپ نے موضع ہردو تھلہ شریف تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں خلوت و گوشہ نشینی اختیار کیے رکھا اکثر اوقات شب کو موضع مذکور کے گرد و نواح کے جنگلوں میں چلے جاتے اور شب بیداری و تنہائی میں یکسوئی سے خدائے پاک جلّ جلالہ کی ریاضت و عبادت کرتے۔یہاں تک کہ کمال عروج تک پہنچے۔آپ کا شمار اولیائے عظام میں ہونے لگا اور اس آستانہ غوثیت سے ایک مخلوقِ خدا کو فیض دینی و دنیوی پہنچا۔اردگرد کے مواضع جات کے عوام نے آپؒ کے زیر سایہ رہ کر راہِ مستقیم اختیار کی اس طریقے سے کاسۂ اُمیدوں کو لے کر آنے والے لوگ روحانی مسرتوں سے بھر کر جاتے۔آپ کا دربار شریف ایک وسیع احاطے میں اور اس کے چاروں طرف چھوٹی اینٹوں سے تعمیر کردہ کافی چوڑی دیواریں تھیں۔مغرب کی طرف ایک دو منزلہ عمارت قلعہ نما بنی ہُوئی تھی جس کا ایک بڑا دروازہ تھا۔ راقم الحروف کے والد مرحوم کی زبانی) اس وسیع احاطے میں ایک خوبصورت باغ لگا ہُوا تھا جس میں ہر قسم کے اشجار میوہ جات لگائے گئے تھے۔اس باغ کے درمیاں میں ایک پختہ کنواں واقع تھا۔کنواں سے بطرف شمال آپ کا مزارِ اقدس اور دیگر لواحقین کے مزارات تعمیر تھے۔راقم الحروف نے باغ تو نہیں دیکھا۔باغ کی جگہ ایک بڑا پیپل کا درخت تھا۔اس کے علاوہ بیری اور سرس کے درخت تھے۔

اسی چاردیواری کے اندر جنوب مغرب کی طرف ایک چاردیواری تعمیر کردہ رقبہ ۱۰ x ۱۰ فٹ اور اُونچائی تقریباً آٹھ فٹ میں دو خواتین کے مزارات تھے۔راقم الحروف کا مکان بھی اس مقدس عمارت سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔یہاں پر راقم الحروف روزانہ سلام و نیاز کے لیے حاضری دیتا تھا۔راقم الحروف کے والد ماجد بابا رحمت علی چشتی صابریؒ اکثر شب بیداری کے لیے آپ ہی کے روضہ اقدس پر تشریف لے جاتے تھے اور صبح نماز فجر سے پہلے تہجد نماز گزار کر واپس آتے اور اپنے روزمرہ کے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔یہ آپ ہی کا چشمۂ فیض جاری فرمایا ہُوا ہے جس کی وجہ سے موضع ہردو تھلہ کو ہردو تھلہ شریف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔فیضان غوث پاکؓ کا اثر ایسا ہُوا کہ اسی موضع مذکور میں خواجہ خواجگان

خواجہ محمد دیوان چشتیؒ صابری تشریف لائے اپنے قدوم کی برکت سے موضع کو نوازتے ہوئے چار چاند لگادیے جن کی صحبت نشینی سے گرد و نواح کے علاقوں کے علاوہ دور دراز سے مخلوق خدا آپ کے درِ اقدس پر عقیدت کا اظہار کر کے فخر محسوس کرتی تھی۔

حضرت میراں سید غلام رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شریف اسی موضع مذکور میں سن ایک ہزار دو سو اٹھتر ہجری میں ہوا اُسی جگہ آپ کا مزار اقدس تعمیر ہوا۔ آپ کے حقیقی برادر حافظ محمد شاہ گیلانی قادری تارک الدنیا۔ طالب المولیٰ عابد، زاہد اور حافظ قرآن مجید، امرتسر شہر میں ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور باغ راما نند میں الگ ایک حجرہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ آپ کے برادر بھی ایک خدا پرست حلیم و خلیق ایک پاک شخصیت تھیں۔



قطعہ تاریخ وصال

چو رفت از جہاں در بہشت بریں
شہنشاہ اسلام سید غلامؒ
بگو سال وصلش چراغ جمال
دگر طالب نام سید غلام ۱۲۷۸ھ

حضرت سید غلام غوث قادریؒ

آپ سید غلام محی الدین گیلانی قادری کے بڑے صاحبزادے تھے۔ اللہ پاک نے اپنے فضل و کمال سے ظاہری اور باطنی اُن کے نصیب کیے۔ اعتقاد سے لوگوں کا ہجوم ہمیشہ حضرت کے دروازے پر رہتا تھا۔ بڑے بڑے رئیس و امراء حضرت کے ارشاد کی تعمیل حکم بہ دل و جان کرتے تھے۔ آپ نے کمال عزت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر کی ہمیشہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔ آپ کا وصال شریف ایک ہزار دو سو اناسی ہجری میں ہوا۔

قطعہ تاریخ وصال

چونکہ سید غلام غوث ولی

رفت در قرب ایزد متعال

بہر تاریخ آں ولی زماں

شہسوار بہشت آمد سال ۱۲۷۹ھ

آپ کی اولاد میں ۲ فرزندان ارجمند تھے۔ ایک سید محمد بخش جن کے دو فرزند سید محمد علی شاہ سررشتہ دار محکمہ رکھ پنجاب تھے اور دوسرے سید علی الحق شاہ تھے۔ دوسرے صاحبزادے سید گنج بخش سجادہ نشین سید غلام گیلانی قادریؒ تھے۔ اس کے تین صاحبزادے شریف حسنؒ۔ شریف حسینؒ اور عزیز الحسنین تھے۔



حضرت سائیں میراں شاہ قادریؒ

حضرت سائیں میراں شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ قصبہ ہریانہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت پیر حسین شاہ قادری کے دست حق پرست پر بیعت کر کے شرف قبولیت حاصل کیا اور بعد میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپؒ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ کے پیشوا و رہنما حضرت پیر حسین شاہؒ دوسوہہ کے رہنے والے تھے، لہٰذا آپ نے قصبہ ہریانہ سے مستقل طور پر منتقل ہو کر دوسوہہ کے نواح میں بمقام کا منتھال سکونت اختیار فرمائی۔ آپؒ کا آستانہ عالیہ دوسوہہ ریلوے اسٹیشن کے متصل تکیہ بابا میراں شاہ قادریؒ کے نام سے مشہور اور معروف ہے۔

حضرت سائیں صاحب ایک صاحب تصرف و صاحب مقام بزرگ ہستی تھیں۔ اکثر جذب و سکر کی حالت میں رہتے۔ آپ کی زبان گوہر فشاں سے جو کچھ اظہار ہوتا اللہ پاک اُسے سچ کر دیتا۔ آپ نے دین پاک مذہب اسلام کی ایک اعلیٰ پیمانے پر تبلیغ کر کے مسلمانوں کو راہ ہدایت و مستقیم دکھائی۔ دوسوہہ کے اردگرد کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عقیدتمند تھا۔ اس کے علاوہ جالندھر کے علاقے میں آپ کے کافی مریدین تھے۔ جن میں امام ناصر الدین کے سجادہ نشین ماسٹر رحیم بخش اور سائیں فضل الدین صاحب بھی شامل تھے۔ جب آپ جالندھر تشریف لے جاتے تو آپ کا قیام زیادہ تر ماسٹر رحیم بخش کے مکان پر ہوتا اور دو تین ماہ تک قیام رکھتے تھے اور عوام و خواص مستفیض ہوتے تھے۔

سماع کے بہت شائق تھے۔ ۱۹۳۴ء میں حضرت قبلہ میاں بیدم شاہ وارثیؒ اور اُن کے مرید میاں حیرت شاہ

وارثیؒ جالندھر میں تشریف لائے تو ماسٹر رحیم بخش صاحب کے مکان پر دو مہینے قیام کیا۔ اس مدت کے دوران فتح علی خان اور مبارک علی خان کی محفلیں زیرِ نظر میاں بیدم شاہ وارثی منعقد پذیر ہوئیں۔ ان محفلوں میں بابا میراں شاہ قادریؒ، مولانا نواب دین چشتی صابری اور دیگر بزرگان دین جیسی پاک ہستیاں اور صاحبِ ذوق حضرات شرکت فرماتے تھے تو عجیب جذب و مستی کا رنگ ہوتا تھا۔ رحمتِ عالم مکی والے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہوتی تو لطف و کرم اور انوار باراں کی بارش شروع ہو جاتی۔

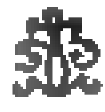
دوسوہہ شریف میں پیر حسین شاہ قادریؒ کے سالانہ عرسوں میں مولانا نواب الدین چشتی صابریؒ جب تشریف لاتے تو مجالس وعظ و میلاد پاک اور سماع کا انعقاد ہوتا جس میں علم و عرفان کے انوار کی رحمتِ باراں ہوتیں۔ دوسوہہ شریف میں حضرت مولانا اپنے مرید مولانا دولت علی صاحب کے ہاں بھی قیام فرماتے جو راقم الحروف کے اُستادِ گرامی تھے۔ وہ فارسی کے اُستاد تھے اور اُن کے بھائی مولوی عبدالغنی صاحب بھی آپ کے سلسلہ طریقت سے وابستہ تھے۔

حضرت صاحب کا حلقہ ارادت دوسوہہ کے علاوہ اردگرد کا علاقہ بھی تھا۔ ایک دفعہ اڑمڑ ٹانڈہ کے چند قصاب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بیعت ہونے کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ عرس پاک کے موقع پر دوسوہہ آجانا، چنانچہ اُرمڑ ٹانڈہ سے قصابوں کی ایک جماعت عرس کے موقع پر دوسوہہ شریف پہنچ گئی اور باباجی کے سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ لنگر تقسیم ہونے والا تھا۔ آپ نے پوچھا "کہ تم کون ہو" اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم اُرمڑ ٹانڈہ کے قصاب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُس درخت کے نیچے جاکر بیٹھ جاؤ۔ قصاب حسب الحکم اس جگہ جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد باباجی اس طرف تشریف لے گئے تو قصابوں کو دیکھ کر فرمایا "کہ تم کون ہو" اُنہوں نے پھر عرض کی کہ ہم اُرمڑ ٹانڈہ کے قصاب ہیں۔ آپ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم اُدھر جاکر بیٹھو۔ وہ بیچارے دوسری جگہ جاکر بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس جگہ جا پہنچے جہاں پر قصاب بیٹھے تھے۔ آپ کے استفسار پر اُنہوں نے پھر کہا کہ ہم اُرمڑ ٹانڈہ کے قصاب ہیں۔ آپ یہ سُن کر جلال میں آگئے اور اُنہیں گالیاں دینے لگے اور فرمایا کہ جہاں بھی دیکھو اُرمڑ ٹانڈہ کے قصاب موجود ہیں۔ یہ تو سب مجھے لوٹنے کے لیے آگئے ہیں۔ اُنہیں ڈانٹ پلا کر فرمایا کہ یہاں سے دفعہ ہو جاؤ۔ جب آپ کی جلالی کیفیت فرو ہوئی تو اُنہیں لنگر دے کر محبت بھرے انداز میں رخصت کیا۔

عرس شریف کے موقع پر آپ پر ہمیشہ جلالی کیفیت طاری رہتی تھی کسی شخص کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ آپ کے قریب جا سکے۔ لنگر شریف کی دیگیں چولہوں پر چڑھی رہتیں۔ آپ کے عقیدت مند جو بھی نذرانہ مثلاً خربوزہ، تربوز یا ککڑیاں یا چاول گڑ، گھی دالیں اور گندم وغیرہ لاتے سب کچھ دیگوں میں ڈلوا دیتے۔ اس طرح سے عجیب قسم کا لنگر تیار ہوتا جو ہر وقت جاری رہتا تھا۔

ایک دفعہ خواجہ امام ناصر الدینؒ کے عرس پر بڑے زور کی بارش ہوئی۔ آپ ماسٹر رحیم بخش کی بیٹھک میں لیٹے ہوئے تھے۔ ایک عقیدت مند نے عرض کی کہ دعا کریں کہ بارش تھم جائے۔ آپ نے فرمایا کہ بارش رک جائے گی مگر بارش اور زیادہ تیز ہوگئی اُنھوں نے پھر عرض کی کہ بارش تو رکی نہیں۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا لیکن بارش مزید تیز ہوگئی۔ آپ جوش میں آگئے اپنا کرتا اُتار کر دیا اور فرمایا کہ اسے باہر لٹکا دو، چنانچہ آپ کا کرتہ مسجد کی دیوار پر پھیلا دیا، جیسے ہی آپ کا کرتہ دیوار پر لٹکایا بارش تھم گئی اور بادل چھٹ گئے۔

آپ کے ایک عقیدت مند کے ہاں اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ نے عرض کی کہ دعا فرمائیں کہ اس دنیا میں اولاد نرینہ کا منہ بھی دیکھ لیں اور یہ دنیا کا پھل ہے اور میں آپ کے ہوتے ہوتے کیوں محروم رہوں، لہٰذا آپ نے سات آم اُن کو مرحمت فرمائے اور فرمایا کہ گھر جاکر بیوی کو کھلا دینا۔ اتفاق سے وہ آم ماسٹر رحیم بخش جو آپ کے مریدین میں سے تھے ہاتھ لگ گئے، اُس نے چھ آم تقسیم کر دیے اور ساتواں آم خود کھا لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کی خدمت بابرکت میں دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے دو آم خود اپنے سامنے اُن کی بیوی کو کھلائے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ان کے ہاں بعد میں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اُن کے نام بھی آپ نے خود ہی تجویز کیے۔



دوسوہرہ شریف میں ایک دفعہ حقہ سلگانے کے لیے آگ کی ضرورت پڑی مگر آگ سلگانے کے لیے گوبر کے اوپلوں کی ضرورت پیش آئی۔ آپ نے قصبہ میں ہر جگہ خانہ بخانہ جاکر اوپلوں کے لیے تلاش کی مگر باوجود کوشش بسیار کے اوپلے نہ ملے واپس تشریف لے آئے اور اپنے تکیہ میں مصلےٰ پر آکر بیٹھ گئے اور عالمِ مستی میں بآوازِ بلند اعلان کیا "پاتھی پت او" "پاتھی پت او" (پنجابی زبان میں "پاتھی" اوپلے کو کہتے ہیں اور "پت" عموماً لڑکا کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی مطلب اس کا یہ تھا کہ جو کوئی ایک اوپلہ لائے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایک لڑکا اپنی کریمی سے عطا و بخشش فرمائے گا۔ لہٰذا آپ کی آواز دور دور تک عوام کو سنائی دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے اولاد عورتیں اوپلے لے کر تکیہ میں پہنچ گئیں اوپلے بصد عجز و نیاز پیش کیے۔ اُنھی لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ پاک نے ایسی رحمتِ باراں برسائی کہ سبھی کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ آپ کے ایسے دستِ سخا نے لوگوں کی دینی دنیوی برائیوں کو ختم کرنے میں عملی کردار ادا کیا۔ اگر کوئی شخص اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں آتا تھا تو آپ اپنے جلالی مزاج مبارک سے ایسا سلوک فرماتے تھے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو جاتا۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ نے عوام کی رہبری کے لیے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دی اور معاشرہ کو ایک اعلیٰ مقام پر لاکر کھڑا کر دیا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ نے ایسے ہی پاک ہستیوں کے لیے فرمایا تھا:

؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس مردِ مومن کی تعریف میں حضرت سید میراں شاہ بھیک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

"گر جہاز ہم پاڑنے جال چڑھ پار بھیئے ا

جن گر جہاز نہ جانیو اوہ رُوندے گھاٹ کھڑے

وصال شریف : جب آپ کی عمر مبارک سو سال کی ہوئی تو اس آخری عمر کے حصے میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور مزاج مبارک بھی اب دنیاوی علائق سے کلی طور پر علیحدگی اختیار کر چکا تھا، لہٰذا آپ کا وصال شریف ۱۹۴۰ء میں دوسوہہ شریف (کانشتھان) میں ہوا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ رَاجعُون۔ مزار اقدس بھی اسی جگہ تعمیر ہوا۔



حضرت بابا مست علی بخشؒ

حضرت بابا مست علی بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ بڑے بلند مرتبہ اور صاحبِ کرامت درویش تھے۔ آپ ضلع سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ ایک عرصہ سے موضع سکرالہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ عمر بھر طفلاں خورند کے ساتھ رہے۔ اُنہیں کے ساتھ صبح سے شام تک رہتے۔ شام کو طفلاں خورند جب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تو صبح کو دوبارہ اُنہی کے پاس آجاتے اور تمام دن وہیں دربار شریف میں کھیل کود کرتے رہتے یا پھر آپ اُن سے فرماتے کہ میرے مکان کی دیواریں تعمیر کریں اور شام کو تم سب کو مزدوری مل جائے گی۔ ان بچگان میں کوئی راج یا مستری بن جاتا اور کوئی مزدوری کے فرائض ان مستریوں کے ساتھ انجام دیتا اور ایک آدھ اُنہیں میں سے منشی بن جاتا۔ آپ اپنے پاس چھوٹے سائز کی اینٹیں رکھتے تھے۔ معصوم بچگان صبح صبح اکٹھے ہو جاتے اور دیواریں بنانا شروع کر دیتے۔ کوئی بچہ پانی لاتا اور کوئی بچہ گارا برائے چنائی تیار کرتا تھا اور اس کے بعد دیواروں کی چنائی شروع ہو جاتی۔ نگرانی کرنے والا بچہ باقاعدہ طور پر نگرانی کے فرائض انجام دیتا، لہٰذا شام تک آہستہ آہستہ دیواریں مکمل ہو جاتیں۔ اس کے بعد شام کو آپ تعمیر شدہ دیواروں کو دیکھنے کے لیے تشریف لاتے۔ نگران سے استفسار کرنے کے بعد منشی صاحب سے پوچھتے کہ کہو میاں آج کتنے راجوں اور مزدوروں نے کام کیا اور کون کون کام پر نہیں آئے۔ منشی صاحب سارا حساب صبح سے شام تک کا آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیتا تو آپ راج کی

مزدوری دو پیسے اور مزدور کی مزدوری ایک پیسے کے حساب سے ادا کر دیتے ۔ تمام راجوں اور مزدوروں کا حساب چکانے کے بعد خود ہی ایک نظر دیواروں کی طرف دیکھتے اور یہ کہہ کر دیواروں کو گرا دیتے کہ ان کی تعمیر اچھی نہیں ہوئی ۔ اگلے دن پھر حسبِ معمول بچگان کو اکٹھا کیا جاتا ۔ وہ اپنے کام میں مشغول ہو جاتے اور شام کو اسی طرح تعمیر شدہ دیواروں کو گرا دیا جاتا ۔ ایک عرصے تک آپ نے یہ شغل بچوں کے ساتھ جاری رکھا ۔

آپ کے ہم عصر درویشوں کے بقول آپ انگریز برطانوی فوج کے روحانی طور پر فوج کے ناظم تھے ۔ آپ علی الصبح اُٹھتے اور دوپہر تک ایک تھیلے میں سے کچھ خطوط نکالتے اور پھر ان کو اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد ایک دوسرے تھیلے میں جو اُن کے پاس ہوتا تھا ڈال دیتے اگر کوئی تعلیم یافتہ شخص آپ کے پاس بغرض شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتا تو اُن سے آپ اس قسم کی تحریر میں لکھایا کرتے تھے کہ اس خط پر فلاں پلٹن کے لیے اتنی مقدار میں راشن تحریر کر دو تاکہ اُن کو سپلائی کر دیا جائے ۔ تمام دن آپ یہی شغل فرماتے رہتے ۔ تقریباً دس دس بارہ بارہ تعلیم یافتہ اشخاص خطوط ہی تحریر کرتے رہتے ۔ جو کچھ آپ کی زبان گوہر فشاں سے نکلتا وہ تحریر کرتے رہتے تھے اور بغیر اجازت حاصل کیے اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے تھے ۔ آپ کے پاس روزانہ ایک تھیلا جس میں مختلف قسم کے خطوط ہوتے تھے پڑا رہتا تھا ، جس کو آپ اپنے دستِ مبارک سے کھولتے اور خود ہی ان خطوط کو پڑھتے ۔ ان خطوط میں تحریریں کچھ اس طرح کی ہوتی تھیں کہ دوسرا شخص ان تحریروں کو پڑھنا تو کجا سمجھ بھی نہیں سکتا تھا اور یہ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ تھیلا خطوط کا کہاں سے آتا ہے ۔ ان خطوط کے جواب جس انداز سے آپ تحریر کرواتے تھے عقل اس کو تسلیم کرنے سے قاصر تھی ۔ اگر کوئی عقیدتمند آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا تھا تو مغلظ گالیوں سے نوازتے تھے ۔ اگر مغلظ گالیاں کھانے کے بعد بھی وہاں سے نہیں جاتا تھا تو اُس کی پٹائی بھی کر دیتے تھے ۔ ارادتمند لوگ اس قسم کی سزا کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے اور اس طرح سے اُن کے دل کی آرزوؤں کی کلیاں پُھول ہو جاتیں اور اُن کے درد کا درماں ہو جاتا ۔ واللہ اعلم بالصواب

موضع کے گرد و نواح کا علاقہ آپ کا بے حد عقیدتمند تھا ۔ آپ کے در سے کوئی سائل آج تک خالی ہاتھ نہیں لوٹا ۔

ایک دفعہ آپ عالمِ مستی میں گاؤں کے باہر تشریف لے گئے ۔ اہلِ دیہہ فصل گنا سے رس نکال کر گُڑ شکر بنانے میں مصروف تھے ۔ آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمانے لگے کہ مجھے گُڑ کھلائیں ۔ گُڑ بنانے والے کارندوں نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور ابھی تک گُڑ تیاری کے مراحل میں ہے جب تیار ہو جائے گا ہم آپ کی خدمت میں بصد عجز و نیاز پیش کر دیں گے ۔ آپ یہ سُن کر اس بڑے کڑھاؤ کے پاس تشریف لے گئے جس میں گُڑ تیار ہو رہا تھا اور اس کے نیچے آگ جلائی جا رہی تھی ۔ آپ نے ان کی بات سُنی ان سُنی کر دی اور اپنا دستِ مبارک نہایت گرم گرم گُڑ والے

کڑھاؤ کے اندر ڈال دیا اور گرم گرم گڑ جو نیم پختہ تیار ہو چکا تھا، نکال کر نوش فرمانے لگے۔ اللہ کی قدرت سے آپ کے دست مبارک کو ذرا بھر بھی آنچ نہیں آئی۔ یہ دیکھ کر اہلِ دیہہ ہکا بکا رہ گئے اور دل و جان سے آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ بقول حضرت میراں شاہ بھیکؒ:

ست گر کے ہم داس ہیں اور پاؤں کی دھوڑ
ست گر اپرم پار ہیں ثقل بار بھر پور

وصال شریف: آپ کا وصال شریف ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ مزار اقدس موضع "سکرالہ" میں مرجع خلائق ہے۔ گرد و نواح کے علاقوں کے عوام مزار اقدس پر حاضر ہو کر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور مرادوں سے اپنے تہی دامن بھرتے ہیں۔

آپ کے وصال شریف کے بعد سرکار خواجۂ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا روضۂ مبارک تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ عمارت کا تعمیری سامان لایا گیا جب تعمیری کام کا آغاز ہوا تو بنیادیں بھرنے کے بعد دیواریں شروع ہو گئیں۔ دیواروں کی پایۂ تکمیل کے بعد چھت ڈالنے کی نوبت آئی تو چھت ڈالنے میں دقت پیش آئی کیونکہ جب چھت ڈال لیتے تھے تو شب کو چھت اڑ کر دیہہ کے باہر جا گرتی اور لوگ صبح کو آ کر دیکھتے کہ مکان کی چھت اُڑ کر دیہہ کے باہر کافی دُور پڑی ہوئی ملتی۔ دو چار مرتبہ ایسا رہا مگر سرکار غریب نوازؒ نے آخر کار پریشان ہو کر فرمایا کہ بابا جب آپ خود ہی (یعنی صاحبِ مزار سے مخاطب ہو کر فرمایا) روضہ بنانا پسند نہیں فرماتے تو ہمیں کون سی ضرورت درپیش ہے کہ اپنا وقت اور پیسہ ضائع کریں۔ آپ نے دوسرے دن پھر اچانک مزدوروں اور راجوں کو فرمایا کہ اب صاحبِ مزار راضی ہو گیا ہے لہٰذا اب کے دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا جائے۔ جب چھت مکان پر ڈال دی گئی۔ پھر دوبارہ چھت اُڑنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس کے بعد دیگر حجرے اور کنواں وغیرہ تعمیر ہوئے اور باغ باغیچہ نئے سرے سے لگوایا گیا۔ آپ سرکار غریب نوازؒ نے دو چار خادمین بھی وہاں مزار اقدس پر برائے خدمت روضۂ مبارک اور مہمان مقرر فرمائے اور سالانہ عُرس مبارک کے انعقاد کا اہتمام و انتظام کیا جاتا تاکہ دُرود و فاتحہ باقاعدگی سے ہوتا رہے۔ آپ خود بھی وہاں تشریف لے جاتے۔ دُرود و سلام کے میلاد مبارک کی مقدس محافل منعقد ہوتیں۔ اور محافل سماع کی مقدس تقاریب بھی ہوتی تھیں، جن سے سامعین رُوحانی مسرتیں حاصل کرتے۔ ان پاک محافل میں عقیدتمند لوگوں کی مشکلیں حل ہو جاتیں۔ معاشرہ پر اس کے اثرات ذہنوں سے برائیوں کی جڑیں کاٹنے میں ممد ثابت ہوتے۔ قلب و دماغ جلا پاتے تھے۔ لوگ ایسی پاک محافل میں شرکت کر کے سعادت مندی حاصل کرتے تھے۔

بقول : بُدھ کی بات نہ مان کر گُر کی باتیں مان
لاکھ جتن کوئی کرے گُر بن پائے نہ گیان

(ترجمہ) عقل کی بات سے پرہیز کرو اور پیر و مُرشد کی ہدایت پر عمل پیرا ہو۔ اگر انسان لاکھ کوشش بھی کرے تو بغیر پیر و مُرشد کے گیان حاصل نہیں ہوتا یعنی روحانیت حاصل نہیں ہوسکتی۔



حضرت بابا بوڑے شاہؒ اور بابا چراغ شاہؒ

یہ دونوں درویش بابا بوڑے شاہؒ اور بابا چراغ شاہؒ مست و مجذوبان میں سے تھے اور موضع ہر دو تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ شب کو بھی سرکار پاکؒ کے راست و چپ شب باش ہوتے تھے۔ ان میں سے بابا بوڑے شاہ سرکار پاک کو لفظ "میاں" اور چراغ شاہ لفظ "چچا" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اکثر عالمِ مستی میں دونوں موقع پا کر جھگڑتے رہتے تھے۔ سرکار پاک فرمایا کرتے تھے۔ ہم ان کو منع کرتے مگر وہ اس روزمرہ کے شغل سے باز نہیں آتے تھے۔ ہمیں شب کو استراحت کرنے کا وقت بہت کم ملتا تھا یا اکثر ایسا ہوا کہ شب بھر رت جگا رہتا تھا۔

ایک دفعہ موسمِ گرما میں فصل کی کٹائی تقریباً اختتام ہو رہی تھی۔ اہلِ دیہہ نے اپنے کھیتوں سے فصل کٹوا کر کھلیان وغیرہ لگا رکھے تھے تاکہ بعد میں اُن میں سے بھٹے الگ کر کے پھر اناج حاصل کیا جا سکے۔ ایک شام بابا بوڑے شاہ اپنے حجرے سے باہر نکلا۔ رات کا پہلا پہر تھا اور سرکار پاک علیہ الرحمۃ کو مخاطب کر کے زور سے چلایا کہ "میاں" مکئی کے کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے۔ سرکار پاکؒ نے باہر نکل کر دیکھا تو واقعی آگ کے شُعلے کھلیانوں سے بلند ہو رہے تھے۔ اہلِ دیہہ نے فوراً اکٹھے ہو کر آگ بجھانا شروع کر دی مگر آگ نے بجھتے بجھتے کافی نقصان کر دیا اور جس سے مالک فصل بے حد پریشان ہوا۔

پھر دوسرے روز بھی شب کو حسبِ معمول بابا بوڑے شاہ حجرے سے باہر آ کر سرکار پاک کو مخاطب ہو کر زور سے چلا کر کہا کہ "میاں" کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے۔ سرکار پاک علیہ الرحمۃ بھی اُن کے اس طرح چلانے سے حجرے سے باہر تشریف لے آئے اور دیکھا واقعی کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ آپ پریشان ہوئے۔ اہل

دیہہ نے کوشش و ہمت کر کے دوڑ دوڑ کر آگ بجھائی مگر آگ نے اس دفعہ بھی مالک کا کافی نقصان کر دیا اور اُس کی محنت ساری کی ساری ضائع ہو گئی اور وہ پریشان ہو گیا۔

سرکار پاک علیہ الرحمۃ نے بابا بوڑے شاہ کو بلوایا اور ڈانٹ پلائی ـــــ اور فرمایا کہ بوڑے شاہ اس شغل سے باز آؤ۔ اگر گاؤں کا سارا اناج جل گیا تو اہل دیہہ بھوک کے مرنے لگیں گے۔ ان کو پریشان نہ کرو، مخلوق خدا کو نفع پہنچایا کرو۔

تیسرے روز حسب معمول شب کو پھر بابا بوڑے شاہ اپنے حجرے سے باہر نکلا اور اپنے معمول کے مطابق اسی شغل کو دہرایا، سرکار پاک کو مخاطب کر کے زور سے چلایا کہ "میاں" کھلیانوں میں آگ لگ رہی ہے اور فصل مکئی جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئی ہے۔

اس دفعہ سرکار پاک علیہ الرحمۃ سے مالک فصل کا نقصان اور پریشانی برداشت نہ ہو سکی۔ اہلِ دیہہ نے دوڑ دھوپ کر کے آگ بجھائی مگر آگ کی خاصیت ایسی ہے کہ بجھتے بجھتے بھی ناقابلِ تلافی نقصان کر دیتی ہے۔ اس دفعہ سرکار پاک علیہ الرحمۃ سے مالک فصل کا نقصان اور ذہنی پریشانی برداشت نہ ہو سکی، فوراً ہاتھ میں ڈنڈا لے کر بابا بوڑے شاہ کے پیچھے ہوا میں لہراتے ہوئے دوڑے تاکہ اُس کو ایسے شغل سے باز رہنے کی سزا دیں مگر بوڑے شاہ دست بستہ معافی کا خواستگار ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میاں! اس دفعہ میری تقصیر معاف کر دیں آئندہ ایسے شغل سے احتیاط برتوں گا۔

سرکار پاک فرمانے لگے کہ ان مجذوبین سے نفع کی اُمید کم اور نقصان ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اکثر اپنے ملنے والوں سے ان مجذوبین سے پرے پرے رہنے کی ہدایت فرماتے تاکہ اُن کی زبان سے ایسی بات نہ نکل جائے جس سے کسی فرد کا مالی یا جانی نقصان ہو۔

۱۹۴۲ء میں تمام ضلع میں موذی مرض طاعون نے پھیل کر شدت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس موذی مرض سے موضع ہردو تھلہ شریف بھی کافی متاثر ہوا اور ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ اہلِ دیہہ دن رات قبرستان میں موجود رہتے۔ مُردوں کو دفنانے اور کفنانے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ گاؤں کا ہر فرد پریشان حال تھا، بلکہ اس موذی مرض میں راقم الحروف کا برادرِ کلاں جس کا نام فیض محمد تھا بھی شکار ہو گیا تھا اور اس مرض طاعون کا اثر والد مرحوم پر بھی ہوا مگر زندگی ابھی باقی تھی، سرکار پاک کی دُعائے خیر سے بچ رہے۔ اور قیامِ پاکستان کے بعد ستائیس سال تک بقیدِ حیات رہے۔

گاؤں کے اندر ایسا حال تھا کہ ایک میت سپردِ خاک ہوتی تو دوسری سے پھر تیسری تیار ہوتی۔ حتٰی کہ کھانا وغیرہ بھی قبرستان میں کھاتے تھے۔ اہلِ دیہہ نے سرکار پاک علیہ الرحمۃ کی خدمت بابرکت میں باہم صلاح مشورہ کر کے نمبردار جھنڈا کو ہوشیار پور بھیجا تاکہ درویش کی دُعا سے اللہ پاک اہلِ دیہہ کو اس موذی مرض سے نجات دلائے اور مرد و زن اس بلائے ناگہانی سے چھٹکارا حاصل کریں۔ پریشانِ حال جھنڈا نمبردار آپ کی خدمت اقدس میں ہوشیار پور پہنچا اور رو رو کر فریاد کرنے لگا کہ میرے وارث" گاؤں والے سخت پریشانی میں مبتلا ہیں اور اس موذی مرض کے پیشِ نظر کسی شخص کی بھی زندگی دوایک

دن سے زیادہ نظر نہیں آتی، لہٰذا آپ میرے ہمراہ گاؤں تشریف لے چلیں اور دُعائے خیر فرمائیں۔ اس گفتگو کے ساتھ مزید عرض کیا کہ ہمارے گاؤں میں بابا بوڑے شاہ مجذوب سکونت پذیر ہے۔ ہر روز صبح اُٹھ کر ہر گھر کے دروازے پر جاتا ہے اور کہتا ہے "کہ بھائی پھٹہ لیاواں" (یعنی مُردہ کو غُسل دینے والا تختہ لے کر آؤں) اس گھر میں سے کوئی نہ کوئی فرد راہیِ مُلکِ عدم ہو جاتا ہے۔

سرکار پاکؒ نے فرمایا کہ جھنڈیا! تم گاؤں کو واپس جاؤ اور مزید فرمایا کہ جب بوڑے شاہؒ ہمراہ جنازہ قبرستان جائے تو اُس کو صدقہ مت دینا اور اُسے دھتکار دینا بلکہ ڈنڈے سے خُوب پٹائی کرو۔ خدا اپنا فضل و کرم کرے گا۔ مگر جھنڈے نے کہا کہ سرکار! مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ مَیں جیتے جی موت کے منہ میں جاؤں۔ کسی دوسرے شخص کو گاؤں روانہ کر دو۔ جھنڈے کے انکار کی صُورت اور گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا کہ "ابھی تمہاری زندگی باقی ہے تم اس مرض سے نہیں مرو گے۔ اور جلدی جاؤ تاکہ لوگوں کا بھلا ہو جائے۔ جھنڈا آپ کے حُکم کی تعمیل پر ہوشیار پور سے واپس اپنے گاؤں آ گیا اور آتے ہی سیدھا قبرستان پہنچا۔ دیکھا کہ لوگ قبرستان میں بیٹھے ہیں اور قبریں کھود رہے ہیں۔ جھنڈے نے لوگوں سے کہا کہ سرکار پاک نے فرمایا ہے کہ بوڑے شاہ کو جب وہ قبرستان بہ ہمراہ میت آوے اُس کو کچھ مت دو۔ یعنی صدقہ اور خیرات وغیرہ اس کو کچھ نہ دینا بلکہ اس کی خُوب پٹائی کر دینا۔

لیکن اُن میں سے چند افراد نے کہا کہ موت تو خدا کے حُکم سے آتی ہے۔ اس میں بُوڑے شاہؒ کا کیا دخل ہے۔ وہ مست درویش ہے اس کو کیوں سزا دی جائے۔ مگر ان میں سے زیادہ افراد اس بات پر مُصر ہوئے کہ سرکار پاکؒ کے حُکم کی بھی پیروی کر کے دیکھ لی جائے لہٰذا جب بوڑے شاہؒ میت کے ہمراہ قبرستان کی طرف آ رہا تھا تو لوگوں نے اس کی سرزنش کی اور اس کو صدقہ و خیرات کچھ نہیں دیا۔ اس کو دھکے دے کر قبرستان سے نکال باہر کیا جب اس قسم کا سلوک اس کے ساتھ برتا گیا وہ یہ کہہ کر قبرستان سے دوڑ گیا کہ مَیں اب کبھی بھی پھٹہ لے کر نہیں آؤں گا (مَیں ہن پھٹہ نہیں لیاؤنا ہتو میاں جان دے، ہتو میاں جان دے) اُس کے جانے کے بعد گاؤں میں پھر کوئی شخص بھی موت کے منہ میں نہیں گیا بلکہ جتنے بھی مریض اس موذی مرض میں مبتلا تھے، سب کے سب تندرست اور صحت یاب ہو گئے۔ یہ سب سرکار پاک غریب نواز علیہ الرحمۃ کا کرم ہے کہ آپ کی اس دُعائے خیر سے باقی کے لوگ بچ گئے۔ "واللہ اعلم بالصواب"

❀❀❀

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ

حضرت قبلہ خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت ۱۲۰۷ھ بمقام جہان خیلاں نزد ہوشیارپور میں ہوئی۔ زمانہ شیرخوارگی یعنی تین سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ شمس العرفان خواجہ قادر بخشؒ علیہ الرحمۃ نے جام شہادت نوش فرمایا اور آپ چھوٹی سی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ جب آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا چالیسویں کا قل شریف ہوا۔ تو موقع کی مناسبت سے اور ساعت مبارک کو بہتر خیال فرماتے ہوئے حضرت حاجی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کے سر مبارک پر دستارِ فضیلت خلافت اپنے دست مبارک سے باندھ کر خلافت کا اعلان کر دیا اور سجادہ نشین مقرر کر دیا۔

آپ کے والد ماجد حضرت شمس العرفان خواجہ قادر بخشؒ کے دیگر خلفائیں میں سے حضرت امام بخش زاہونی۔ حضرت بلاقی شاہ حضرت عالم شاہ، حضرت بیگے شاہ اور حضرت نور احمد کی بھی دستار بندی فرمائی اور فرمایا کہ یہ پانچوں خلفا وزرا کی مانند ہوں گے اور ان میں خواجہ عبدالخالق بادشاہ ہوں گے اور سلسلہ کو کافی فروغ حاصل ہوگا۔ مخلوق خدا کو راہ راست پر لانے کے لیے نمایاں کردار ادا کریں گے۔

جب حضرت خواجہ عبدالخالق ذرا چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو درویشانِ علاقہ آپ کو تحصیل علم کے لیے سائیں نیک محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں لے جایا کرتے تھے۔ اسباق ختم ہونے پر واپس لے آیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ تحصیل علم کا باقاعدگی سے چلتا رہا۔ بعد ازاں حضرت مولوی پیر محمد کی خدمت اقدس میں بھیج دیا گیا۔ مولوی صاحب قبلہؒ آپ کے ساتھ مہربانی وشفقت سے پیش آئے، مگر کچھ نامساعد حالات کی بنا پر آپ کی والدہ ماجدہ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا لہٰذا آپ کو اُنہوں نے برادر طریقت محمد بخش صاحب سب انسپکٹر کی سپردگی میں دے دیا تاکہ اُن کے زیر سایہ رہ کر تعلیمات حاصل کر سکے؛ چنانچہ آپ بدستور دینی ودنیوی تعلیمات حاصل کرتے رہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد از تعلیم دنیوی آپ کو حضرت سائیں توکل شاہ انبالویؒ اپنے ساتھ انبالہ (مشرقی پنجاب بھارت) لے گئے۔ انبالے میں حضرت سائیں صاحب نے باقاعدگی سے تعلیمات دینیات تحصیل کرائیں۔ یہاں سے آپ نے اپنی مذکورہ تعلیمات حاصل کرنے کے بعد علم حدیث کے لیے حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث کی خدمت بابرکت میں سہارنپور (یو۔پی بھارت) تشریف لے گئے۔ اس دوران میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور قبلہ پیر مہر علی شاہ چشتی نظامی

(گولڑہ شریف) آپ کے ہم سبق رہے تھے۔

اس کے بعد آپ دہلی شریف میں مزید تعلیمات درس نظامی کی تکمیل کے لیے حضرت مولوی کریم صاحب اور مولوی سعید احمد صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ خواجہ عبدالخالقؒ نے ان علوم کی تکمیل میں محنت شاقہ سے نمایاں کامیابی و کامرانی حاصل کی۔ ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد آپ کا قلب ابھی تشنہ لب تھا۔

لہٰذا آپ ہر جگہ پر خانقاہ بزرگانِ دین کے پاس اپنی قلبی پیاس بجھانے کے لیے جاتے رہے مگر بقول! جہاں کسی کا حصہ ہوتا ہے وہیں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آخر کار اس ازلی حصہ کو پانے کے لیے تلاش بسیار کے بعد کامیابی نے ان کے قدم چومے اور شیخ احمد بخاری قادری کے سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ کے فروغ اور تبلیغ واشاعت کے لیے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ حضرت شیخ احمد بخاری قادریؒ کا وصال شریف رسول پور کنتور ضلع بارہ بنکی (یو۔پی بھارت) میں ہوا اور اسی جگہ مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ آستانہ پاک پر حاجتمند حضرات حاضر ہو کر دینی و دنیوی مرادوں کو حاصل کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالخالقؒ نے سلسلہ عالیہ خواجگانِ نقشبند میں حضرت حافظ حاجی محمود صاحب جالندھریؒ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد اپنے ہی وطن کوٹ عبدالخالق گاؤں کی طرح دبنیاد خود ہی رکھی اور اپنے نام پر اس کا نام رکھا۔ میں سکونت پذیر ہو گئے لوگوں کو راہِ ہدایت بخشنے لگے اور رہنمائی و رہبری کے لیے قدم اُٹھایا یہاں تک کہ آپ نے یتیم بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے ۱۲۲۴ھ میں کوٹ عبدالخالق میں سب سے پہلے ایک یتیم خانہ کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد جون ۱۹۰۵ء میں اسی یتیم خانہ میں ایک مدرسہ تعلیم القرآن کے نام سے جاری کیا۔ اس مدرسہ کے نیک مقاصد کے حصول کی خاطر محنتی، لائق اور پرہیز گار مدرس قبلہ حافظ محمد یعقوبؒ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جنہوں نے شب و روز محنت شاقہ سے اس مدرسہ کو درجہ پرائمری تک ترقیات دیں۔ اُن کے درس و تدریس میں مضامین دینیات کو لازمی قرار دیا گیا تاکہ بچگان بے سہارا دینی تعلیمات سے مالا مال ہوں۔

اس مدرسہ کا حساب و کتاب رکھنے کے لیے ایک انجمن کو تشکیل دیا گیا اور تین کمیٹیوں کا انتخاب عمل میں آیا۔ ا۔ رب کمیٹی۔ ۲۔ منتظمہ کمیٹی۔ ۳۔ جنرل کمیٹی جو مختلف مدات اور شعبوں میں رہنمائی کرتیں۔ اس انجمن کا نام انجمن خالقیہ تجویز کیا گیا۔ اس کو قانون اور قاعدے کے مطابق سب رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹرڈ کر دیا گیا۔ آہستہ آہستہ اس مدرسہ نے ارتقائی منازل طے کر کے پرائمری سے مڈل اور مڈل سے انٹرنس تک ترقی کر لی۔ آخر میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے ساتھ مذکورہ مدرسہ کا الحاق ہو گیا۔

حضرت خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمۃ نے دین اسلام کی جس انداز سے تبلیغ فرمائی وہ آپ ہی کا حصہ تھا جن طلباء کی درس و

تدریس خود فرمائی ہوگی وہ کیسے کیسے چاند ستارے ہوں گے۔ آپ کی کیمیا نظر فیض اثر نے گرد و نواح کے علاقے کو اپنا عقیدتمند بنا لیا تھا۔

آخر عمر میں آپ مختلف امراض میں مبتلا ہو گئے تھے اور پھر وہ دن بھی آن پہنچا جب آپ کی خالق حقیقی سے وصال کی تمنا پوری ہو گئی۔ آپ کا وصال شریف سترہ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ مطابق ۵ جون ۱۹۳۱ء بروز جمعۃ المبارک نماز فجر کی سنتیں ادا فرمائی تھیں کہ نماز فرض کی جماعت ہونے لگے۔ قبلہ مولوی رحیم الدین میرٹھی صاحب پیش امام تھے اور حضرت صاحب کے علاوہ خلیفہ عبدالرزاق سید دین علی شاہ اور مولوی سراج الدین صاحب بنگالی مقتدی تھے۔

جب دوسری رکعت کے آخری سجدہ میں تھے تو مکان کی چھت گر پڑی جس سے آپ نے جام شہادت نوش فرمایا اور باقی حضرات زخمی ہو گئی۔ آپ کا جنازہ مبارک کوٹ عبدالخالق لایا گیا بتاریخ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ بروز یک شنبہ دوبارہ نماز جنازہ کے بعد مطابق آپ کی وصیت کوٹ عبدالخالق متصل ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) میں جسدِ اطہر کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را



حضرت عمر دین چشتی نظامیؒ

حضرت قبلہ مولانا عمر الدین چشتی نظامی کے حالات حیات مبارک صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ گرد و نواح کے لوگ آپ سے فیض اکتساب کرتے رہے اور کافی مخلوق خدا کو راہِ مستقیم پر لائے۔

آپ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کے خلفاء میں سے تھے۔ شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے۔

۱	حضرت قبلہ مولانا عمر دین چشتی نظامیؒ	۲	خواجہ اللہ بخش تونسویؒ
۳	خواجہ سلیمان تونسویؒ	۴	خواجہ نور محمدؒ مہار شریف
۵	خواجہ فخر جہاں فخر الدین چشتی نظامیؒ دہلوی	۶	شاہ نظام الدین اورنگ آبادی
۷	شاہ کلیم اللہ دہلویؒ	۸	شیخ یحییٰ گجراتی مدنی
۹	شیخ محمدؒ	۱۰	شیخ حسنؒ
۱۱	جمال الدینؒ	۱۲	محمود راجنؒ

۱۳ خواجہ علم الحقؒ	۱۴ سراج دینؒ
۱۵ کمال الدینؒ	۱۶ نصیر الدین روشن چراغ دہلویؒ
۱۷ نظام الدین محبوب الٰہیؒ	۱۸ بابا فرید گنج شکرؒ
۱۹ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ۔	۲۰ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ
۲۱ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	۲۲ خواجہ حاجی شریف زندنیؒ
۲۳ خواجہ مودود چشتیؒ ۔	۲۴ خواجہ ابو یوسفؒ
[illegible] ابو محمدؒ	۲۶ شیخ یحییٰؒ

آپ کشف و حال بزرگ تھے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا نواب الدین چشتی صابریؒ چند احباب کے ساتھ مولانا عمر دینؒ کے پاس گڑھ شنکر تشریف لائے اسٹیشن ریلوے ٹرین سے اُتر کر دو اڑھائی میل کی مسافت پر حضرت مولانا موصوف کا

گزشتہ سے پیوستہ فٹ نوٹ نے

خواجہ اللہ بخش تونسویؒ : خواجہ سلیمان تونسویؒ کے وصال کے وقت آپ کے دو پوتے خواجہ اللہ بخشؒ اور خواجہ خیر محمدؒ فرزندان خواجہ گل محمدؒ موجود تھے۔ خواجہ سلیمان تونسویؒ کا فیض روحانی خواجہ اللہ بخشؒ کو حاصل ہوا اور وہی آپ کے جانشین تھے۔ خواجہ اللہ بخش تونسویؒ ذوالحجہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء تونسہ شریف میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کی ابتدائی تعلیم مولوی محمد امین صاحب سے ہوئی۔ مولوی صاحب موصوف خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے مرید اور عالم باعمل تھے۔ اس لیے خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ نے اپنے پوتے کو تعلیم کے لیے انہی کے سپرد کیا۔ آپؒ نے سب سے پہلے قرآن پاک پڑھا پھر فارسی نظم و نثر اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی مولوی صاحب موصوف سے پڑھیں۔ علاوہ ازیں انشا پردازی اور خوش نویسی میں بھی مہارت حاصل کی۔ تصوف کی بعض کتابیں اپنے جدامجد حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے پڑھیں۔ تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے اپنے جدامجد خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ریاضت و مجاہدات کی زندگی اختیار کی۔

ابتدائے شباب میں شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ بہترین لباس اور اعلیٰ سواری رکھتے تھے، لیکن بیعت کے بعد آپ نے فقر و درویشی اور ریاضت و مجاہدہ کی زندگی اختیار کی۔ آپ نے اوراد و وظائف کی کتاب 'دلائل الخیرات' حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے حاصل کی۔ آپؒ نے مسند نشین ہو کر علم و تقویٰ خلق عظیم اور لطف و کرم سے ہر خاص و عام کو اپنا گرویدہ بنایا اور حضرت کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آپؒ کے زمانہ میں سلسلہ نے بہت ترقی کی طالبان حق دُور دُور سے آپ کی خدمت میں اکتساب فیض کے لیے حاضر ہونے لگے۔

۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں بہت سے مریدین کے ہمراہ اونٹوں اور گھوڑوں پر ایک بڑے قافلے کی صورت میں براستہ بیکانیر اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ اجمیر شریف میں دس روز قیام کرنے کے بعد جے پور تشریف لے گئے اور مولانا ضیاء الدین خلیفہ حضرت خواجہ فخر الدین دہلویؒ کی خانقاہ میں تین روز قیام کیا۔

جے پور سے دہلی حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی پھر خواجہ فخر الدین کے آستانہ پاک پر حاضری دی اور دیگر مزارات پر بھی حاضری دی۔ بہادر شاہ ظفر کو آپ کے ورود دہلی کا علم ہوا تو آپ کی زیارت کے لیے درگاہ خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلویؒ میں ہاتھی پر سوار ہو

دربار شریف تھا، لہٰذا وہاں سے پیدل ہی چل دیے۔ ایک درخت کے زیرِ سایہ تھوڑی دیر ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ یہاں پر بیٹھ کر دل میں خیال آیا کہ یہ میرے دوائی کھانے کا وقت ہے اور وہ دوائی شہد کے ہمراہ استعمال کی جاتی ہے، مگر اس ویرانے میں شہد کہاں مل سکتا تھا۔ اسی اثنا میں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک گھوڑ سوار چلا آتا ہے جب وہ نزدیک پہنچا تو گھوڑے سے اُتر کر مولانا موصوف کے قدم بوس ہُوا۔ مولانا موصوف کے استفسار پر بتایا کہ حضرت مولانا عمر دین صاحب نے آپ کے استقبال کے لیے اور پیش قدمی کے لیے بھیجا ہے۔ مولانا نواب دین اس کے ہمراہ دربار شریف تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر علیک سلیک کے بعد سب سے پہلے آپ کو شہد پیش کیا گیا تاکہ دوائی بروقت بہمراہ شہد استعمال کر سکیں۔

آپؒ نے گردو نواح کے علاقے میں تبلیغ اسلام کے لیے ہر طرح سے جدوجہد کر کے ہندو، سکھ اور مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ آپ صاحب تصنیف تھے جس میں ایک قلمی نسخہ "مصطلاحات طالب حق" کا انکشاف ہُوا ہے جس کو ابھی تک شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ مریدین کو چاہیئے تھا کہ ان کو چھپوا دیتے تاکہ عوام و خاص اس سے استفادہ کر سکیں اور مستفیض ہو سکیں۔

آپ کے وصال شریف کے متعلق کوئی خاص معلومات نہیں ہو سکیں۔

کرآیا۔ دہلی کے قیام کے دوران بہت سے اکابرین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کی۔

دہلی سے ہانسی شریف شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے آستانہ پاک پر تشریف لے گئے۔ ہانسی سے سرسہ گئے اور خواجہ عبدالشکور سالی کے مزار کی زیارت کی اس کے بعد مہار شریف سے ہوتے ہُوئے تونسہ شریف لے آئے۔

۴ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء کو حج کے لیے ایک بڑے قافلے کے ہمراہ بذریعہ بحری جہاز جدہ پہنچے وہاں سے مکہ معظمہ گئے۔ ڈیڑھ ماہ قیام کر کے واپس جدہ آگئے۔ جدہ میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ دو ماہ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ آخر ۲۷، محرم ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء کو بمبئی سے تونسہ شریف پہنچ گئے۔ آپ نے زائرین کے لیے اور طلباء و فقراء کی آسائش کے لیے تونسہ شریف میں حجرے بنوائے تھے۔ آپ کا وصال ۲۹، جمادی الاوّل ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء کو بعمر ۸۰ سال ہُوا اور روضہ اقدس خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ میں مدفون ہُوئے۔

اولاد:

۱۔ خواجہ حافظ محمد موسیٰ ۲۔ میاں احمد۔ ۳۔ خواجہ محمود چشتی نظامی۔ **خلفاء:** خواجہ احمد میروی، ۲۔ مولانا غلام محی الدین (بکھڈ شریف) ۳۔ خواجہ محمد دین سیالویؒ۔ ۴۔ مولانا ناصر الدین ثلی اور ■۔ خواجہ عمر الدینؒ چشتی نظامی۔ (بحوالہ: صدیقۃ الاولیاء مؤلف غلام سرور قادری)



حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ

حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ، حضرت شیخ پیر محمد سچیار[۱] نوشاہیؒ کی اولاد امجاد میں سے بڑے زاہد و عابد گزرے ہیں۔ آپؒ کے والد ماجد سلطان فضل صاحب بن حضرت سلطان ملک صاحب بڑے پاکباز اور صائم الدہر تھے۔ آپؒ کے دو اور برادر تھے۔ حضرت غلام حیدر صاحبؒ اور حضرت اخلاص محمد صاحب۔ ان تینوں صاحبان کو اپنے مورث اعلیٰ حضرت سچیار نوشاہیؒ صاحب کا حکم ہوا تھا کہ تم دوآبہ میں جاکر خلق خدا کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کریں؛ چنانچہ ان صاحبان نے تاحیات ملک دوآبہ میں ہی مخلوق خدا کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے عمریں گزار دیں۔ حضرت شاہ بخش نوشاہیؒ کا نام عام طور پر دودھا دہاری مشہور تھا۔ آپ کا مزار اقدس ہریانہ ضلع ہوشیارپور میں مرجع خلائق ہے اور ہر سال سالانہ عرس پاک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔

---

[۱] شیخ پیر محمد سچیار نوشاہیؒ:۔ آپ گکھڑ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلہ نسب ایران کے کیانی سلاطین سے ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی ملک وارث خانؒ تھا جو علاقہ پوٹھوہار کے ایک گاؤں نڑالی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی کے ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے تھے شیخ پیر محمد سچیارؒ کی ولادت باسعادت بھی اس گاؤں میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا سایہ سر سے آپ کے بچپن میں اُٹھ گیا تھا جو ایک قومی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ والد ماجد کا سر سے سایہ اُٹھ جانے کے بعد آپ کی پرورش والدہ ماجدہ صاحبہؒ نے کی۔ سن بلوغت میں قدم رکھتے ہی آپ تلاش مرشد میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے وزیرآباد پہنچے اور وہاں سے دریائے چناب کے کنارے ایک گاؤں کا لیکے میں یادالٰہی میں مصروف ہو گئے۔ والدہ ماجدہ آپؒ کو تلاش کرتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں اور واپس جانے کے لیے اصرار کیا مگر آپ نے انکار کر دیا جس پر وہ بھی آپ کے ساتھ وہاں ہی مقیم ہو گئیں اور وہیں وفات پائی والدہ صاحبہ کی وفات کے بعد آپ ساہن پال شریف حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہو گئے۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا پھر شیخ پاک کے ارشاد کے مطابق نوشہرہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہ نوشہرہ گجرات شہر سے دس میل کے فاصلے پر بجانب مشرق دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ آپ کا وصال شریف ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء میں ہوا۔ مزار اقدس نوشہرہ میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت سرکار صدقی شاہ چشتی صابریؒ

حضرت سرکار صدقی شاہ چشتی صابریؒ موضع سلہریاں کلاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں سکونت رکھتے تھے۔ آپ خاندان راجپوت اور گوت منڈے کے چشم و چراغ تھے۔ بچپن سے مزاج اقدس فطرتاً سیاحی پسند تھا۔ تمام عمر رشتہ ازدواجی سے علیحدہ رہے اور شادی نہیں کی۔ آپ نے تمام عمر اپنے مرشد پاک قبلہ سائیں رحمت شاہ جو کہ خاندان گوجر سے واسطہ رکھتے تھے۔ بہت زیادہ خدمات سرانجام دیں اور انہی سے دینی و دنیوی تعلیمات حاصل کرتے تھے۔ آپ کے مرشد پاک موضع گورسیاں متصل دریائے بیاس (کاہنواں) ضلع گورداسپور کے نزدیک بود و باش رکھتے تھے۔ دربار شریف بنا ہوا تھا۔ وہ جگہ اُن کے ایک مرید سید چراغ شاہ کی ملکیت تھی جو دربار شریف کے نام ہبہ کر دی تھی۔ سید چراغ شاہ کا وصال ۱۹۰۸ء میں اسی مقام پر ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دربار شریف کے نام دس ایکڑ اراضی بھی تھی۔ آخر عمر میں سائیں صدقی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیات و عشق و محبت کی آگ زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ پھر اسی جگہ پر انتقال فرمایا۔ آپ کے مرشد پاک کے آستانہ پاک کے ایک طرف مدفون ہوئے۔ تاریخ وصال شریف ۱۸۹۸ء ہے اور ہر سال ۲۲ جیٹھ کو عرس پاک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ طریقت مخدوم پاک علی احمد صابرؒ تک پہنچتا ہے اور شجرہ طریقت اس طرح سے ہے۔

حضرت سائیں سرکار صدقی شاہ چشتی صابری خلیفہ سائیں رحمت شاہ چشتی صابری خلیفہ پیر بہادر علی شاہ چشتی صابری ٹھسکہ شریف والے خلیفہ نور علی شاہؒ خلیفہ پیر محمد عمر شاہ سالکؒ خلیفہ پیر عبداللہ شاہ چشتی صابریؒ خلیفہ سرکار پاک سید میراں شاہ بھیک چشتی صابریؒ۔ (از حوالہ "سلیم التواریخ")



حضرت میاں خاکی شاہ چشتی نظامیؒ

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد حسنؒ تھا۔ آپ کی پیدائش قصبہ خانپور متصل ہوشیارپور میں ہوئی۔ ابھی بچپن ہی میں تھے کہ والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا جس کی وجہ سے آپ موضع پنڈوری بی بی اپنی خالہ صاحبہ کے ہاں تشریف لے

گئے۔ یہی حالت فقر تھی۔ تمام عمر گزری، عالمِ شباب میں آپ کا صاحبِ ذوق اور عاشقِ صادق لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ تمام عمر مجرد رہے۔ آپ نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور معروف بزرگ حضرت سید حسین علی شاہ چشتی نظامیؒ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت سے سرفراز ہوئے جو اپنے وقت کے کامل اولیاء میں سے تھے۔ آپ ان کے ہمراہ ایک مدت تک سیاحی فرماتے رہے۔ اس سیاحی کے دوران آپ نے مختلف بزرگانِ دین کی صحبت سے کسبِ فیض کیا۔ آپ سیدھے سادے اور باشرع درویش تھے۔ لباس زیادہ تر گیروے رنگ کا ہوتا تھا اور سر پر ترکی نما ٹوپی استعمال فرماتے تھے اور پاؤں میں چوبی کھڑائیں استعمال فرماتے تھے۔ آپ نے ایک ایسے دور میں جنم لیا جبکہ خالصہ مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم ڈھا رہے تھے۔ دینِ اسلام کی تبلیغ کرنا بڑا جوکھوں کا کام تھا، مگر آپ پر مرشد پاک کے صدقے میں اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا کرم تھا اور سکھوں میں وہ کشش تھی کہ سبھی مذاہب والے مثلاً ہندو، سکھ، عیسائی اور مسلمان آپؒ کے اخلاق سے متاثر ہو کر گرویدہ ہو گئے تھے۔ وصال شریف کے بعد مذکورہ گاؤں آپ کے نام پر پنڈوری خاکی شاہؒ آباد ہے۔ یہ موضع ہوشیارپور سے بطرف مغرب گیارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور نصر اللہ ریلوے اسٹیشن کے نزدیک پڑتا ہے۔ مزار اقدس کے نام پانچ ایکڑ زمین معافی تھی۔ اس کے علاوہ دس ایکڑ زرعی زمین زرخرید بھی تھی۔

آپ کے مریدین میں بابا اتھل داس ہندو نہایت ہی عقیدت مند تھا۔ اس کی قبر بھی وہیں ہے۔ آپ کا وصال شریف ۱۶ رجمادی الثانی ۱۲۹۲ھ بعمر ۷۰ سال میں ہوا۔ شجرۂ طریقت اس طرح سے ہے۔

میاں خاکی شاہؒ چشتی نظامی خلیفہ حضرت حسین علی شاہ چشتی نظامیؒ خلیفہ حضرت یقین علی شاہؒ خلیفہ شاہ عبدالرزاق شاہ چشتی نظامیؒ، خلیفہ شاہ محمد صادق چشتی نظامیؒ خلیفہ حضرت عاشق محمد شاہ والیؒ، خلیفہ فرخ شاہ والی چشتی نظامیؒ، خلیفہ قطب شاہ والی چشتی نظامی خلیفہ شاہ نظام الدین لاہوری (نارائی) خلیفہ خواجہ خانوں تاج ناگوریؒ خلیفہ شیخ اسمٰعیل چندیریؒ خلیفہ خواجہ حسن پرستؒ خلیفہ خواجہ رجب سالار بہشتی خلیفہ اختیار الدین عمر ابرجیؒ خلیفہ محمد رسادیؒ خلیفہ نصیر الدین روشن چراغ دہلویؒ، خلیفہ حضرت سلطان جی محبوب الٰہیؒ، خلیفہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خلیفہ خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیریؒ۔



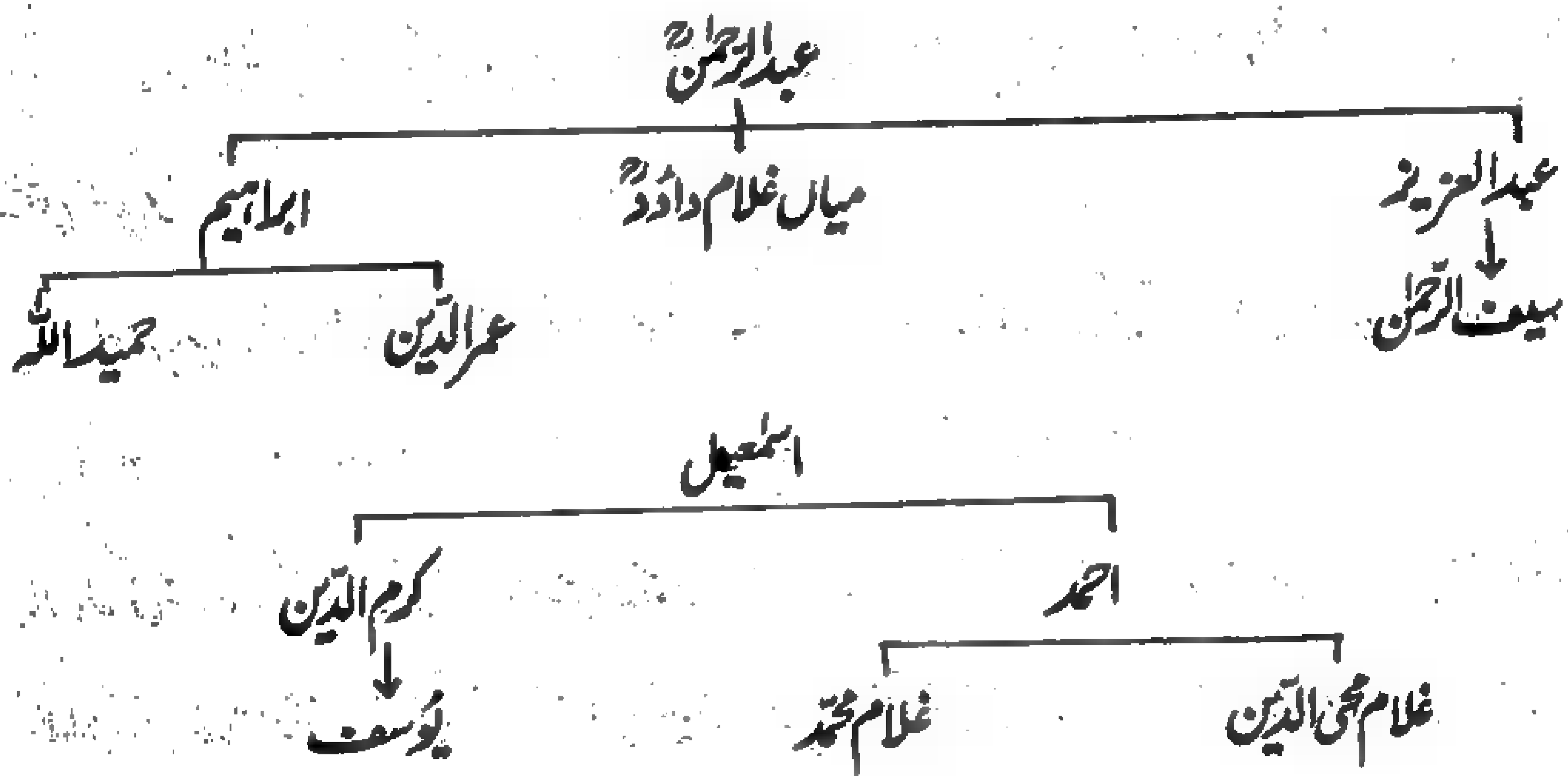
حضرت میاں غلام داؤدؒ

آپ کی ولادت باسعادت بمقام بسی کلاں ضلع ہوشیارپور میں ہوئی آپ قوم کے راجپوت اور گوت ۔ بوٹ تھی۔

آپؒ بہت بڑے عالم اور (ولی اللہ) تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عبدالرحمٰن نقشبندی اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہُوئے اُن کے وصال کے بعد سلسلہ عالیہ قادریہ کے سرچشمہ فیض سید قطب شاہ قادری کے دست حق پرست پر بیعت سے سرفراز ہُوئے۔ جو بسی کلاں ہی میں سکونت رکھتے تھے۔ بسی کلاں ہوشیار پور سے بطرف جنوب ۱۱ میل کے فاصلے پر ہے اور ماہلپور۔ گڑھ شنکر کی سڑک پر واقع ہے۔ بسی کلاں میں ۱۲ کنال اراضی معافی زرخیدان کی تھی۔ موضع چوٹالہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں بھی ۲۸ ایکڑ اراضی مزار کے نام پر بیع تھی۔ آپ کا وصال شریف بعمر ۱۱۵ سال میں موضع مذکور بسی کلاں میں ہُوا اور وہیں پر مزار اقدس بنا۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کی۔ گردو نواح کے علاقے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔

وصال کے بعد آپ کا برادر عبدالعزیز سجادہ نشین ہُوا۔

شجرۂ نسب اس طرح سے ہے۔



حضرت بابا ماہی شاہ نوشاہیؒ

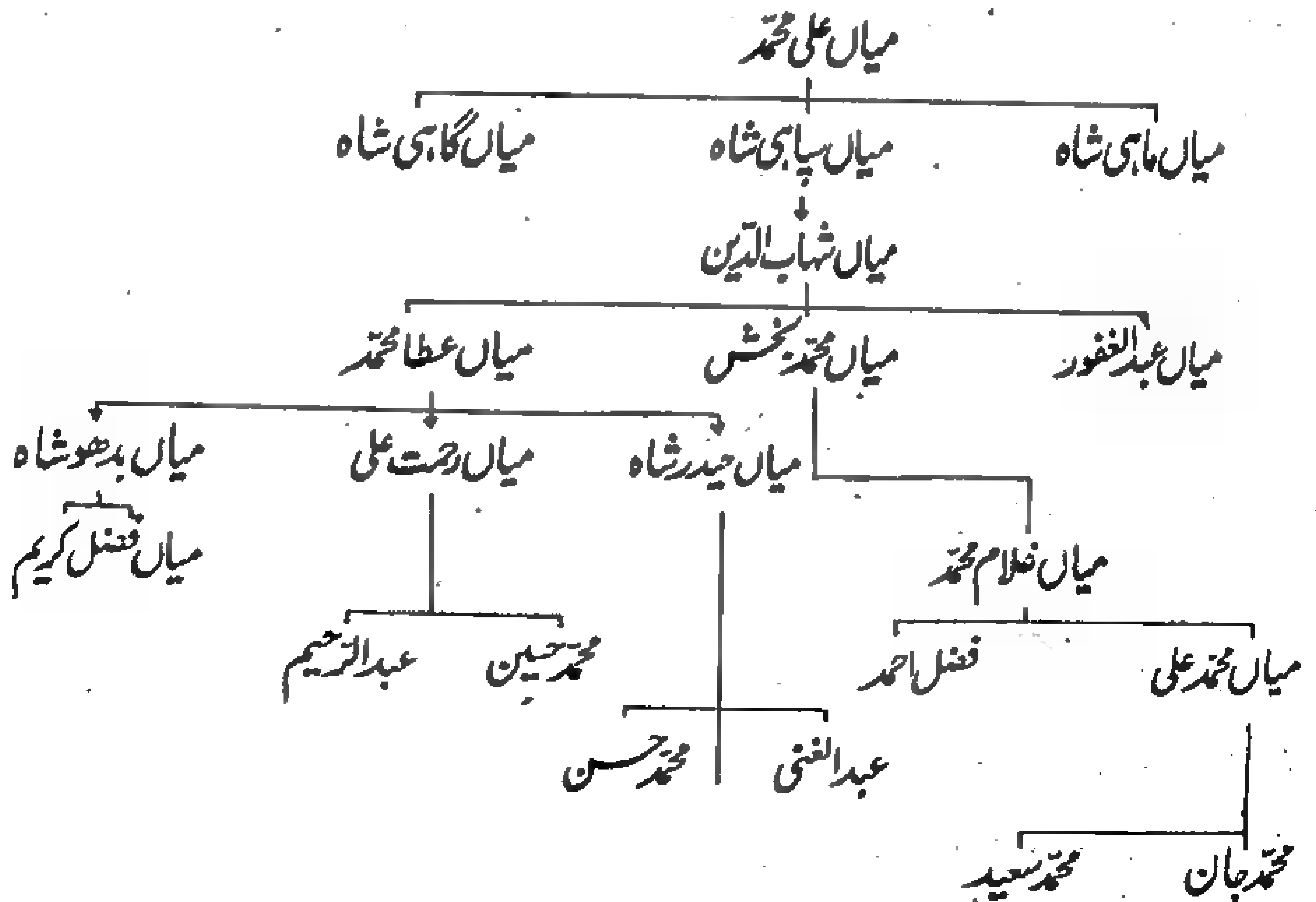
بابا ماہی شاہؒ کی ولادت باسعادت ۲۳ رمضان المبارک ۱۰۸۹ھ بمطابق ۸ ماگھ ۱۷۱۲ بکرمی میں ہُوئی۔ آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں علی محمد تھا۔ تمام عمر مجرد رہے۔ آپ کی دُنیاوی تعلیم بھی ضرورت کے مطابق تھی۔ دینی تعلیم میں قرآن پاک اور حدیث وغیرہ کی بھی تلاوت فرمالیتے تھے۔ گردو نواح کے لوگ آپ کے گرویدہ و معتقد تھے۔ مخلوق خدا کو راہِ مستقیم پر لانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔ باشرع درویش تھے۔ آپ نے سلسلہ عالیہ نوشاہیہ میں بحرِ سخا حضرت بخت جمال نوشاہی رحمۃ

اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے خلافت سے سرفراز ہُوئے۔ آپ کا وصال شریف بعمر ۱۰۵ سال ۱۱۹۴ ہجری میں ہُوا۔ مزار اقدس جھنگی شریف جو آپ کے نام پر جھنگی ماہی شاہ مشہور تھا۔ جھنگی ماہی شاہ مکیریاں ریلوے اسٹیشن سے جنوب مغرب کی طرف ۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

آپ سے ہزاروں کرامتیں ظہور میں آئیں۔ آپ نے ایک مسجد پختہ اور تالاب بنایا۔ اُن کی تعمیر میں جب مزدوروں کو شام کے وقت مزدوری ادا کرتے تو اپنے مصلّے کے نیچے دست مبارک ڈال کر روپے پیسے بمطابق مزدوری ادا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مزدور بدنیتی کی وجہ سے بوقت شب چوری کرنے آیا۔ جب اس نے مصلّیٰ کو اُٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔ وہ پریشان ہو کر واپس چلا گیا۔ دوسرے دن جب وہی مزدور دن بھر کام کر چکا تو بوقت شام مزدوری آپ نے اس کو دوگنا مزدوری دے کر فرمایا کہ یہ شخص رات کو بھی کام کرتا رہا۔ مزدور بہت شرمندہ ہُوا اور معافی کا خواستگار ہُوا۔

آپؒ کا سالانہ عرس پاک کاتک کے مہینے جو نیا چاند طلوع ہوتا تھا۔ اس مہینے کی گیارہ تاریخ کو منعقد پزیر ہوتا تھا۔ اور دوسرا عرس پاک ماہ جیٹھ کے نیا چاند کی ۱۱ تاریخ کو نہایت دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ عرس پاک کی تقریبات پندرہ دن تک جاری رہتیں تھیں جس میں بلا مذہب و ملت عوام شرکت کرتے تھے۔ اس عرس میں ہر قسم کے کھیل تماشے وغیرہ ہوتے تھے۔ دُور دُور سے لوگ عرس میں آ کر شرکت کرتے تھے۔ آپ کے گاؤں کی تمام اراضی معافی تھی۔ کوئی نمبردار وغیرہ مقرر نہیں تھا۔

شجرہ نسب اس طرح سے ہے :۔



شجرۂ طریقت!

حضرت میاں ماہی شاہ نوشاہیؒ خلیفہ حضرت بخت جمال نوشاہیؒ خلیفہ حضرت پیر محمد سچیار نوشاہیؒ خلیفہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ خلیفہ حضرت شاہ سلیمانؒ خلیفہ حضرت شیخ معروفؒ خلیفہ سید مبارک قادریؒ خلیفہ سید محمد غوث قادریؒ (اوچ شریف)



حضرت میاں نصر اللہ صاحبؒ قادری

حضرت میاں نصر اللہ صاحب میانی افغاناں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں حضرت میاں صاحب درس والے کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کے وصال پاک کو تین سو سال ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار اقدس پیر درس والے کے نام سے

لے حضرت بخت جمال نوشاہیؒ! آپ کا اصلی وطن موضع چوپالہ ضلع گجرات تھا۔ دن رات حضرت سچیار صاحب نوشاہیؒ اپنے پیر و مرشد کی خدمت برکت میں حاضر رہتے کچھ عرصہ کے بعد اُنھوں نے کمال مہربانی سے خطاب بہ تیر انداز ؒ سے مخاطب فرما کر آپ کو دریائے راوی کی طرف جانے کا حکم کیا۔ آپ حسب الارشاد کنارہ دریا جا کر یادِ خدا میں مشغول ہوئے۔ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت جاگزین ہوئی۔ مویشی چرانے والے لڑکے اپنے گھروں سے ٹکڑے لاتے آپ اُن سے گزارہ کرتے۔ ایک مرتبہ دریائے راوی میں سخت طغیانی آئی جس کی وجہ سے گردونواح کے مواضع جات کا بہت نقصان ہوا لوگوں نے خیال کیا کہ آج وہ فقیر دریا میں بہہ گیا ہوگا۔ جب جا کر دیکھا تو آپ صحیح سلامت بیٹھے ہیں۔ اُن کے گرد ایک دائرہ کھینچا ہوا ہے جس کے اندر پانی کا قطرہ تک نہیں آیا۔

ایک روز آپؒ نے حضرت سچیار صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میں غریب زمیندار ہوں مجھ پر مہربانی ہو جائے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ ہم نے تجھ کو روحانی مرضوں کا طبیب کر دیا ہے۔ چنانچہ آپؒ ایسے ہی ہوئے اور اکثر لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ سردار خاں بہادر ایک رئیس شخص آپ کا بہت ہی معتقد تھا۔ ایک روز کوئی آدمی چاول اور شکر آپ کو دے گیا کہ پکاؤ اور کھاؤ لیکن یادِ الٰہی سے اتنی فراغت کہاں تھی کہ پکاتے وہ چیزیں ویسے ہی پڑی رہیں۔ دوسرے دن ایک پیر مرد بمعہ تین حاجی مردوں کے آیا اور کچھ کھانے کو مانگا۔ آپ نے وہ چاول کوزہ میں پکا کر اوپر شکر ڈال کر اُن کے آگے رکھے وہ کھا کر چل دیئے اور ان میں سے ایک مرد درویش نے کہا کہ شاباش! تو نے ہماری آبرو رکھ لی۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت حضرؑ تھے اور وہ تینوں آدمی پیران عظام میں سے تھے۔

آپؒ کی اولاد میں سے کئی صاحب کمال بزرگ گذرے ہیں جن میں سے حضرت عبدالغفور صاحب اور سلطان علی صاحب نوشاہی دو آبہ میں گزرے ہیں۔ آپؒ کے خلفاء میں حاجی الحرمین حضرت محمد شریف صاحب نوشاہی کشف و کرامات گزرے ہیں۔ انہوں نے بحکم مرشد پاک موضع جگدیو ضلع امرتسر میں تبلیغ دین اسلام کی اور خلق اللہ کو راہ ہدایت دکھائی۔ ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت ہاشم شاہ نہایت پاکباز مرد مجاہد تھے۔ آپؒ کے عاشقانہ اشعار پنجابی مختلف کو: صورت میں کافی مقبول عام ہیں۔ حضرت بخت جمال کے درویشوں میں ایک درویش سائیں گپی شاہ موضع پنڈوری ضلع جالندھر میں گزرے ہیں حضرت بخت جمال نوشاہیؒ کا مزار اقدس بمقام جھنگی بخت جمال برلب دریائے راوی ضلع گورداسپور میں مرجع خلائق ہے۔

زبان زد عام ہے۔ عالم وفاضل تھے۔ درس وتدریس میں تمام عمر بسر کردی۔ دُور دُور سے بیسیوں طلباء آتے تھے اور تعلیم دینی حاصل کرتے۔ جب ان کی تعلیم اختتام کو پہنچتی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد طلباء کو تصدیق شدہ سندیں دی جاتیں۔ جس پر درس پیران درس میانی افغاناں کی مہر ثبت ہوتی تھی۔

اورنگ زیب بادشاہ کی طرف سے شاہی خزانے سے درس میانی کے لیے اراضیات معافی بنام مسجد عطا ہوئی تھی طالب علموں کو مفت تعلیم اور رہائش وخوراک کی سہولتیں دی جاتیں تھی۔ ان کے وصال کے بعد مولوی محمد جمیل صاحب کی سعی و کوشش سے بزرگوں کا نام زندہ تھا۔ اُن کا شمار بزرگوں کی صف میں تھا۔



حکیم مولوی غلام رسُول صاحبؒ قادری

حضرت قبلہ حکیم مولوی غلام رسُول قادریؒ کے والد ماجد کا نام میاں نور احمدؒ تھا۔ یہ میاں نصر اللہ درس والوں کے نواسے تھے۔ مولوی صاحب کے جد امجد میاں فخر الدین اس درسگاہ میں تعلیم دیا کرتے تھے۔ مولوی صاحبؒ نہایت پاک نفس عالم وفاضل تھے۔ میاں فخر الدین کے تین صاحبزادے تھے۔ ان میں میاں نور احمد سب سے بڑے تھے۔ نانا کی درسگاہ میں والد ماجد سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نہایت متقی پرہیز گار تھے۔ آپؒ موضع آوان گھوڑے بابا کے لوگوں کی درخواست پر میانی سے آوان گھوڑے بابا (میانی سے چار میل کا فاصلہ) منتقل ہوگئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔ آپؒ صبح اُٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو سینکڑوں آدمی باوضو ہوکر قرآن پاک کی تلاوت سماعت کرتے اور روحانی مسرتیں حاصل کرتے تھے۔ ۱۸۱۹ء میں آپ کے یہاں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی جو بعد میں مولوی غلام رسول صاحبؒ کے نام سے تمام پنجاب میں مشہور ومعروف ہوئے۔ آپ بچپن سے ذہین اور صاحب ذوق وشوق تھے۔ آپؒ کی رسم بسم اللہ چار سال چار ماہ چار دن میں ہوئی۔ آپ نے دینی تعلیم میں مولوی عبدالرحیم زاغستانی اور مولوی غلام مصطفےٰ میانی والے سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں علم منطق۔ فلسفہ حدیث وفقہ تفسیر طب اور تصوف کے علوم مسجد فتح پوری میں حاصل کیے۔ یہ دَور پنجاب میں خالصوں کی بدامنی اور دہلی میں بہادر شاہ ظفر کی حکومت میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی، مگر آپؒ نے اس پُرآشوب دَور میں بھی سات سال تک تعلیم کو جاری رکھا اور پائے استقامت میں لغزش تک نہ آئی اس دوران میں تین سال محض علوم طب کے حصول کی خاطر حکیم محمد شریف خاں صاحب کے صاحبزادے محمد صادق علی خاں سے استفادہ کیا۔

فٹ نوٹ (از حوالہ "سلیم التواریخ")

قانون شیخ آپ نے علوی خاں صاحب سے پڑھا۔ موجز اور سدیدی حکیم محمد اکبر خاں ارزانی صاحب سے پڑھے۔ اس کے بعد آپؒ ہوشیار پور تشریف لے آئے۔ چند روز میانی رہ کر موضع گھوڑے باہا آوان چلے گئے۔ آپ کے علم و فضل نے گرد و نواح میں عوام کو مستفیض فرمایا۔

۱۸۴۷ء اور ۱۸۴۸ء میں انگریزی تصرف شروع ہو گیا تھا اور خالصہ دور ختم ہو رہا تھا۔ لوگ سکھ کا سانس لے رہے تھے۔ آپ نے پچاس برس تک لوگوں کو عربی فارسی طب، فقہ و حدیث وغیرہ کی بغیر کسی معاوضہ کے لوگوں کو تعلیم دی۔ آپ کے اخلاق و اوصاف حمیدہ سے علاقے بھر کے عوام گرویدہ ہو گئے تھے۔ آپ نے چار سال تک دوسوہہ میں مطب کیا۔ یہاں سے شیر خاں رئیس اڑمڑ نے دوبارہ آپؒ کو اڑمڑ ٹانڈہ بلوالیا کیونکہ یہ رئیسان اڑمڑ اور ٹانڈہ آپؒ کو کسی دوسری جگہ نہیں جانے دیتے تھے۔

اس کے بعد آپ کے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم نے درس و تدریس کا کام چلایا۔ آپ نے رفاہِ عامہ کے لیے ہوشیار پور میں طبی خدمات سرانجام دیں۔

ایسے نفوس قدسیہ بغیر مرشد طریقت کے نہیں رہ سکتے، للہذا آپؒ نے مولوی برکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں کے دست حق پرست پر بیعت کر کے طریقت میں داخل ہوئے۔ جناب میاں غلام محی الدین قادریؒ رئیس بستی غذاں کے برادر طریقت تھے۔ آپؒ کے ہم عصر بزرگان دین میاں بگے شاہؒ، شاہ الٰہی بخش قادری عرف سائیں الٰہی شاہ قادریؒ تھے۔

آپ کا وصال شریف ۱۴؍ جمادی الآخر ۱۳۱۶ھ مطابق ۳۰؍ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں بروز یک شنبہ ہوا۔ آپ کی اولاد میں مولوی محمد ابراہیم۔ محمد اسمٰعیل، مولوی محمد یعقوب منشی محمد یوسف، حکیم محمد اسحٰق اور مولانا حکیم مولوی عبدالعلی صاحب تھے۔



حضرت خواجہ حافظ کرم بخشؒ چشتی صابری

ہوشیار پور شہر کے محلہ کمیٹی گنج کے مغل گھرانے میں تقریباً ۱۲۳۲ ہجری سرکار حافظ کرم بخشؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپؒ کے والدین پابند صوم و صلوٰۃ تھے، للہذا خاندانی اثرات کی وجہ سے آپ کی تعلیم و تربیت بھی بجائے مدرسہ کے مسجد سے ہوئی اور ابتدائی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ آپ نے قرأت میں بھی ایک خاص مقام حاصل کیا اور عوام

میں آپ بلند پایہ قاری اور حافظ کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپؒ کی طبیعت میں استغنا اور خودداری بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس لیے آپ نے حفظ قرآن پاک اور اپنے علم وفضل کو زمانے کی عام روش کے مطابق ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ اس کے برعکس رنگریزی کا پیشہ اختیار کیا اور اس کام کے ذریعے اپنے کام کو وسعت دی اور چرنجیاں (ایک قسم کا دوپٹہ) رنگ کر دوسرے شہروں میں بھیجتے تھے۔ باوجود اتنے وسیع کاروبار کے آپ کا دل ہر وقت یادِ الٰہی کی طرف مائل رہتا تھا۔ باوجود عالم شباب میں کامل مرشد کی تلاش میں ٹانڈہ شریف تشریف لے گئے اور وہاں حضرت امیر شاہ چشتی صابریؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مُشرّف ہوئے۔ مُشرّف بیعت حاصل کرنے کے بعد آپؒ ہر وقت یادِ خُدا میں مشغول رہنے لگے لیکن باوجود یادِ الٰہی کمال انہماک کے بھی کسب معاش کے سلسلے کو ترک نہیں کیا، بلکہ الکاسب حبیب اللہ پر عمل پیرا ہو کر قرب الٰہی حاصل کیا۔ آپؒ کے باطنی اور رُوحانی شغف کا کوئی علم نہ تھا۔ آپؒ ان معاملات میں حد درجہ اخفا سے کام لیتے تھے۔

آپؒ متواتر بارہ سال تک روزانہ رات کو بیس میل کا پیدل سفر طے کر کے اپنے شیخ طریقت حضرت امیر شاہ چشتی صابریؒ کی خدمت اقدس میں ٹانڈہ شریف سلام کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ آمد و رفت کے دوران آپ ایک قرآن پاک جاتے ہوئے اور ایک واپسی میں ختم فرماتے تھے۔ آخر بارہ سال کے بعد حضرت امیر شاہ چشتی صابریؒ نے فرمایا کہ اب حاضری کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ اس طرح سے ہے کہ جب بارہ سال ہونے میں ایک دن باقی تھا۔ وہ سخت جاڑے کے ایام تھے، مُسلسل بارش و باراں اور سردی کی وجہ سے حافظ صاحبؒ قبلہ کے دل میں خیال آیا کہ آج نہ جایا جائے، کیونکہ ہوشیار پور سے ٹانڈہ تک راستے میں سات برساتی نالے گزرتے تھے۔ جن کو سیلاب کی صورت میں عبور کرنا بہت مشکل تھا، مگر دل کشاں کشاں اس مشکل کو بھی آسان سمجھ کر پیش قدمی کر کے آگے بڑھا۔ دوسری طرف سرکار امیر شاہ چشتی صابریؒ سرکار حافظ صاحبؒ کے لیے دُعائیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ میرے حافظ کی خیر تو ہی اس کا والی و وارث ہے۔ لہٰذا جب آپؒ ٹانڈہ شریف پہنچے تو سرکار امیر شاہ چشتی صابریؒ انتظار فرما رہے تھے۔ حافظ صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ آج سے تمہاری تمام مشکلیں آسان ہو گئیں ہیں، لہٰذا اب آپؒ ہماری خدمت میں حاضری کے لیے سعی نہ کریں اور نہ ہی آئندہ آنے کی زحمت کریں۔

آپؒ نے حافظ صاحبؒ کو سینے سے لگایا اور صُبح کی آمد سے پہلے پہلے خرقہ خلافت سے نواز کر رخصت کر دیا اس کے بعد آپؒ کی آمد و رفت تو جاری رہی مگر اس میں روزانہ کی حاضری شامل نہیں تھی۔ آپؒ روزانہ رات کو بعد از نماز عشا، جب مخلوق خدا دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر استراحت میں محو خواب ہوتی۔ جھڑی بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ (جو ہوشیار پور شہر سے بجانب شمال ایک گھنا جنگل تھا) میں تشریف لے جاتے اور تمام رات عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور صبح صادق سے پہلے گھر تشریف لاتے اور فجر کی نماز شہر میں آکر مسجد میں ادا فرماتے۔ آپؒ نے تمام عمر میں پانچ یا سات افراد کو داخل سلسلہ کیا اُن

سب میں کامل اکمل خلافت وسیادت کے حامل آپؒ کے خلیفہ اعظم حضرت سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابریؒ تھے اور دوسرے شیخ برکت علی چشتی صابریؒ تھے۔

آپ کو موسم سرما میں گنّے بہت مرغوب تھے۔ کھانے میں زیادہ تر مکھن استعمال فرماتے تھے۔ آپ کی اولاد امجاد میں دو صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا اسم گرامی میاں فخرالدین جو محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔ تقسیم ہند کے بعد گوجرانوالہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں ۱۳۸۰ھ میں وصال ہُوا۔ مزار اقدس اُروپ شریف موضع میں واقع ہے۔ دوسرے صاحبزادے میاں دولت علی صاحب تھے۔ جن کا وصال غلام محمد آباد فیصل آباد میں ہُوا۔

ایک دفعہ ایک فوجی پنشنر قوم راجپوت جس کے دل میں والئی دوجہاں سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی بے قراری کی حالت میں بوقت شب ہاتھ میں ڈنڈا لیے جنگل میں سرگرداں پھرتا رہتا تھا۔ اگر کوئی شخص راستہ میں دکھائی دیتا تو گرجدار آواز میں چلاتا اور سوال کرتا تم کون ہو؟ اگر کسی نے کسر نفسی سے کام لیتے ہُوئے کہہ دیا میں فقیر منش آدمی ہُوں۔ جھٹ سے دوسرا سوال اسی انداز تکلم میں کرتا اگر فقیر ہے تو مجھے سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچا دو اگر وہ ایسا کہنے میں عاجزی ظاہر کرتا تو اس کے سر پر زور سے ڈنڈا مار کر جان سے مار دیتا۔ ایک دن اس کی قسمت کا ستارہ چمکا کسی شخص نے بتا دیا کہ ہوشیار پور میں ایک بحر بیکراں ہستی رہتی ہے لیکن اُنہوں نے اپنے آپ کو دُنیاداروں سے لنفا کر رکھا ہے۔ اُن سے ملنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ شب کو جھوٹی بابا فرید گنج شکرؒ بوقت شب نصف تشریف لے جاتے ہیں۔ راستے میں ایک پہاڑی ندی میں پہلے غسل کرتے ہیں لہٰذا تم رات کو اس پہاڑی ندی کے آس پاس بیٹھ رہنا جب حافظ صاحب تشریف لائیں اپنی ازلی تمنا کی درخواست پیش کر دینا۔ حسب ہدایت وہ فوجی اس پہاڑی ندی کے اردگرد ہی پھرتا رہا۔ جب اس نے پانی میں کسی کو غسل کرنے کا شور سُنا اس نے نزدیک آکر حسب عادت وہی سوال کیا۔ تم کون ہو؟ تو آپؒ نے جھڑک کر فرمایا چُپ رہو ہمیں غسل کرنے دو۔ آپ کی آواز میں یہ اثر تھا کہ وہ فوجی آپ کی آواز سے اس قدر خوفزدہ ہُوا کہ اس کی تمام طاقت کا نشہ کافور ہو گیا۔ جب حافظ صاحبؒ غسل سے فارغ ہُوئے کپڑے پہنے اور اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے ڈرتے ہُوئے عاجزی وانکساری سے جواب دیا کہ میری ازلی تمنا یہ ہے کہ مجھے بارگاہ نبوت رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا دیجیے۔ آپؒ نے فرمایا کہ وضو کر کے دو نفل کی نیت باندھ کر اور مقتدی بن کر میرے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب اس شخص نے آپؒ کے ساتھ سجدہ میں سر رکھا تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں پہنچ گیا۔ والئے دوجہاں نے نظر شفقت فرمائی اور وہ شخص خوشی سے پھُولا نہ سمایا۔ پھر وہ شخص اُسی جگہ پر تمام عمر رہا اور اسی جگہ اس کی مٹی ہُوئی یعنی اس کا وصال ہُوا۔

ایک دفعہ حکیم شیخ عبدالرحمٰن نے حافظ صاحبؒ کی اقتدا میں نماز ادا کی جب سر سجدہ میں رکھا تو حافظ صاحبؒ نے

مقاماتِ مقدسہ خانہ کعبہ، مدینہ منورہ، نجف اشرف، کربلا معلیٰ وغیرہ کی زیارتیں کروادیں۔ جب سجدہ میں زیادہ دیر ہوگئی تو شیخ عبدالرحمٰن نے سر سجدہ سے اُٹھا لیا۔ لیکن جب حافظ صاحب کو سجدہ میں سر رکھتے ہُوئے دیکھا، دوبارہ سجدہ میں چلا گیا۔ مگر اب وہ منظر ختم ہو چکا تھا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہُوئے تو حکیم شیخ عبدالرحمٰن نے دست بستہ عرض کیا کہ آج تو آپ کی برکت سے مقاماتِ مقدسہ کی زیارتیں ہوگئیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارا وہم وخیال ہے۔ اس نے کہا کہ حضور سچ کہتا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا اگر سچ ہے تو تم نے سجدہ سے سر کیوں اُٹھایا۔

وہ رونق انجمن کی ہے اُنہیں خلوت گزینوں میں ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو
بھلا اے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق

ایک دفعہ بروز عاشورہ ہوشیارپور میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور اس فساد و دنگا میں شیخ مہر علی پیش پیش تھے کافی خون خرابہ ہُوا اور یہ فساد فرقہ وارانہ شکل اختیار کر گیا۔ شہر کے تمام مسلمان ایک طرف اور ہندو دوسری طرف سے مقابلے پر اُتر آئے۔ مسلمانوں کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا گیا اور مقدمہ کی پیروی کے اخراجات مشترکہ طور پر تمام مسلمانوں نے ادا کیے۔ آخر اس مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے خلاف ہُوا اور شیخ مہر علی کو سیشن کورٹ سے سزائے موت کا حکم سُنا دیا۔ مسلمانوں نے اس فیصلے کے خلاف لاہور ہائیکورٹ میں اپیل کر دی، مگر اس دوران میں کچھ لوگ حافظ صاحب کی خدمت اقدس میں برائے دُعا کرانے گئے، تاکہ شیخ مہر علی اس مقدمہ میں صاف بری ہو جائیں۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ مَیں کوئی بزرگ نہیں ہُوں آپ سب کسی کامل ہستی کے پاس جائیں، لیکن مخلوقِ خدا کہاں آپ کے در سے ٹلنے والی تھی۔ آخر جب لاہور میں پیشی کا دن آیا، تو حافظ صاحب جھڑی بابا فرید گنج شکرؒ تشریف لے گئے۔ اس جھڑی میں ہمیشہ ایک ولی اللہ رہا کرتا تھا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو دیکھا ایک مست ومجذوب ایک رسّہ کو بٹ دے رہا تھا، لہٰذا آپؒ نے فرمایا کہ اے مستا! تو کیا کر رہا ہے؟ اس پر مست نے کہا کہ جناب میں شیخ مہر علی کو پھانسی دینے کے لیے رسّا بات رہا ہُوں۔ حافظ صاحب نے جھٹ لپک کر اُس سے رسّہ چھین لیا اور جیب سے چاقو نکال کر فوراً رسّہ کے ٹکڑے کر کے پھینک دیے اور فرمایا کہ اس کا نام مہر علی ہے اور ہم کو علیؓ کے نام کی لاج ہے۔ ہم اس کو ہرگز پھانسی نہیں ہونے دیں گے، لہٰذا شام کو لاہور سے خبر آگئی کہ شیخ مہر علی باعزت طور پر عدالت سے بری ہو گئے ہیں اور ۱۸۸۷ء میں شیخ مہر علی نے اس مُقدمے میں کامیابی پر گیارہ سو روپے جو اُنہوں نے بطور منت انجمن حمایتِ اسلام کو دیئے[1]۔

ایک دفعہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص جالندھر سے حافظ صاحب کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا اور دست بستہ گزارش کی کہ

---

[1] تاریخ انجمن حمایت اسلام از نوسہ ماہی کراچی۔

حضرت صاحبؒ! مجھے اللہ اللہ کرنا بتلا دیں۔ حافظ صاحبؒ نے اس کو قرآن پاک کی ایک آیت شریف بتلائی کہ اس کا ورد چالیس روز کرو۔ پھر میرے پاس آنا اگلا سبق پھر دیا جائے گا اور ہدایت کی شہر سے دُور جا کر اور رات کے وقت وظیفہ کرنا کسی شخص کو اپنے نزدیک آنے کی اجازت نہ دینا۔ حافظ صاحب کے بتلائے ہوئے وظیفہ کا یہ اثر ہوا کہ مخلوقِ خدا کا رجوع ان کی طرف ہو گیا۔ لوگوں نے اُن کے لیے ایک جھونپڑی بنوادی اور ہر مذہب وملت کے لوگ ان کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ سینکڑوں مرد اور عورتیں اُن کے پاس آتے اور نذرانے پیش کرتے۔ حافظ صاحب خود بھی تشریف لے گئے اور ہدایت فرماتے کہ اپنے آپ کو محتاط رکھنا۔ القصہ اس کا عروج بڑھتا چلا گیا۔ جب چالیسویں شب آئی رات اندھیری تھی۔ ایک حسین وجمیل عورت سولہ سنگار اور بارہ ابھرن کر کے اس شخص کے پاس جھونپڑی میں آگئی۔ اس کا حسن ایسا تھا کہ چراغ کی ضرورت باقی نہ رہی۔ وہ عورت کہنے لگی کہ اے شخص! میں بہشت کی حور ہوں خدا نے مجھے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص شیطان کے پھندے میں پھنس گیا اور فعل بد کا مرتکب ہوا۔ یہ نادانی اس نے کی اسی وقت بہت سخت قسم کی آندھی آگئی اور اس کی جھونپڑی اس آندھی میں اُڑ گئی اور تمام منظر بھی ختم ہو گیا اس کے بعد وہ شخص آپ کے پاس روتا پیٹتا حاضر ہوا کہ مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، مگر معافی کہاں۔ وہ تمام عمر اسی طرح روتا رہا اور مر گیا۔

ایک دفعہ ایسی خشک سالی آئی کہ بارش کا نام ونشان تک نہ تھا۔ فصلیں نہ ہونے کی اُمید سے لوگ پریشان ہو گئے گرمی کی شدت حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ لوگ بارش سے مایوس ہو گئے چند لوگ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور بارش کے لیے دُعا کرنے کی گزارش کی۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں مجذوب جو کہ بازار میں فلاں جگہ رہتا ہے۔ اُسے کھیر کھلا دو حسب الحکم لوگوں نے کھیر پکا کر اس مجذوب کے پاس لے گئے۔ وہ مجذوب کھیر کھانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ جب اس کا پیشاب بازار میں پہنچ گیا۔ تب زور سے بارش ہو گئی۔ مجذوب کھیر کھاتا گیا اور پیشاب کرتا گیا۔ بارش بھی موسلا دھار ہوتی رہی اور اس قدر بارش ہو گئی کہ دو دو فٹ پانی بازار میں کھڑا ہو گیا۔ بارش تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ آخر کار لوگوں نے آپ سے رجوع کیا کہ بارش زیادہ ہو گئی ہے اور اب ختم ہو جائے۔

حافظ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم جا کر اُس کے آگے سے کھیر کا برتن اُٹھا لو۔ بارش تھم جائے گی، لہٰذا حسب الحکم لوگ مجذوب کے پاس گئے اور کھیر کا برتن اُٹھا لیا۔ برتن کا اُٹھانا تھا کہ بارش برسنا ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے پیشاب کرنا بند کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ مگر بخوف طوالت اس وقت تحریر کرنے سے پرہیز کرتا ہوں اور ویسے بھی آپ کرامتوں سے اخفا فرماتے رہے۔

ایک دفعہ آپؒ کے صاحبزادے میاں دولت علی صاحبؒ کو مرض چیچک ہو گیا۔ جس سے صاحبزادہ صاحب کو بہت ہی پریشانی وبے چینی ہوئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے بہ رسم ورواج ہندوانہ بچے کی گھبراہٹ سے پریشان ہو

کرماتارانی (ہندو دیوی) کے نام مَنّت مانی کردہ بچے کی صحت یابی پر ایک روٹ پکا کر اور ماتھا ٹیکنے کے لیے اپنے بچے کو ساتھ لے کر ماتارانی کے استھان پر جائے گی اور مَنّت کو پُوری کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بچہ ایک دو ہفتے مرض میں مُبتلا رہنے کے بعد بچہ کو صحتِ کُلی ہوگئی۔ اب اہلیہ محترمہ بضد ہُوئیں اور حافظ صاحب سے کہا کہ بچے کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور ماتارانی کے استھان پر لے جاکر اس کا ماتھا ٹیکوالاؤ اور ساتھ ہی دان بھی پیش کر دینا پہلے پہلے تو حافظ صاحبؒ ٹال مٹول سے کام لیتے رہے، لیکن اس دور کا معاشرہ کچھ ایسا وضع دار تھا کہ اپنے قول کو نبھانے کے لیے تاخیر نہیں کرتے تھے۔ ایک دن صبح سویرے حافظ صاحبؒ تیار ہو گئے اور بچے سے فرمانے لگے۔ چل اوئے تیرا متھا ماتا رانی دے چرناں وچ ٹھکا لیا واں۔ جب آپؒ بچے کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے تو تانگے والے سے پُوچھا کہ ماتارانی کے استھان پر جانے کے لیے وہ کتنا کرایہ لے گا، تانگے والے نے جواب دیا کہ آنہ یا دو آنے لُوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں دو پیسے کرایہ دُوں گا، مگر تانگے والے نے انکار کر دیا آپ اس کی بحث وتکرار سے تنگ آکر واپس گھر کو لوٹ آئے۔ آپؒ کی اہلیہ محترمہ پریشان ہُوئیں کہ اب کیا ہوگا۔ خیر ادن گزر گیا اور پھر اُسی پریشانی میں مزید دو چار دن گزر گئے کہ ماتارانی کی استھان پر کیسے جائیں اور مَنّت پُوری کریں۔ ایک دن شام کے وقت آپؒ اپنے گھر کے آنگن میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ڈیوڑھی کے دروازے پر کسی شخص کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ نے دیکھا کہ وہ آنے والی شخصیت ایک نوجوان خوبصورت عورت سولہ سنگار کیے ہُوئے نہایت عاجزانہ انداز سے چلی آرہی ہے اور بڑے ہی والہانہ انداز سے حافظ صاحب کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ آپؒ نے اسی وقت اپنے بچے میاں دولت علی کو آواز دے کر بلوایا اور کہا "اوئے ادھر آ" ماتارانی نوں متھا ٹیک۔ آپ کی اہلیہ محترمہ یہ منظر دیکھ کر خوش ہوگئی۔

وصال شریف سے چند ماہ قبل سرکار حافظ صاحبؒ کی طبیعت مضمحل سی رہنے لگی۔ آپؒ اکثر اداس رہتے اور طبیعت بھی کچھ کچھ علیل رہنے لگی۔ آخر علالت نے شدت اختیار کرلی اور آپ صاحب فراش ہو گئے۔ آپ کا وصال شریف ۲۲ ذی قعد ۱۳۱۷ھ بروز پیر ہُوا اور یہ آفتاب عرفان دُنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۵ سال کی تھی۔ آپ کا مدفن قبرستان کندن شاہ، ہوشیار پور میں ہے۔ "حافظ قاری جنیدؒ" سے مادہ تاریخ ۱۳۱۷ھ نکلتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے مزار اقدس پر کافی بڑا میلہ لگتا تھا، مگر مسلمانوں کے پاکستان ہجرت کر جانے کے بعد اب میلہ کی صُورت نہیں ہے، مگر پھر بھی بلا مذہب و ملت کے لوگ آپ کے مزار پر حاضر ہو کر روحانی مسرتیں حاصل کرتے ہیں اور مرادوں سے جھولیاں بھرتے ہیں۔

حضرت خواجہ قادر بخش قادریؒ

آپ کے مورثِ اعلیٰ مصری خاں قصبہ کلال گو علاقہ غزنی میں رہا کرتے تھے۔ موکل خان جو احمد شاہ درانی کے اعلیٰ اراکین سلطنت تھے۔ ایک درویش باکمال گلزار محمد خاں قوم مہمند زئی افغانستان سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ اُن کے پیر نے بغرض تعلیم و تلقین اپنے دو خلیفے شیر خان غازی اور حاجی مڈی ان کے ساتھ کر دیے۔ جب موکل خاں پنجاب کو آئے تو وہ ہمرد و ساتھ تھے اور بمقام جہان خیلاں ضلع ہوشیار پور میں آکر آباد ہو گئے۔ ان دونوں کی قبور خالقیہ ہائی سکول کی جامع مسجد کے عقب میں واقع ہیں۔ شیر محمد خاں ریاست منڈی میں ملازم ہو گئے۔ جب اُن کی عمر ساڑھے بتیس سال کی ہوئی تو ۱۲۰۴ ہجری میں دیدار بخش پیدا ہو گئے۔ ابھی آپ کی عمر اڑھائی سال کی تھی کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ بعد میں دیدار بخش ایسے بیمار ہوئے کہ چند روز میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب بچہ کو کفن پہنا کر لے چلے تو آپ کی والدہ نے کہا کہ مجھے دکھلا دو۔ جب نعش اُن کے ہاتھ میں دی گئی تو وہ دوسری طرف سے نکل کر ایک مسیحا دم درویش باکمال نادر علی شاہ کی خدمت میں پہنچی۔ شاہ صاحب حسبِ معمول آنکھیں بند کیے مراقب بیٹھے تھے۔ ان کی گود میں بچہ کو لٹا کر چلی آئی۔ شاہ صاحب نے خادم کو بلا کر پوچھا کہ میرے زانوں پر کیا چیز پڑی ہوئی ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ بیوہ شیر محمد خاں اپنے اکلوتے بچّہ کی نعش رکھ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو پانی میں ڈال دو۔ چنانچہ خادم نے ایسا ہی کیا۔ ایک گڑھے میں جس میں قدرے پانی تھا لٹا دیا گیا اور آپ سر بسجدہ بارگاہ ربّ العزت میں خلوص دل سے گڑگڑا کر دُعا کرنے لگے۔ دریائے رحمت الٰہی جوش میں آ گیا۔ شاہ صاحب نے جب سجدہ سے سر اُٹھایا تو بچہ کو زندہ پایا۔ والدہ کو خبر ہوئی تو خوشی کے مارے دوڑی چلی آئی اور بچّہ کو گود میں لے کر شاہ صاحب کے قدموں میں ڈال دیا اور عرض کیا کہ یہ آپ ہی کا ہے۔ آپ کے ہی قدموں میں رہے گا۔ یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔ اس طرح دیدار بخش صاحب نے شاہ صاحب کے ہاں پرورش پائی۔ دینوی علم حاصل کرنے کے بعد اُن ہی سے بیعت ہوئے۔ چوبیس سال کی عمر میں شاہ صاحب نے اُن کو خرقۂ خلافت اور دستارِ فضیلت سے مشرف فرمایا۔ جب شاہ صاحب کی عمر ایک سو پچیس سال کی ہوئی تو آپ نے اس دارِ فانی سے انتقال فرمایا۔ مزار اقدس کوٹ عبدالخالق کے متصل واقع ہے۔ دیدار بخش چھ ماہ کے بعد کشمیر چلے گئے اور مہاراجہ کشمیر کے ہاں ملازم ہو گئے۔ جب عمر ۳۲ برس کی ہوئی تو وہاں سے ایک مجذوب احمد شاہ کے حکم کے مطابق

وطن واپس آئے اور موضع جلال خاں نزد موضع میانی میں آکر شادی کی ۔ وہاں سے آپ اپنے وطن جہاں خیلاں آگئے جو بستی مذکورہ سے پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے ۔ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں حضرت خواجہ قادر بخش بروز دوشنبہ ۷/ شوال ۱۲۲۷ھ بمطابق ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے ۔ حضرت خواجہ قادر بخش نے پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور سات سال کی عمر میں ختم کر لیا ۔ والد ماجد نے کشمیر میں وفات پائی ۔ آن کا مزار پنجابی پیر کے نام سے مشہور و معروف ہے ۔ بارہ سال کی عمر میں علوم دینوی سے فارغ ہوئے اور کھیتی باڑی کرنے لگے ۔ چودہ سال کی عمر میں لدھیانہ آکر مقیم ہو گئے یہاں پر انگریزی فوج میں ترم بجانے پر مامور ہوئے ۔ دوران ملازمت میں شاہ کابل اور برطانوی حکومت میں جنگ شروع ہو گئی ۔ ایک رسالہ کے ہمراہ جنگ پر چلے گئے ۔ وہاں سے جنگ ختم ہونے پر آپ پانچ سال کابل ہی میں رہے ۔ اسی اثنا میں آپ نے حضرت شاہ عنایت اللہ قادری سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کی اور خلافت حاصل کی ۔ اسی دوران میں اپنے اصلی وطن کلال گو میں ایک سال قیام فرمایا ۔ بعد ازاں پشاور ہوتے ہوئے لاہور پہنچے ۔ یہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد آپ سنگھڑ شریف میں حضرت شاہ سلیمان تونسوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آن سے سلسلہ عالیہ چشتیہ کی نسبت مع خلافت لے کر کشمیر پہنچے ۔ وہاں ایک درویش سید احمد صاحب سے خاندان سہروردیہ میں بیعت ہوئے اور اجازت حاصل کر کے جالندھر تشریف لائے، یہاں حاجی حافظ محمود سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے جو مولوی محمد شریف صاحب کے مرید و خلیفہ تھے ۔

حضرت حاجی محمود صاحب سے بیعت ہونے کے بعد آپ جمعدار محکمہ پولیس ہو گئے تھے ۔ پھر آپ لاہور تبدیل ہو گئے ۔ وہیں آپ ڈپٹی انسپکٹر پولیس کے عہدے پر ترقی پا گئے ۔ بعد ازاں انسپکٹر پولیس کے عہدے پر ترقی ہو گئی مگر حاجی صاحب نے آپ کو لکھا کہ اب نوکری چھوڑ کر خلق خدا کو تلقین و ہدایت کرو، لہٰذا آپ نوکری چھوڑ کر اپنے وطن جہاں خیلاں آ گئے ۔

دورانِ ملازمت میں آپ اشاعت طریقہ نقشبندیہ میں مشغول ہو گئے تھے، چنانچہ راہوں میں سب سے پہلے خلیفہ امام بخش آپ سے بیعت ہوئے ۔ امام بخش کے بعد آن کا تمام کنبہ اور دیگر بہت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے مگر جب آپ نے اپنے پیر دستگیر کے فرمان سے نوکری چھوڑ دی تو حسب الارشاد آپ ہمہ تن تلقین و مجاہدہ میں رہنے لگے ۔ باقاعدہ اشاعت کا کام پہلے آپ نے اپنے گاؤں سے شروع کیا ۔ اُس وقت ہوشیار پور کی چھاؤنی قائم ہوئی تھی ۔ چھاؤنی کے لوگ اور گرد و نواح کے دیہات کے لوگ آپ کے مرید ہو گئے ۔ آپ کا فیض یہاں سے دُور دُور تک پہنچا ۔ آپ عرسوں پر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور دورہ پر بھی چلے جایا کرتے تھے ۔ اس طرح سے آپ کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا ۔

حضرت خواجہ صاحب کو دو ڈھائی گھنٹہ کی حبسِ دم کی مشق تھی۔ صبح کو مکھن بادام نوشِ جاں فرما کر حبسِ دم کرتے اور دو پہر تک تین سانس لیتے اور اسی میں نفی اثبات کیا کرتے۔ استغراق ایسا تھا کہ پاؤں میں بحالت مراقبہ کنکریاں گھُس جاتی تھیں اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ شاہ عبدالغنی محدث مجددی دہلوی سرہند تشریف لائے تو خواجہ صاحب کو مراقب دیکھ کر فرمایا کہ مراقبہ اسی کا نام ہے جیسا کہ میاں قادر بخش کرتے ہیں۔

سائیں توکل شاہ فرماتے ہیں کہ ایک دن اس فقیر نے دیکھا کہ ایک نُور بہ رنگ سبز (نُور ولایت محمدیؐ) حضرت خواجہ صاحب سے آسمان کو چڑھا اور ایک دفعہ مَیں نے سُنا کہ آپ کے ہر بنِ مُو سے اللہ اللہ کی آواز آرہی ہے۔ کثرت اذکار بالخصوص دُرود شریف کی وجہ سے آپ کے بدن مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی، چنانچہ خلیفہ بگیے شاہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ نے مجھ سے فرمایا کہ میری کمر پہ ذرا ہاتھ پھیر دو۔ مَیں نے تعمیلِ ارشاد کی، مَیں کمر ملتا تھا، پسینہ مبارک سے گلاب کی سی خوشبو دماغ میں آتی تھی اور جسم کے اندر سے اسم ذات کی آواز آتی تھی۔ جب مَیں اسی کیفیت میں محو ہونے لگا تو حضرت نے فوراً کُرتہ نیچے کر لیا اور مجھے علٰحدہ کر دیا۔

حضرت خواجہ صاحب راہوں میں دورانِ ملازمت تھانیداری میں ایک روز گشت کر رہے تھے۔ دو سپاہی آپ کے ساتھ تھے ایک ٹیلہ سے آواز آئی کہ شمس العرفان! فاتحہ سے شاد کر حضور کو کیسے معلوم ہوا کہ شمس العرفان ہے۔ آواز آئی کہ مَیں حضرت مجدد الف ثانی کا خلیفہ ہوں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ہمارے سلسلہ میں ایک شخص شمس العرفان ہو گا اور تیری قبر پہ فاتحہ پڑھے گا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں قبر ہے۔ چنانچہ صبح کو آپ نے وہ جگہ کھدوائی۔ تین گز نیچے ایک پختہ قبر برآمد ہوئی اور وہ قبر اب تک راہوں میں مرجع خلائق ہے۔

ایک دفعہ آپ دورانِ ملازمت باوردی پولیس نور پور سے تشریف لا رہے تھے کہ ایک پہاڑ کی غار سے آواز آئی کوئی اللہ کا بندہ مجھے راستہ بتلا دے۔ آپ اس کی آواز سُن کر ٹھہر گئے اور فرمایا کہ سیدھے چلے آؤ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ مجھے بہت کم نظر آتا ہے۔ پاؤں کانٹوں سے زخمی ہیں۔ اُس کا جواب سُن کر خود اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا تو آنکھوں سے معذور ہے۔ آپ نے فرمایا مَیں تیری آنکھوں میں دوائی ڈال دیتا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ تو تین گھنٹے یہاں پر بیٹھا رہے۔ اُس نے منظور کیا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک اُس کی آنکھوں پر پھیر دی اور وہاں سے چل دیے۔ موضع سانولی تحصیل گڑھ شنکر میں پہنچ کر آپ وضو کر کے نفل پڑھنے لگے۔ ناگاہ دیکھتے کیا ہیں کہ وہی شخص آپ کے نقشِ پا پہ دوڑا چلا آرہا ہے۔ پاس آکر اُس نے آپ سے پُوچھا کہ یہاں کوئی فقیر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے کوئی فقیر یہاں نہیں دیکھا، تمہارا اس طرح سے پُوچھنے کا کیا مطلب ہے۔ اُس نے کہا کہ کوئی سنیاسی فقیر تھا اُس نے میری آنکھوں میں دوائی ڈال دی۔ اب مَیں بالکل تندرست ہوگیا ہوں۔ آپ نے فرمایا

کہ ہم سنیاسی نہیں ہیں۔ خلیفہ بنگے شاہ جو پاس ہی تھا کہا ارے نادان! یہ کیمیا گر نہیں ہیں درویش ہیں جنہوں نے تیری آنکھوں میں دوائی ڈال دی تھی۔ ان کی وردی کی طرف نہ دیکھو یہ قطب زماں ہیں۔ انہوں نے تیری آنکھوں پر اپنی زبان مبارک پھیر دی تھی جس کی برکت سے تجھے شفا ہو گئی تھی۔ وہ ہندو راجپوت تھا یہ کرامت دیکھ کر حضرت خواجہ کے دست حق پرست پر اسلام لایا اور داخلِ سلسلہ ہوا۔

مولوی پیر محمد صاحب جو موضع منگہ میں اسکول ماسٹر تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ کوٹ سے چوبیس میل کے فاصلے پر میرا گاؤں تھا۔ میں حسبِ معمول اپنے گاؤں آرہا تھا کہ موضع سے تھوڑی دُور ندی کے کنارے ایک چیتا میری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ وحشت کے مارے میں حواس باختہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ صاحب اس چیتے کا کان پکڑے ہوئے فرمارہے ہیں۔ پیر محمد جلدی نکل جائیں اسے پکڑے ہوئے ہوں چنانچہ میں وہاں سے صحیح سلامت نکل گیا۔ دوسرے روز وقت معینہ پر حاضر ہو کر خدمت میں سارا واقعہ سُنایا۔ آپ نے فرمایا یہ تیرا خیال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بحالتِ بیداری چشم خود دیکھا ہے۔ میرے اصرار پر آپ فرمانے لگے کہ اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ درندچرند اور پرند اُن کے تابع ہوئے ہیں مشکل کے وقت مرید کی مدد کرنا پیر کا کام ہے۔ پھر فرمایا!

بوٹے بوٹے ناگ پلے بسیر ڈنگ چلاوے
باہجوں مُرشد واصل باللہ اپنے کون بچاوے

بقول خلیفہ الٰہی بخش کہ میں نے دورانِ ملازمت ایک مستغیث سے دس روپے لے کر اس کا کام کر دیا۔ جب روپے لے کر اپنی جیب میں ڈالے تو اسی دم غیب سے ایک طمانچہ میرے منہ پر کسی نے لگایا اور ساتھ ہی آواز آئی او گتے! تو رشوت کھاتا ہے۔ میں نے روپے واپس کر دیے۔ جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت خواجہ صاحب نے منہ پھیر لیا۔ میں قدموں پر گر پڑا اور رو کر معافی کا خواستگار ہوا آپ نے فرمایا تو نے بیعت کے وقت نواہی شرعیہ سے توبہ کی تھی۔ دس روپے کے لالچ سے تو نے وہ توبہ توڑ ڈالی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مجھے سزا مل گئی ہے وہ روپے میں نے واپس کر دیے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے خبر کر دی میں نے تمہیں روک دیا تھا۔ لہٰذا میں نے شرمندگی محسوس کی اور تجدید بیعت کی۔

ایک دن حضرت خواجہ صاحب نے درخت توت کی شاخ پکڑ کر اپنے خلیفہ بلاقی شاہ سے فرمایا کہ منادی کرا دو کہ جو شخص آج مجھے ملے گا جنتی ہو گا۔ یہ الہامِ خدا تھا۔ بہت سے لوگ حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان میں دو ہندو ماگھی اور دسوندھی نام کے تھے اور دونوں زرگر تھے۔ ماگھی مسلمان ہو گیا۔ دسوندھی ہندو ہی رہا مگر سُنا ہے کہ جب

دسوندھی کا انتقال ہوا اور اُس کی لاش جلانے لگے تو لاش بالکل نہ جلی۔

وصال : آپ کا وصال شریف ۱۲۷۲ ہجری بمطابق ۱۸۵۸ء کو بمقام کوٹ عبدالخالق ہوا۔ مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔ کوٹ عبدالخالق نزد جہاں خیلاں تحصیل وضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔

کلماتِ قدسیہ

فرمایا کرتے تھے کہ خاندان کے سب سردار میرے سردار ہیں۔ کبھی یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

تو نقش نقشبنداں راچہ دانی — تو حال پیکر جاں را چہ دانی

گیاہ سبز داند قدر باراں — تو خشکی قدر باراں راچہ دانی

ہنوز از کاف کفرت ہم خبر نیست — حقائق ہائے ایمان راچہ دانی

فرمایا : ایسا ہونا چاہیئے کہ اپنے محبوب و مطلوب کے سوا کسی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تب کمال کو پہنچتا ہے اور انوار رحمانی اس پر وارد ہوتے ہیں محض عبادت پر منحصر نہیں۔

فرمایا : یہ پیر کا حق ہے کہ جو مطلق گناہ یا تکلیف مرید کو ہو اُس سے فوراً مرید کو آگاہ کردے۔

فرمایا : پیر کی خدمت میں حاضر ہونے سے مقصود یہی ہونا چاہیئے کہ مُرشد کے باطنی فیض سے اپنے قلب کا تزکیہ و تصفیہ کرے۔ اگر ماسوا کے خیال سے قلب کو خالی کر کے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر قلب کی طرف متوجہ ہو جائے تو ضرور کچھ نہ کچھ فیضان حاصل ہوتا ہے۔ بقول :

باسوختگاں بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی



حضرت سیّد حافظ غلام چشتؒ چشتی نظامی

حضرت سید حافظ غلام چشت رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ سے تعلق و واسطہ رکھتے تھے۔ آپ نے عالم یقین علی شاہؒ چشتی نظامی کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے ہوشیار پور اور گرد و نواح کے علاقے میں تعلیماتِ دینی سے مخلوقِ خدا کو نوازتے ہوئے راہ مستقیم کی راہ دکھائی۔ آپ کی اولاد میں سے

کسی نے بھی فیض اکتساب نہیں کیا۔ آپ سے جن لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ وہ گنتی کے لوگ ہیں جن کا شمار انگلیوں پر کیا جاسکتا ہے۔ آپ نے اپنی درویشی کو اس قدر اخفا میں رکھا ہوا تھا کہ آپ کے اہلِ خاندان بھی آپ کی پروقار شخصیت کو نہ پہچان سکے۔ دور اس قسم کا تھا کہ محلے کے لوگ بھی آپؒ کے صرف اخلاقِ حسنہ سے متاثر تھے اور کسی نے بھی آپ کے زیادہ قریب ہونے کی کوشش نہیں کی۔ یہ روحانیت کا بیکراں بحر اپنی مثال آپ تھا، حالانکہ دُور دراز سے لوگ آپ کے پاس خیر و برکت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ آپ کے حالات زیادہ تر تاریکی میں ہیں۔ حضرت حافظ غلام چشت کا مزار اقدس ہوشیار پور شہر محلہ کمیٹی گنج کے ایک مکان کے صحن میں واقع ہے اور غیر معروف ہے۔ آپ کی اولاد میں سے کوئی بھی مزار اقدس پر روضہ تعمیر کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ چراغ تلے اندھیرا رہا۔ جن کو بزرگانِ دین سے عقیدت و ارادت ہوتی ہے اُن کے لیے ہر مقام نقشِ کفِ یار ہوتا ہے۔ تشنگانِ محبت اور متلاشیانِ حق مزارِ اقدس پر آکر حاضری دیتے رہتے تھے۔

آپ کے خلیفہ اعظم حافظ قادر بخش چشتی نظامی تھے جو لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ حافظ قادر بخشؒ نے ہوشیار پور آکر آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے ہی وطن واپس جا کر دین اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ ایک مخلوقِ خدا آپ کی عاشق و گرویدہ تھی۔ سلسلہ عالیہ کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

ان کے خلیفہ حافظ محمد عبداللہ چشتی نظامی تھے جو جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ان سے بھی مخلوقِ خدا کو کافی فیض پہنچا۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنے دست مبارک سے محنت کرتے تھے۔ لوگوں کو بھی اسی قسم کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے اخلاقِ حمیدہ سے لوگ متاثر ہو کر آپ سے نیکی کے راستے پر گامزن ہونے کی دُعا کرواتے۔ آپ کے مریدین کافی تھے۔ اُن کا مزارِ اقدس تکیہ حاکم شاہ (برلب سڑک ٹانڈہ) قبرستان شاہ سکندر میں مرجع خلائق ہے۔ حافظ محمد عبداللہ کے مریدین میں سے آپ کے خلیفہ حضرت سائیں فتح علی شاہ چشتی نظامی (روہیلہ) تھے، جو جالندھر کے رہنے والے تھے۔ آپ رُوحانیت کے طبیب کے علاوہ جسمانی طبیب بھی تھے۔ اُن کا مزارِ اقدس بمقام اروپ شریف چاہ معافی والا میں واقع ہے۔ آپ کے ہاتھ میں رعشہ تھا۔ صحیح طور پر تحریر نہیں کر سکتے تھے۔ غریب لوگوں کی مالی طور پر امداد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی غذا سادہ تھی اور ساری زندگی سادگی سے گزار دی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ ساہیوال میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کا وصال بھی ساہیوال میں ہوا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے ایک مرید اور خلیفہ سائیں مہر دین چشتی نظامی جو کہ بمقام اروپ شریف تحصیل و ضلع گوجرانوالا میں سکونت رکھتے تھے۔ سائیں مہر دین صاحب بھی بمقام بڑا پنڈ پتی کمال پور تحصیل پھلور ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے کو میّت سپرد کر

دی گئی۔ سائیں مہردین نعش مبارک کو اپنے ساتھ اروپ چاہ معافی والا لے کر آئے اور یہاں پر اپنی الاٹ شدہ زمین میں آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

سائیں فتح علی شاہ چشتی نظامی کا عرس مبارک ہر سال ۱۶ اچیت کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے جس میں محبانِ اولیاء بڑی تعداد میں شرکت کر کے رُوحانی مسرتیں حاصل کرتے ہیں۔ راقم الحروف سے اکثر خطوط وغیرہ لکھا کرتے تھے اور قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔

شجرہ طریقت

سید حافظ غلام چشتیؒ مرید یقین علی شاہؒ مرید حضرت عبدالرزاقؒ مرید حضرت عبدالباقیؒ (ان کا وصال شریف ۱۱ محرم ۱۲۰۲ھ بروز چہار شنبہ لکھنؤ میں ہوا۔ وہیں مزارِ اقدس ہے۔) مرید خواجہ محمد صادق چشتی نظامی مرید محمد عاشقؒ مرید حضرت محمد فرخ شاہؒ مرید سید قطب الدین شاہؒ مرید حضرت خواجہ نظام الدینؒ بن عمر نارنولؒ مرید خواجہ خانوں علی ناگوریؒ مرید خواجہ اسمٰعیلؒ مرید خواجہ محمد حسنؒ مرید خواجہ سالار مستؒ مرید خواجہ سالار فاروقیؒ مرید خواجہ اختیار الدینؒ مرید خواجہ برہان الدینؒ محمد ساویؒ، مرید خواجہ نصیر الدینؒ روشن چراغ دہلوی، مرید حضرت نظام الدین اولیاؒ مرید بابا فرید الدین گنج شکرؒ۔



حضرت بابا تُغلق شاہؒ

آپ خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے حالات مبارک کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ آپ موضع تغلق شاہاں دامنِ کوہ شوالک (یہ گاؤں آپ کے نام پر آباد ہے) تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت رکھتے تھے۔ پنجاب میں عموماً بچپن میں شادی کر دینے کا رواج تھا۔ ایک مقامی روایت کے مطابق آپ کی شادی بھی سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے طے کر دی گئی تھی جس پر آپ اظہار ناپسندیدگی فرماتے ہوئے زمین میں زندہ سما گئے جس جگہ آپ زمین میں سمائے وہاں نشانی کے طور پر کُرتہ مبارک کا تھوڑا سا حصہ زمین سے باہر رہ گیا۔ آپ کو تلاش کرتے کرتے جب اس جگہ پر پہنچے تو آپ کے اہلِ خاندان کو یقین ہو گیا کہ آپ اسی جگہ سما گئے ہیں۔ یا پھر اُن کو القا ہو گیا تھا کہ آپ نے دُنیاداری کو پسند نہیں فرمایا۔ اسی جگہ پر آپ کا مزار اقدس پالکی نما تعمیر کر دیا گیا۔ آپ کے اہلِ خاندان کے افراد بعد میں مجاوری کرتے رہے۔ راقم الحروف نے کئی دفعہ آپ کے مزار اقدس پر حاضری دی ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد ہجرت کر کے کسی دوسرے مقام سے یہاں تشریف لائے تو اس پہاڑی علاقے میں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا، لہٰذا ان بزرگوں میں سے ایک نے یہاں پر نیزہ مار کر زمین میں سے چشمہ جاری کیا جس سے گردونواح کے لوگوں کو پانی کی کمی سے نجات حاصل ہو گئی۔ان بزرگوں کے مزارات مبارک بھی آپ کے مزار اقدس کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہیں۔پہاڑی پر جانے اور مزار اقدس تک پہنچنے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ ان سیڑھیوں پر جو سلیں لگی ہوئی ہیں وہ ۵×۵ فٹ مربع کی ہیں۔سیڑھیوں کی تعمیر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی انسانی ہاتھوں کا کارنامہ نہیں ہے۔یہ روایت بھی ہے کہ یہ سیڑھیاں آپ کے مرید جنات نے تعمیر کی تھیں" واللہ اعلم بالصواب"مزار اقدس پر حاضری دینے سے قلبی سکون اور روحانی مسرتیں حاصل ہوتی ہے۔گاؤں کی آبادی بہت کم ہے اور ارد گرد کا ماحول بہت پُرسکون ہے۔آپ کے مزارِاقدس پر اگر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو پہاڑیوں کے سرسبز درخت اور جھاڑیاں ایک خوبصورت اور رُوح پرور نظارہ قلب و ذہن کے لیے پیش کرتی ہیں۔آپ کے مزارِاقدس پر بلاتمیز مذہب وملت لوگ حاضر ہوتے تھے اور مرادوں سے جھولیاں بھرتے تھے۔



حضرت بابا قطب شاہؒ

بابا قطب شاہ علیہ الرحمۃ کا شمار اکابرین میں ہوتا ہے۔آپ نے دینِ اسلام کی تبلیغ نہایت اعلیٰ طریقے سے فرمائی اور مخلوق خدا کو راہ ہدایت بخشی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گردونواح کے علاقے بُرے کاموں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف مائل ہو گئے۔آپ کے مزار اقدس پر حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے عُرس پاک کا باقاعدگی سے آغاز فرمایا تھا۔ میلاد پاک اور محافل سماع کی تقریبات کا پروگرام ہوتا۔درویشوں کے علاوہ دُنیادار خاص طور پر شرکت کرتے اور ان محافل مقدسہ کے فیضان سے جھولیاں بھرتے۔

آپ کے حالات کے متعلق معلومات باوجود کوشش بسیار کے حاصل نہ ہو سکے۔آپ کا مزار اقدس موضع اُونچی بستی تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے۔یہ موضع ریلوے لائن دسوہہ مکیریاں بطرف شمال تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔آپ کا مزاج اقدس جلالی تھا۔اس بات کا ثبوت مندرجہ ذیل ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

جن دنوں ریلوے لائن جالندھر مکیریاں سیکشن کا سروے کر کے لائن بچھادی گئی۔اور اس ریلوے لائن کا سروے

آپ کے باغ اور مزار اقدس سے ہو کر گزرتا تھا۔ جب ریلوے لائن مکمل ہو گئی اور ریلوے انجن کو اس پر تکمیلی مراحل کی غرض سے گزارا گیا تو ریلوے انجن آپ کے مزار اقدس کے قریب آکر پٹڑی سے اتر گیا ـــــ اور اُلٹتے اُلٹتے بال بال بچا، لہٰذا انگریز انجنیئر نے اس کو حضرت صاحب کی کرامت سمجھ کر اس ریل پٹڑی کو تھوڑا سا موڑ دے کر اپنا سروے دوبارہ سیدھا کیا اور پھر دوبارہ پٹڑی تعمیر کر کے ریل انجن کو چلایا گیا تو درست پایا گیا۔

آپ کا مزار اقدس کچا اور ایک چبوترے پر چار دیواری کے اندر واقع ہے۔ اس کے ارد گرد ایک بہت بڑا باغ جس میں آم اور جامن کے اشجار بکثرت موجود ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے ایک بہت بڑا عُرس مبارک منعقد ہوتا تھا جس میں دُور دُور سے لوگ حاضر ہو کر سر نیاز جھکاتے تھے۔ راقم الحروف بھی اس عُرس پاک میں شرکت کرتا رہا اور وہ سماں ابھی تک قلب و نظر میں سمایا ہوا ہے جب کہ دور دراز سے گرد و نواح کے علاقے کی عورتیں اور لڑکیاں اپنے سروں پر چورما (گیہوں کی روٹیاں، گھی اور چینی ملا ہوا ملیدہ) اٹھائے ہوئے اپنی ازلی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے مزار اقدس پر حاضر ہوتیں اور جبیں سائی کرتی تھیں اور اُن کے لبوں پر عشق و محبت کا یہ گیت رقص کناں ہوتا تھا۔ عقیدت و محبت کے ان گیتوں سے صاحبِ ذوق حضرات محظوظ ہوتے۔ ان گیتوں کی روشنی میں وہاں کی ثقافت کا پتہ چلتا ہے۔

گیت

درشن دیویں پیرا .... دیویں پیرا .... آسیں کون دیلے دیاں کھڑیاں
درشن دے بھی دتا .... دے بھی دتا .... چٹے دند چنبے دیاں کلیاں

جب حاضری ہو جاتی تو روحانی مسرتیں حاصل کر کے واپس لوٹتیں۔ راقم الحروف آج بھی اس عُرس کے مناظر میں اکثر کھو جاتا ہے۔ ؏ : ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی

بڑے بڑے درویش عُرس پاک پر تشریف لاتے اور خادموں کا رُوپ دھار کر مخلوقِ خدا کی خدمات سر انجام دیتے تھے۔ قوالیاں پڑھی جاتی تھیں سامعین پر وجد و کیفیات طاری ہو جاتی تھیں۔



حضرت عبدالنبی شامیؒ

حضرت قبلہ عبدالنبی شامی کے والد ماجد لالہ بھوڑہ مل بہل کھتری چوراسی گاؤں کا مالیہ وصول کرتے تھے اور پھر دہلی جا کر خزانہ میں جمع کرواتے تھے۔ آپ کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، چنانچہ آپ کو اس چیز کی بہت خواہش تھی کہ اُن کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو۔ ایک دفعہ جب آپ مالیہ جمع کروانے گئے تو آپ سرہند شریف میں حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ ہمارے گھر لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے اُن کے حق میں دُعا کی اور پھر حضرت عبدالنبی شامی ۲۹ رمضان المبارک ۱۰۲۸ ہجری کو اس ناپائیدار دُنیا میں تشریف لائے۔

روایت ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کو تلک لگانے کے لیے سل وٹہ اٹھانے کے لیے جاتے تھے تو وہ غائب ہو جاتا تھا، لہٰذا آپ کو تلک نہ لگایا گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی وہ پہلے مردِ مجاہد تھے جنہوں نے اس اسلام ہندو آمیزے کے خلاف جہاد شروع کیا۔ یہ آپ کی محنت، استقامت اور جانفشانی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں اسلام کفر و الحاد کی یورشوں سے محفوظ رہا۔ حضرت مجدد الف ثانی تو اللہ کو پیارے ہو گئے مگر یہ سہرا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے خواجگان کے سر پر ہے جنہوں نے اس تحریک کو ہمیشہ فعال رکھا۔

جب حضرت عبدالنبی شامی نے ہوش سنبھالا تو آپ کے والد نے گاؤں کے اُستاد کے پاس فارسی پڑھنے کے لیے بھیجا۔ کہتے ہیں جب حضرت صاحبؒ نے بوستان سعدیؒ پڑھتے پڑھتے آپ نے اُستاد محترم سے درخواست کی کہ وہ اُنہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ بتائیں۔

ابتدا میں اُن کے اُستاد نے اس جذبۂ سعادت کو کوئی وقعت نہ دی مگر جُوں جُوں آپ کا اصرار بڑھتا گیا اُنہوں نے اس تشنگی کو فرو کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات دینا شروع کر دیں۔ ایک غیر مُسلم کا مُسلمان ہو جانا شیام کے ہندوؤں کے لیے ایک چیلنج تھا، چنانچہ اُنہوں نے طرح طرح کے لالچ دے کر حضرت صاحب کو راہِ حق سے ہٹانے کے لیے ہزار جتن کیے۔ جب آپ کے پائے استقلال میں ذرا بھی جُنبش نہ آئی تو شیام کے ہندوؤں نے آپ کو ٹھکانے لگانے کا خوفناک منصوبہ بنایا، چنانچہ آپ اور آپ کے اُستاد محترم نے اُسوۂ رسولؐ کے تحت گاؤں کو خیرباد کہا اور ضلع فیروزپور ایک گاؤں سُلطان پور میں جا کر مقیم ہو گئے۔ ان دنوں سلطان پور علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ وہاں حضرت عبداللہ سلطانپوری

نے آپ کو اپنی درسگاہ میں پناہ دی۔ تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ شہزادہ عالمگیر اور داراشکوہ نے ابتدائی تعلیم اس درسگاہ سے حاصل کی جس کا سنگِ بُنیاد حضرت عبداللہ سلطان پوری نے رکھا تھا۔

سُلطان پور میں حضرت صاحب نقشبندیہ سلسلہ کے ایک دوسرے رُوحانی پیشوا حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پُوری سے فیض یاب ہوئے۔ جب حضرت سُلطان پور تشریف لائے تو حضرت حاجی عبداللہ سلطان پُوری دہلی چلے گئے اور حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری کو اپنی درس گاہ کا منتظم اعلیٰ مقرر کیا۔ حضرت نے اپنی رُوحانی تشنگی کو حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری کے چشمہ انوار سے سیراب کیا اور آن کو آپ کا روحانی پیشوا ہونے کا شرف ملا۔ حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پُوری کی صُحبت میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد حضرت صاحب اور آپ کے اُستاد مُحترم نے شیام کے نزدیک ایک گاؤں عالم پور میں سکونت اختیار کی۔ اب حضرت نے یہاں سے اپنے آبائی گاؤں شیام میں آمدورفت شروع کر دی۔ اس طرح سے حضرت کے پیروؤں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور شیام کے ہندوؤں کی مخالفت بتدریج کمزور ہوتی گئی۔ اس خوشگوار فضا میں حضرت صاحب نے آزادانہ گھومنا پھرنا اور اپنی تعلیمات کا درس جاری وساری کر دیا۔

جب حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے تو رشد و ہدایت کی ذمہ داری حضرت صاحب کے کندھوں پر آن پڑی۔ اس وقت اگرچہ آپ کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ تھی مگر پھر بھی آپ اپنی روحانی قوتوں کی بلندیوں پر تھے۔ آپ کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ کچھ اپنی دنیاوی مرادوں سے جھولیاں بھرتے، کچھ اپنی رُوحانی پیاس بُجھانے کے لیے حاضری دیتے۔ آپ کے عقیدتمندوں میں شہزادہ معظّم شاہ فرزندارجمند شہنشاہ عالمگیر کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اُس نے حضرت سے تخت دہلی حاصل کرنے کے لیے التجا کی تھی جو کہ عالمگیر کی وفات کے بعد اُسے مل گیا۔ کامیابی کی اس خوشی میں اُس نے حضرت صاحب کو چوراسی گاؤں کی جاگیر عقیدتاً پیش کی۔ اسی وجہ سے شیام کے گاؤں کو شیام چوراسی کہا جانے لگا۔

حضرت صاحب نے اپنی جاگیر میں ایک اسلامی درسگاہ قائم کی۔ اس میں آٹھ فاضل اساتذہ اسلامیات کی تعلیم دیتے تھے۔ نومُسلموں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے آپ نے چار سو قاری مقرر کر رکھے تھے۔ آپ کے ایک خادم حافظ محمّد مکمّل نے آپ کے مکتوبات کو "مجموعۃ الاسرار" کے نام سے منظم کیا۔ یہ مکتوبات اس امر کے شواہد پیش کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نہ صرف پیر طریقت تھے بلکہ فارسی کے ایک بہت بڑے عالم بھی تھے۔ حضرت صاحب نے رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے والہانہ عشق ومحبت کے اظہار کے لیے ایک درود شریف بھی ترتیب دیا۔ آپ نے چار شادیاں کیں جن سے آپ کی اولاد آج تک چلی آ رہی ہے۔ حضرت عبدالنبی شامی نے بعمر ۱۱۸ سال بتاریخ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۱۴۶ھ کو اس جہان فانی سے پردہ فرمایا۔ مزار اقدس شیام چوراسی تحصیل و ضلع ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے۔ اس وقت محمد شاہ

المعروف رنگیلا تخت دہلی پر براجمان تھا۔ مغلیہ خاندان کی سلطنت دہلی کے مضافات تک محدود ہو چکی تھی۔ جاٹ، سکھ اور مرہٹوں کے گروہ ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مسلمان جنہوں نے ایک صدی تک ہندوستان پر حکومت کی تھی، اب اُن کی یلغار کے رحم و کرم پر تھے۔ اس پرآشوب دور میں حضرت صاحبؒ کی ذات بابرکت تھی جنہوں نے اسلام کی قندیل کو روشن رکھا اور اسلامی تعلیمات کو جاری و ساری رکھا۔

نوٹ: مجموعۃ الاسرار سے چند خطوط جو اُنہوں نے اپنے مریدین کو تحریر کیے مندرجہ ذیل ہیں۔



خطوط حضرت عبدالنبی شامیؒ

فضیلت مآب شیخ موسیٰ ساکن ہوشیارپور کے نام

جناب فضیلت مآب شیخ موسیٰ جیو، فقیر عبدالنبی کی طرف سے سلام کے بعد مطالعہ فرمائیں۔ قرآن مجید اور حدیثِ قدسی کے الفاظ کی قربت کے مراتب ہیں!

جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں درج ہے، فرق بیان کیا جاتا ہے، لیکن اس فقیر نے اپنے قدسی اسرار عزیزوں سے جو کچھ بروئے تحقیق پایا، وہ یہ ہے: اوّل یہ کہ حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ کے کلام کے کمالات میں سے ایک کمال ہے معنوی طور پر بھی اور لفظی طور بھی۔ لیکن معنوی طور پر حضرت جبرئیل علیہ السلام پر، یا لفظاً حضراتِ انبیاء پر القا ہوتا ہے اور پھر ان معانی کو الفاظ کے تصوری لباس کے مطابق ان بزرگوں کی جماعت کے قلوب پر الہام کے طور پر نازل کیا جاتا ہے اور وہاں سے زبان کے الفاظ میں لباس میں اُن کے علاوہ پر بھی ظہور میں آتا ہے۔ یعنی فرشتے سے انبیاء پر اور انبیاء سے اُمت پر اس طرح ظاہر ہوا کہ حدیث قدسی کو کسی غیر کے واسطے کے بغیر القا کیا جاتا ہے جس میں خصوصی اسرار کو انبیاء کے قلوب اور زبان پر معنوی طور پر ایک لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید جو آسمانی کتابوں کو جمع کرنے والا ہے اور حدیث قدسیہ اس حکم کے مطابق کہ "کتاب مبین میں رطب و یابس نہیں، جامعیتِ کلام کے اعتبار سے ذات، صفات اور کمالات سے معنوی اور لفظی طور پر اسرار و بیان سے باہر ہیں اور حکمتِ بالغہ اور صانع حقیقی کی صنعت سے، ہماری صنعت کی شرکت اور ہمارے خیالات کے تصرف کے بغیر، نوری الفاظ کے لباس میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سنائے گئے، جیسا کہ کہا گیا ہے: "جبرئیلؑ نے آواز سنی۔ اللہ کا کلام اور جو کچھ اللہ نے

چاہا" آخر تک وہی نورانی الفاظ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بیان کے مظہر الفاظ کے لباس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے اور اس میں حضرت جبرئیل کا کوئی تصرف نہ تھا، سوائے اس کے کہ انہوں نے ظاہر کیے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو کسی تصرف کے بغیر جسمانی زبان کے ذریعے اُمّت کو پڑھ کر سنائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نور سے، صاحبان بصیرت پر ان دونوں کے مرتبہ کا فرق ظاہر ہو گیا اور چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد مرتبۂ حقیقی میں اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی تھی اور تمام مراتب کو جمع کرنے والی تھی، اس لیے کسی قسم کے لباس کے بغیر نفسِ مُدّعا وغیرہ کو دنیاوی حد کے لباس میں اپنے سننے کے مرتبے کے مطابق اس بے لباس کو جس کے متعلق قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے "اور کسی بشر کے لیے نہیں کہ وہ اللہ سے کلام کرے، سوائے وحی کے یا پردے کے پیچھے سے .... الخ" سنا، چنانچہ اس استماع کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے، اور اللہ سبحانہٗ کے فضل سے وہ اپنے اصل مرتبہ تک، جو عرش سے اُوپر ہے، عروج کرتے ہیں اور وہاں سے اپنے بلند مرتبے کو جو نورِ محمدی کا مرتبہ ہے، پہنچ کر ایسے مرتبے پر پہنچتے ہیں کہ لامکان بلکہ کُل مکان، اُن کے کمالات کے ظہور کی وجہ سے دوسرے مرتبہ پر ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کی حقیقی استعداد اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض سے ظہور فرماتی ہے اور اللہ سبحانہٗ نے انہیں اپنے کلام پاک سے بغیر کسی وسیلے کے فیض یاب فرمایا، پس برکتیں دینے والے ربّ ارباب نے اپنے قابلِ سماع کلام کو اس دنیاوی لباس سے عروج بخشا، اور اس مرتبۂ عالیہ پر جو تمام مخلوقات کی تخلیق کے آغاز میں تھا، پہنچا دیا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا یہ مرتبہ اس کی ذات سے الگ نہیں، اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ذات کو کیفیت اور جہت کے بغیر دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے لفظ اور آواز کے بغیر کلام کیا۔ اور یہ بیان اس مرتبے کے بارے میں ہے، جس کے متعلق مُحب بیان نہیں کرتا۔

محمد یار ساکن غلزئی کے نام لکھا گیا۔

سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے برگزیدہ لوگوں پر۔ دوستِ صادق؛ صاحبِ اقبال، مُجیب الدعوات جناب خان صاحب کے مکتوب کے ملنے سے فقیر اپنے حال پر متنبہ ہوا۔ اُس نے اپنا حال اس التجا سے الگ نہ پایا کہ اے ہمارے اللہ میری اور میرے بھائی کی التجا کو قبول فرما۔ اس خط کے حوالہ سے چند سوالات کی وضاحت ہوئی۔ لکھا تھا کہ بعض عزیزوں نے کہا ہے کہ پہلے "گردش" ہے اور پھر "ورزش" اس کے کیا معنی ہیں؛

اے دوست، گردش کے معنی سلوک ہیں، اور ورزش کے معنی جذبہ کی وصولی ہیں۔ یہ معانی اس مذہب کے مطابق ہیں جو سلوک کو جذبہ پر مقدم رکھتا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ گردش کے معنی ریاضت ہیں اور ورزش کے معنی اختیار، یعنی دل کا ذکر ریاضت کے بعد مُرشد یا زبان کی طرف سے، اور یہ معانی اس شخص کے طریقے کے مطابق ہیں، جس کے نزدیک

ریاضت، سلوک پر مقدم ہے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ گردش کا مطلب وہ جذبہ ہے جو سلوک کے ابتدی میں پایا جاتا ہے اور ورزش کے معنی ہیں، جذبہ کا سلوک پر غالب آنا اور امتزاج سلوک سے خالص ہو جانا، اور یہ معنی حضرات نقشبندیہ کے مطابق ہیں۔ جو جذبہ کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اور یہ اس طریقہ کی برکتِ کامل کی وجہ سے ہے اور اس کی کئی نشانیاں ہیں، جن کے طُولِ بیان کو میں نے مختصر کر دیا ہے۔ چوتھے یہ کہ گردش کے معنی ہیں وصل (جوڑنا) اور ورزش کے معنی ہیں فصل (توڑنا) اس معنی میں حضرت خواجہ نقشبند نے ایک طویل بیان فرمایا ہے جس کا یہ کاغذ کا پرچہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ پانچویں معنی یہ ہیں کہ گردش بمعنی توبہ اور ورزش بمعنی انتخاب ہے۔ یہ معنی طریقہ نقشبندیہ میں طریقۂ احسنیہ افضلیہ میں مستعمل ہیں اور حضرت دستگیر آدم سے مخصوص ہیں، کیونکہ ان کے مخصوص طریقے میں آغاز توبہ سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا قبولیت پر ہوتی ہے۔ توبہ کو دوسری قسم کی توبہ نہیں سمجھنا چاہیے، دوسری طرف کی توبہ سایہ ہے، اور ان کی توبہ سایوں سے غلامی اور فراغت پانے کے بعد ہے اور دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

ع : اور اسی پر بات ختم کرتا ہوں کہ داناؤں کے لیے اشارہ ہی کافی ہے۔

آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ سواری اور نشست کی حالت میں یاد کرنے اور یاد رکھنے کی نسبت پاتا ہوں، اور پھر آپ نے لکھا ہے کہ اگر حکم ہو تو نفی و اثبات اور جہر کروں۔ یہ بات عجیب ہے جو لوگ بر وقت خود بخود یادداشت رکھتے ہیں، ہمارے طریقے میں جہر و نفی و اثبات کے طریقے سے آگے گزر چکے ہیں اور ترقی کر گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ان دونوں نسبتوں نے غلبہ حاصل نہیں کیا، اس صورت میں نفی و اثبات کی گئی ہوگی۔ اگر دل جہر کی طرف رغبت کرتا ہے تو تنہائی کے وقت میں درمیانے طریقہ سے سُنّت کے مطابق کیا جائے اور جب تک دلی نسبت غلبہ کرے، کر لیا جایا کرے۔ اور وہ جو ایک جُبّہ (یا ٹوپی) کے متعلق تحریر تھا، فقیر اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ لہٰذا اسے چھوڑ دیا ہے۔ اور وہ جو ایک رسالہ کے متعلق لکھا تھا تو مختصر یہ ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے :

"دُنیا کے اندر اس طرح رہو کہ جس طرح کوئی مسافر پُل پر اور اپنے آپ کو اصحاب القبور میں شمار کرو" اس بات کا خیال رکھیں۔ تمام رسالہ مختصر ہے۔

اور وہ جو حاجیوں کے طریقے کے مطابق اپنے آپ کو "بدبخت" اور "روسیاہ" کہتے ہیں اور "نہ مومن ہوں نہ مُسلمان" کہتے ہیں، تو ایسے الفاظ اہلِ ایمان کو زبان و قلم پر نہیں لانے چاہییں، خواہ عام سا ہو۔ انہیں چاہیے کہ خود کو مُسلمان سمجھیں اور گناہ کی وجہ سے گنہگار سمجھیں نہ کہ کافر۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کفر اور شرک سے۔ اگر کسی عزیز نے ایسا کہا ہے تو شاید وہ مغلوب الحال ہو اور ایسی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ الغرض اگر سواری یا غیر سواری کی حالت میں نسبت میسر ہو تو اُسے غنیمت جانیئے اور دلی عجز و انکسار اس کے ساتھ رکھیں، کیونکہ عجز و تضرع کے بغیر ذکر کو غفلت میں شمار کیا گیا ہے تاہم تضرع اس

قدر نہیں ہونا چاہیے کہ اپنے آپ کو بدبخت اور سیاہ سمجھیں، کیونکہ یہ القاب اُس کے حق میں کُفر ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا! "اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے"۔ زیادہ دُعا۔



میاں اللہ دین کے مکتوب کے جواب میں کہ بعض مقبروں پر بدعت ہوتی ہے، کی تحقیق کے بارے میں لکھا گیا۔

یہ کام کاج کسی کے اختیار میں نہیں۔ خود مقبروں کے صاحبان اس حالت پر غم ناک ہیں۔ اس کے دُور ہونے کی ہر چند دُعا کرتے ہیں قبول نہیں ہوتی۔ مجبوراً معاملہ قضا کے سُپرد کر کے غم ناک ہوتے ہیں۔ اس بارے میں دُعا کے قبول ہونے میں بے بس ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حق تعالیٰ اگرچہ ہر ذرّہ کے قریب ہے۔ اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع و الہام کی وجہ سے واقف ہوتے ہیں، پھر بھی قضائے الٰہیٰ سے ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں مخدوم عالم بہاالدین کو غالب جاننا، بے شبہ نادانی ہے۔ جب ایسے معاملات کو خلافِ شرع دیکھا جائے تو اُنھیں قضا کے سُپرد کر دینا چاہیے۔ یہ مصلحت کا موقعہ نہیں بلکہ دم مارنا قضا کا انکار کرنا ہے اور یہ محض کُفر ہے۔ مقبروں سے لذّت حاصل کرنا اور شے ہے۔ یہ مرتبہ ثانی اور مرتبہ لطیفہ ہے اور پہلا مرتبہ قہر کا مرتبہ ہے۔

؏ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تابکجا (دونوں راہوں میں دیکھیے کتنا بڑا فرق ہے۔)

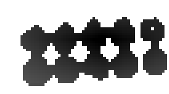


حقائق آگاہ شیخ عبدالقادر جہاناآبادی کے نام لکھا گیا۔

حقائق سے آگاہی رکھنے والے، اللہ کے الطاف سے مظہر اور معمور نے اس فقیر سے صلوٰۃ و مراتب کے معنی دریافت فرمائے ہیں۔ شیخ صاحب! صلوٰۃ و مراتب کے معانی ایسے ہیں کہ حکمت سے تعلق رکھتے ہیں اور حکمت سے ناواقف ہونا عبث ہے۔ صلوٰۃ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کے معانی کو پالینا کامل لوگوں کا خاصہ ہے، ہم جو اہلِ کمال کے خوشہ چیں ہیں۔ اتنی طاقت کہاں رکھتے ہیں کہ اس کے بیان میں زبان کھولیں، لیکن اسی عقیدہ کے مطابق کہ "اس کی حکمت سے ہم آگاہ نہیں"، ہمیں پُورا یقین ہے۔ اور اس کا ظاہر علمائے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے، لیکن چونکہ سوال کا جواب دیئے بغیر چھٹکارا نہیں، اس لیے ظاہر کے بارے میں تھوڑا سا عرض کرتا ہُوں؛

معلوم ہونا چاہیے کہ چونکہ انسان رات کے وقت خواب میں مبتلا ہوتا ہے اس لیے اللہ کے فضل نے دو رکعت سُنت (موکدہ) اور دو رکعت فرض، فجر کی نماز میں مقرر فرمائے تاکہ اس کے ادا کرنے میں سُستی نہ کر جائے یا کوتاہی نہ ہو جائے۔ فجر کی نماز سے سُورج کے سر پر آنے تک اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے وقت کو معاش کے ضروری کام کے لیے خالی چھوڑ دیا، اور جب معاش کے ضروری کاموں سے فراغت ہو گئی تو اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے فجر

کی دو رکعت کی نسبت ظُہر اور عصر کے وقت دو رکعت کا اضافہ کر دیا، لیکن ظُہر کے وقت کی وُسعت کے پیشِ نظر چار فرض سے پہلے چار رکعت سُنّت (موکدہ) اور بعد میں دو رکعت سُنّت (موکدہ) کی تکلیف ندی اور چونکہ مغرب کا وقت عصر کے وقت سے بھی تنگ ہوتا ہے اس لیے مغرب میں فرض میں ایک رکعت کی تحفیف کر دی اور وقت کی تنگی کے پیشِ نظر فرض کی ادائیگی پہلے قرار دی گئی اور تنگی وقت کے پیش نظر دو رکعت سُنّت (موکدہ) کو بعد میں کر دیا۔ اور چونکہ عشا کا وقت کھانے پینے کا وقت ہے اور سُستی ضروری ہوتی ہے۔ اور اگرچہ عشا کے وقت میں وسعت ہوتی ہے، پھر بھی فرض کو سُنّت پر مقدم قرار دیا گیا۔ چونکہ سُستی کا وقت تھا۔ دو رکعت سُنّت (موکدہ) کا حُکم دیا گیا۔ مزید براٰں چونکہ روز و شب کی نمازوں کی رکعتوں کا طاق ہونا ضروری سمجھا گیا، اور مستحب ہے، اس لیے مغرب کی نماز میں تین رکعتیں فرض کی گئیں اور رات کے باقی ماندہ حصّہ کو نوافل کے لیے چھوڑ دیا گیا اور چونکہ قیلولہ کرنا نیاز و مناجات کے لیے ہے، اس لیے قرأت کا حُکم دیا گیا اور چونکہ رکوع و سجود میں سر کا جھکانا ہے، اس کے لیے مناسب تسبیح ہے اور چونکہ قومہ اور جلسہ میں سر اُوپر اُٹھانا ہوتا ہے، اس لیے تکبیر کا تقاضا ہوتا ہے اور خاصہ حق سمجھ کر "اللہ اکبر" کہنا چاہیے، اور جب بندے نے حمد و ثنا ادا کر لی اور حق تعالیٰ نے یہ حمد و ثنا سُن لی تو ضروری ہو گیا کہ "سمع اللہ" کہنے کے لیے کہا جائے اور جب "سمع اللہ" پر اعتقاد ہو گیا تو اُس کے ساتھ ہی "ربنا لک الحمد" مقرر فرمایا۔ اور جب تمام مراتب و فرائض سے فارغ ہو گیا اور "نماز مومن کی معراج" کہی گئی ہے تو مناسب ہوا کہ نماز کا اختتام تشہد پر کیا جائے تاکہ "الصلوٰۃ معراج المومن" سے آگاہی ہو جائے اور جب نماز کے تمام مراتب سے فارغ ہو گیا تو آفات سے سلامتی کی خبر دی اور تمام مومنین جماعت کو مبارکباد دی گئی اور وہ السّلام علیک ہے، جو کہی جانی چاہیے اور سلام تم پر اور اُس پر جس نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کی۔



حضرت مولوی غلام رسُولؒ

مولوی غلام رسول صاحب گوجر قوم کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں مراد بخش تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت عالم پور کوٹلہ جو دوسوہہ سے ۱۱ میل کے فاصلے پر تھا میں ہوئی۔ ابھی آپ کی عمر تین سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ والد صاحب نے پرورش کے لیے والدہ کے دُودھ کے بدلے میں بکری کا

دُودھ استعمال کرایا۔ ایک دفعہ جب آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ آپ کے والد بکری کی خوراک کے لیے بیری کے درخت پر چڑھے تاکہ ٹہنیاں اور پتے وغیرہ اُتار کر بکری کے آگے ڈالیں اور وہ اپنا پیٹ بھر لے۔ آپ بھی والد کے ہمراہ تھے۔ آپ نے والد سے استفسار کیا کہ یہ بیری کے درخت آپ کی ملکیت ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا ایک زمیندار جاٹ نے یہ بیری کے درخت لگا رکھے ہیں ــــــ مگر مَیں بلاقیمت پتے اور ٹہنیاں وغیرہ بکری کی خوراک کے لیے روزانہ کاٹ لیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب آپ ان چیزوں کی قیمت ادا نہیں کرتے تو پھر پتوں کو کیوں لاتے ہو۔ لہٰذا مَیں آج سے دُودھ نہیں پیوں گا۔ آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔

آپ کے والد نے نام تو نتھو رکھا تھا۔ لیکن جب آپ نے ابتدائی تعلیم موضع غلزیاں کے مولوی محمد عثمان صاحب سے حاصل کی تو آپ نے "غلام رسُول" نام رکھ لیا۔ یعنی رسُول پاکؐ کا غلام۔ پھر آپ جالندھر تشریف لے گئے اور کئی بیشی تعلیمات پایۂ تکمیل کو پہنچتی رہیں۔ بعد میں آپ مزید حصولِ تعلیم کے لیے دہلی میں حضرت نظام المشائخ محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا کے سجادہ نشین کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اُن کے دست حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہوئے۔ سلوک کی منازل کا آغاز کیا۔ وہاں سے تصوّف کی حصول تعلیم کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ یہاں آکر موضع میر پور جو کہ دوسوہہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر جانب شرق تھا بطور مدرس ملازمت اختیار کر لی لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ملازمت سے اُکتا گئے اور اس پیشہ سے الگ ہو گئے۔ واپس اپنے گاؤں موضع عالم پور کوٹلہ میں آکر درس و تدریس کا آغاز کر دیا تاکہ دینِ اسلام کی بھی تبلیغ ہوتی رہے اور لوگ بھی مستفیض ہوتے رہیں۔

آپؒ کو شاعری کا شوق سترہ برس کی عمر میں ہوا تھا۔ سب سے پہلے چھوٹے قصّے "چوپٹ نامہ، مسئلہ توحید، سی حرفی اور سسی پنوں کی صُورت میں کتابیں تحریر کیں۔ ۲۲ برس کی عمر میں داستان امیر حمزہ تحریر کر کے اپنے ضلع میں نامور شاعر کی حیثیت سے مشہور و معروف ہو گئے۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ یہ صرف آپ کے اخلاق حسنہ کا نتیجہ تھے۔ اس کتاب داستان کی تحریر کے چار سال بعد تفسیر یوسف علیہ السّلام "احسن القصص" کے نام سے تحریر کی جس کو تمام پنجاب میں اہمیت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ یہ تفسیر ۱۲۹۰ ہجری میں چھپوائی گئی۔

آپ تمام عمر ایک ہی وضع داری پر قائم رہے یعنی نماز، ورد اور وظائف سے فارغ ہو کر جو وقت آپ کو ملتا اس میں درس و تدریس کا کام کرتے تھے یا صرف کتابیں تحریر کرتے رہتے تھے۔[۱]

ایک دفعہ حسبِ معمول اپنی کتاب "احسن القصص" کے تحریر کرنے میں مصروف تھے کہ ایک زمیندار نے دروازہ کو بند دیکھتے ہوئے کھڑکی کی راہ سے کمرہ کے اندر جھانکا کہ دیکھیں مولوی صاحب دروازہ بند کر کے کیا کر رہے ہیں۔ اس زمیندار نے دیکھا کہ ایک خوبصورت پری چہرہ عورت مولوی صاحب کے پاس بیٹھی ہوتی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ دوڑا ہوا

[۱] (پنجابی شعراء ۔ مولا بخش کشتہ)

گاؤں کے لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے کہ مولوی صاحب کے پاس خلوت میں ایک نامحرم خوبصورت اور پری چہرہ عورت بیٹھی ہوئی ہے اور اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ وہ گھر کا دروازہ بند رکھتے ہیں لہٰذا آج اُن کی ساری پول کھل گئی ہے۔ وہ سب لوگ اکٹھے ہو کر مولوی صاحب کے پاس آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ مولوی صاحب نے دروازہ کھولا وہ ایک دم اندر آئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ مولوی صاحب نے حیران ہو کر استفسار کیا کہ تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو اور کیا تلاش کر رہے ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ کے پاس خلوت میں ایک خوبصورت اور پری چہرہ عورت بیٹھی ہوئی دیکھی گئی ہے مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہاں پر سوائے تمہاری ذات کے دوسری ذات نہیں ہے۔ وہ اپنے طرز پر شرمندہ ہوئے۔ مولوی صاحب ان لوگوں کی قلبی کیفیت کو بھانپتے ہوئے بولے کہ میں آج کل سورۃ یوسفؑ کی تفسیر تحریر کر رہا ہوں۔ جن حالات کا میں علم نہیں رکھتا وہ حضرت بی بی زلیخا صاحبہ سب حالات ایک ایک کر کے مجھے بتاتی جاتی ہیں اور میں اُسے قلمبند کرتا جاتا ہوں تاکہ تفسیر پاک میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ رہنے پائے۔ یہ جواب سن کر ان لوگوں کی نظروں میں مولوی صاحب کا اور زیادہ وقار و عظمت بڑھ گیا۔ گرد و نواح کے لوگوں کے علاوہ تمام پنجاب آپ کی بزرگی و درویشی کے قائل تھے۔

آپ کو ایک سید زادے جن کا نام نامی سید روشن علی تھا کے ساتھ بہت زیادہ محبت تھی جو کھاتے پیتے گھر کا فرد تھا مگر تقدیر کے چکر میں آ کر ان کے حالات کچھ بدل گئے جس کی وجہ سے مجبور ہو کر اُنھوں نے ریاست نابھہ میں جا کر ملازمت اختیار کر لی۔ مگر ازلی عشق و محبت کے ناطے سے وضع داری کو قائم رکھتے ہوئے اکثر موقع پا کر آپ کے پاس آتا۔ آپ نے اس کی شادی اپنے ہی موضع عالم پور کوٹلہ میں ایک سید خاندان میں کرا دی تھی۔ اس نظریہ کے تحت تاکہ سید زادے کی آمد و رفت جاری رہے۔ مگر حالات سازگار نہ رہے جس کی وجہ سے اپنی دُلہن کو اپنے ساتھ مالوہ (نابھہ ریاست) لے کر چلا گیا اور ایک عرصہ تک صورت نہ دکھائی۔ خط و کتابت کرتے رہے۔ آپ نے ان خطوط کو منظوم کر کے مذکورہ تفسیر میں درج کر دیا ہے۔

آپ نے دو شادیاں کیں جن میں سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آپؒ کا وصال بعمرہ ۴۸ سال موضع عالم پور کوٹلہ میں ہوا اور وہیں مزار اقدس ہے۔

احسن القصص سے نمونہ کلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عشق بھنا اخلاص نہلایا رنگیا رنگ شہودی — صدق و صفا دی آب ہوائیں پلیا وچ خوشنودی

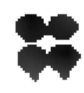
برگ وبرگ ارادت ازلی نور رچایا ہویا
محویت دے خمر طہوروں نشہ چڑھایا ہویا

جوہر عرض وجود خلائق اصل اصول کمالی
اُمت خیر اُمم دا والی نام محمد عالی

نبی صفی دا سید سرور تے کوثر دا ساقی
جیں حق خاص شفاعت کبریٰ ختم اتفاقی

مظہر فیض اتم یگانہ مطلع صبح ظہوری
اوہ شاہ بیت قصائد عالم جیں وچہ خوبی نوری

یارب نال طفیل ہدایت بخش اساں بُریائیاں
عفو کرم دیاں وچہ دریاواں ساڈیاں روہڑ کمائیاں



ساقی آب طہور طلب دا جام مرے بھر پائیں
دریا ذوق محبت والا گھت دلاں وچہ جائیں

چا ہتھ تیغ بر ہوندی خونی چشم اگھاڑ حجابوں
گھنڈ پلٹ چمک دیہہ عشقا مہر اقمار گلابوں

مستی چشم پیارے والی جاں جگر کھا جائے
دردمنداں دے سُن سُن حالے ہوون درد سوائے

عشق بناں تن دُشمن دل دا تے دل دُشمن تن دا
ویری نال پیا وس ویری دا ساخار چمن دا

عشق بناں دل مردہ غافل کس گنتی وچہ آوے
عشق دلاں نوں صقل غماں تھیں کر شمشیر دکھاوے

مزہ نہیں بن عشقوں دل نوں نور نہیں روشنائی
غم بر ہوندی لذت باجھوں دل نوں ذوق نہ کائی

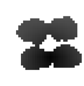
عشق کرم دا قطرہ ازلی تیں مَیں دے وس ناہیں
اکناں لبھیاں ہتھ نہ آوے اکناں دے وچ راہیں

پیوے گھول پیالے زہروں مستی چڑھے سوائی
وجے تیغ کہے بسم اللہ ایہہ محبوب لگائی

واہ واہ عشق کیائی چنگا جس وچہ کُل آزادی
اس دُنیا دے وچہ غماں دے جھل متاں بربادی

مردا ڈردا نس نہ جائیں ویکھ چمک دیاں تیغاں
نسے جاندے خود پچھتاندے مردے نال دریغاں

مشہد عشق شہادت اکبر قتل ہوویں اک واری
قسم دلا دہر بیر نہ پچھے زخم اکا جھل کاری



حُسن جمال کیتا دہ حصے جس وچہ کُل سمائے
اک حصہ وچہ عالم سارے نو یوسفؑ نے پائے

ہور فصاحت اتے بلاغت حصے دس بنایا
ختم الرسل محمدؐ نوں نو اک دُنیا وچہ آیا

گھت وچہ جام دے ساقی دو گھٹ شوق شرابوں
نیل فنا وچہ رہڑ یا جاواں چھٹے جان عذابوں

تے ایہہ جام دکھاندا بھریا لبوں نہ لاہاں مولے
لکھ لکھ خوشی غلام رسولے جے محبوب قبولے



عشقوں تیر وجے جتھے کاری رہے نہ زخم لوکائیا
تدبیراں دے پردے اندر ایہہ دکھ کدے نہ آیا

عشق ایہہ وچہ لکھاں آتش بھکھ بھکھ لاٹاں مارے — عشق لوکایاں لُک دا ناہیں آخر جوش دکھلاوے

❖

قول سچے توں جھوٹا ناہیں پر مَیں جھل نہ سکدی — قہر وچھوڑے سخت ستایا ہاں راہاں ول تکدی
دل لے گیا نہ مہر کمایو مار گیوں وچہ فرقے — نین میرے دو تیرے زخموں رہن لہو وچہ غرقے
جاں ایہہ زخم پرانا ہویا لگیاں ملن دوائیں — دن کائی آرام کماوے وکسی بھیسیر کرائیں

❖

یار ملے دُکھ کٹے جاون قسم کراں سو واری — نام فراق کہے جگ جس دا ایہہ ہے مشکل بھاری
یاریاں لایاں بھُلن بھلاوے جنہاں دلاں اندھیرے — یار بنے اوہ انت لٹیرے پا وچہ گھمن گھیرے
احوال چشم ڈبتے وچہ حسرت ڈر دا راز نہ بولے — کہے زبانوں تے شرمائے قدم دھرے دم ڈولے

• رتاں بدلیاں تے موسم ہور ہوئے دھپاں گزریاں تے لگے پون پالے
اسیں گرمیاں سردیاں جکھ گزرے دکھ سکھ والے رو رو وقت جالے

❖

اسیں وانگ پردیس دیس اندر کہیڑے دیس تساں کونٹاں ملیاں او
مڑ بوہڑ پردیسیا میریا او ملیاں باہجھ نہ اساں تسلیاں او

❖

تیری چاہ اوسیدا موڑ واگاں دتو جھل دوا بے دل آدنے نوں
سچا پیر ہیں تے کرباہوڑی او درد منداں دے درد مٹاونے نوں
پیر سچیریا دے جان رکھدیا دے، پردے کجدیا عیب چھپاونے نوں
جے توں آوناں نہیں تے بکھ سانوں اسیں آپ آئیے درشن پاونے نوں
پیریں لگدیاں انت لاج پالے کرنے محو وچہ وصل نہلاونے نوں
ایہہ دُور نائیں رحم یار دے تھیں او گنہار تے فضل کماونے نوں

اوہ دار بقا وچہ رہن اینویں جیہڑیاں دار فناہ وچہ گور ہویاں
دُکھ چپ چپاتیاں جرن کیونکر جیہڑیاں اندروں بخت پُر شور ہویاں

جنہاں بُلبلاں گلاں دی ملی نکہت ٹٹے پنجرے تے کھلی ڈور ہویاں

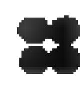
پائی شمع دی چمک پروانیاں نے اکھیں ویر بھریاں آتش خور ہویاں

معنی اک وچہ صُورتاں فرق بھاویں اکو اک ایہہ بھی دم بھر دیاں او

جنہاں فرق جھاتا سو او غرق ہوئے بھاتنہاں دے دھروں نامردیاں او

سوہنے یار دے اجے وچہ کارخانے ناہیں کسے حساب وچہ تردیاں او

جھل سوہنیاں زاریاں کردیاں نوں ایہہ بیدیاں فضل دے وردیاں دا



مَیں تیں وانگ اسار دے کئی گزرے لیا کسے نے کدھ سنجار ناہیں

پریم نشے دی جنہاں دے جھوک دل نوں ایہہ ٹٹناں جوش خمار ناہیں

جے توں سچ پچھیں قلم ہتھ ساڈے قلم جہی بھی ہور تلوار ناہیں

گھائل کراں گے قلم دیاں نال زخماں خالی جاوندا قلم دا وار ناہیں

وگی قلم دے زخم نہ کدی مِٹ دے بڑا قلم تھیں ہور ہتھیار ناہیں

قلم والاں نوں قلم کر سُٹدی اے قلم جہی کوئی بڑی پیکار ناہیں۔

دفتر راز جہان دے قلم لکھ دی کیہڑا شاہ جہدا خدمت گار ناہیں

وچہ مُلک حکومتاں قلم کر دی کھاندی وچہ جنگاں دے ہار ناہیں

مہریاں کیتیاں ول نجا سائیاں میرے وانگ کوئی گنہگار نائیں

تُوں فضل کر فضل ہے کار تیرا تیرے فضل باجھوں بیڑا پار ناہیں

اساں آپ لکھناں سانوں بھار کیہا ہونا مُنشیاں دا منت وار ناہیں

اسیں لکھاں گے جدوں تک نہ آویں گھاٹا کاغذاں دا بازار ناہیں

ساڈے مُلک وچ کمی نہ کاغذاں دی قلماں گھڑن تھیں قلم بیزار ناہیں

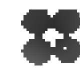
زنگار رنگ دواتاں دے رنگ ساڈے کیہڑا ساز جو اج تیار ناہیں

ہر رنگ وچ رنگتاں رنگ دے ہاں ساڈے رنگ نوں لگدے زنگار ناہیں

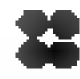
کدوں شعر دا قافیہ تنگ ساڈا بگڑ دا وزن مقدار ناہیں!

بے درد نوں درد سناوندے ہاں کی گھٹنے اساں دے درد انبار ناہیں

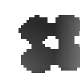
جیہا درد دُکھاں ساڈوں گمیریائی ایا چند نوں کدے پرواہ ناہیں
دردمنداں دے درد بے درد اگے باہجوں جھوٹ دی لاف پٹار ناہیں
جانن بھری تکلفوں گل ساڈی گھوڑے عشق جو ہوئے سوار ناہیں
لانبو بال فراق دے کھڑا ہویا ساڈا لیکھ دیکھو سازگار ناہیں
تیرے دیس اُتے گھٹاں چھا رہیاں باجھوں آہ دل دے دھند وکار ناہیں



چیکڑ بھریاں نوں گل لاوندا ہے اعتبار نہ کجھ سنگاریاں تے
قربان دل جان صدقڑے ہے یار رحم کردا اوگنہاریاں تے



نقش زعفرانی اسم یار دے نے لاٹاں بال دل وچ چمکائیاں نے
جیہیں دل نظر وگ دی جلوہ یار دا ہے اجے یار نوں بے پرواہیاں نے
جے میں ہتھ تیرے توں کد دُور میں تھیں میں کنڈیاں بھی بچھتائیاں نے
آپے آپ تھیں یاریاں لایاں نے آپے دیکھیاں آن دکھائیاں نے



عالم پوروں دل ماوے وگی چٹھی ہن رہیا نہ وقت اخیر دا ہے
ساڈے لکھے تے کسے نے رووناں ناہیں ہے وگ چلیا تیر تقدیر دا ہے
کیتا ختم کلام دے سلسلے نوں اگے خوف ہن عمل کثیر دا ہے
قائم رہے نماز جے عشق والی جاں فضل کریم قدیر دا ہے
لکھیں دُکھ دیاں نال میں خط لکھیا وقت دوپہر دن پیر دا ہے
اج اٹھویں ماہ محرموں ہے صدی تیرھویں سال اخیر دا ہے



بابا رحمت علی چشتیؒ صابری

بابا رحمت علی چشتی صابریؒ کے والد ماجد کا نام نامی بابا میاں نتھا تھا۔ پیدائش ۱۸۶۰ء اور وفات ۱۹۴۲ء آپ بمقام ہردو تھلہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ قوم کے راجپوت گوت کروڑا، منہاس تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد جموں کے رہنے تھے جو کہ اہلِ ہنود میں سے تھے۔ حالات ناسازگار ہونے کی بنا پر ہجرت کر کے موضع کروڑا۔ وڈالہ دامنِ کوہ شوالک میں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسب نسب کی وجہ سے اعلیٰ اور شریف و نجیب قرار نہیں دیا، بلکہ ارشاد خداوندی ہے:

"یاایہاالناس اناخلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا ط اِنَّ اکرمکم عنداللہ اتقکم ط ان اللہ علیم خبیر۔"

"اے لوگو بے شک ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں، گوتیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تم باہم پہچان قائم رکھو ورنہ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے زیادہ عزت و شرافت والا وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

اَلشَّرَفُ بِالْعِلْمِ وَالْاَدَبِ لَا بِالْاَصْلِ وَالنَّسَبِ۔ "بزرگی علم اور ادب سے ہے نہ کہ اصل نسب سے۔"

غرض اخلاق حسنہ، علم و ادب اور مہذب ہونے کی وجہ سے ہی خاندانوں کی عزت و توقیر ہے۔"

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "تعلموا انسابکم وتصلوا ارحامکم" "اپنے نسب سیکھو اور صلہ رحم کرو۔" یعنی اپنے قبیلوں کی پہچان کرو اور اُن کے ساتھ اچھا اور بہتر سلوک کرو۔ اُن کی ضروریات کو پورا کرو بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہوں اور اُن کے ساتھ نیکی کرو۔

دست کار ہونا یا دست کاری پیشہ رکھنا یہ قوم نہیں کہلاتی۔ قومیں وہی ہیں مثلاً راجپوت، قریشی، مغل، پٹھان اور جٹ اور اُن کی ہزاروں شاخیں اور پھر اس کے بعد اُن کی ہزاروں گوتیں وغیرہ وغیرہ۔

جو شخص جیسا پیشہ اختیار کرے گا ویسا ہی اُسے اُس نام سے پکارا جائے گا۔ وہ قومیت نہیں کہلائے گی۔ مثلاً زمیندار سے مراد زمین کی کاشت کرنے والا۔ یہ پیشہ ہے قوم نہیں۔ دھوبی، حجام، موچی قومیں نہیں ہیں۔ اسی طرح نوکری کرنے والا ملازم تو کہلائے گا، لیکن اس کی قومیت ملازمت نہیں کہلائے گی۔

شاید کروڑا وڈالہ (مسل) دو بھائی ہونگے اُن کے نام کی نسبت سے وہ موضع کروڑا وڈالہ کے نام سے آباد ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ یہ موضع منہاس راجپوتوں کا آباد کردہ ہے جو کہ اشو پال، متی اور کھشی کی اولاد میں سے تھے جن کا مفصل ذکر فٹ نوٹوں میں دیا گیا ہے۔ وہاں بھی حالات دگرگوں رہے اور قسمت نے ساتھ نہیں دیا، لہذا وہاں سے پھر دوبارہ ہجرت کرنے کی دل میں اُمنگ پیدا ہوئی اور ہردو تحصیلہ شریف آکر آباد ہو گئے تھے۔ اسی گاؤں میں آکر اپنا آبائی پیشہ زراعت کو اپنا کر کاشت کاری شروع کر دی۔ یہاں کی زمین بنجر اور بارانی تھی۔ دور خالصہ میں زمین کا لگان اس قدر زیادہ تھا کہ اراضی کی پیداوار بہت کم ہوتی تھی اور اس پر معاملہ اراضی جو کہ ناقابلِ برداشت تھا، لہذا یہاں پر

حسب و نسب

عربوں میں کسی شخص یا قبیلے کا مقام اعزاز و اکرام متعین کرنے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ اس کے اعمال دیکھے جائیں۔ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ قرابت داری معزز لوگوں سے ہے یا معمولی درجے کے لوگوں سے۔ یہ رشتہ داری ننھیال اور ددھیال دونوں طرف سے دیکھی جاتی تھی، یعنی اس کے آباء و اجداد کون ہیں اور اس کے شادی بیاہ کے تعلقات کن لوگوں سے قائم ہوئے ہیں۔

نسب وہ قرابت ہے جو آباء و اجداد کی طرف سے ہو اور صہر وہ قرابت ہے جو شادی بیاہ کے نتیجے میں پیدا ہو۔ حسب کے معنی ہیں کرم و شرف اور وہ فضیلت جو اچھے اعمال کی وجہ سے حاصل ہو۔ کہتے ہیں:

وَرُبَّ حَسِیْبِ الْاَصْلِ غَیْرُ حَسِیْبٍ

یعنی بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے آباؤ اجداد تو نیک ہوتے ہیں لیکن اُن کے اپنے اعمال اچھے نہیں ہوتے، اسی لیے کہتے ہیں کہ حسیب وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جو خود بلند مرتبہ ہو جس کے آباؤ اجداد گو اعلیٰ درجے کے نہ ہوں۔ اور حسب کے معنی رشتے دار کے بھی ہیں؛ چنانچہ جب ہوازن کا وفد جنگ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معافی مانگنے کے لیے آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو مال غنیمت ہم نے تم سے تمہارے خلاف جنگ کے بعد حاصل کیا ہے وہ لے لو یا اپنے قیدی واپس لے جاؤ تو اُنہوں نے کہا کہ ہم مال نہیں لیتے ہمارے قیدی رشتے دار ہمیں واپس کر دیے جائیں۔

عرب کے عہد قبل از اسلام میں حسب اور نسب بڑی حد تک لازم و ملزوم ہوتے تھے۔ نسب کے ساتھ ساتھ، کسی فرد یا قبیلے کی عزت و تکریم اس پر بھی منحصر تھی کہ اس کے آباؤ اجداد نے کیا کیا نمایاں کارنامے انجام دیے اور اُن میں سخاوت و شجاعت وغیرہ کے اعلیٰ اوصاف کہاں تک موجود تھے۔ ان سب مفاخر

اراضی سے دست بردار ہو کر ایسے خالصہ پر آشوب دور میں نوبت فاقہ کشی تک پہنچ گئی اور گھر کے افراد زیادہ ہونے کی وجہ سے گزر اوقات بمشکل ہوتی تھی۔ اس خالصہ دور میں وہ لوٹ مار ہوئی تھی جو جس کے ہاتھ لگتا اُٹھا کر چل دیتا۔ کوئی ان کو روکنے یا دفاع کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کروڑا اور وڈالہ کے اکثر خاندانوں نے دین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبول کر لیا تھا۔ آئے دن کی پریشانیوں سے تنگ آکر بھی اس موضع کروڑا وڈالہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنا پڑا اور موضع ہر دو تھلہ میں ہجرت کر کے آ گئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ہمارے اصلی شجرہ نسب کا پتہ اُس وقت چلتا تھا جب خاندان میں سے کسی فرد کی شادی ہوتی تھی تو خاندان کا بھاٹ برہمن جو قدیم سے چلا آتا تھا شادی کے موقع پر شجرہ نسب بیان کرتا تھا اور خاندانوں کی رشتہ ازدواج میں تسلی ہو جاتی تھی۔ یہاں پر زندگی خوشحالی سے

کی یادداشت باپ سے بیٹے کو منتقل کر دی جاتی تھی تاکہ قبیلے کی قابلِ فخر روایات زندہ رہ سکیں اور اُن پر قبیلے کا ہر فرد فخر کر سکے۔ ان کارناموں اور اوصاف کا اندازہ مجموعی مفاخر سے لگایا جاتا تھا، اور یہ سب کے لیے ایک نمونہ، ایک مثالی اخلاقی معیار، میراث اور ایک قسم کی قبائلی روایت سمجھی جاتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طعن فی النسب سے منع فرمایا ہے۔ عربوں میں رواج تھا کہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ آپؐ نے اپنے بزرگوں کی اچھے اوصاف کی یاد سے منع نہیں فرمایا؛ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے احساب جاننے اور خاندانی رشتوں کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنا نسب یاد کرو۔ پھر حدیث میں ہے: "کسی شخص کا حسب اُس کے اخلاقی اوصاف ہیں اور دامن کی پاکیزگی ہی انسان کا اصل شرف ہے۔"

خاندان منہاس راجپوت

یہ خاندان راجپوت جموال کی ایک شاخ ہے۔ اس لقب کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔ اول یہ کہ راجہ جوگراج والی مُلک جموں کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ملن ہنس یا من پرکاش جس کی اولاد نے راج کرنے سے انکار کر دیا اور ہل پکڑ لی۔ پس اس کی اولاد ملن ہنس کے نام پر منہاس مشہور ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ خاندان جموال میں ہل چلانا منع چلا آتا ہے، اس لیے اُن کی اولاد سے جس جس نے ہل چلائی وہی منہاس ہو گیا یعنی جو بات منع تھی وہ کام کیا۔

ملن ہنس یا من پرکاش کی اولاد ہیں جو ۔۔۔ بکرم کے قریب قریب خاندان جموال سے علٰحدہ ہوا۔ یہ خاندان مقام پرگوال، چیراڑ، تقب وغیرہ مختلف مقامات میں آباد ہے جس کی بہت تعداد ہے۔

دوسرا خاندان: منہاس موضع مالتی تحصیل بسوہلی میں صرف ایک دو گھر ہیں۔ یہ خاندان جسوتیہ جموال واقعہ موضع ملن علاقہ جسروٹہ سے علٰحدہ ہوا۔

تیسرا خاندان: راجہ سنگرام دیو لکھن پوریہ سے علٰحدہ ہوا جو موضع بیال ضلع گورداسپور اور دوسرے مختلف مقامات پر آباد ہے۔ کچھ

تو نہیں خیر گزارہ ہونے لگا۔ مگر قدرتِ کاملہ کے کھیل ہیں کہ اس دوران میں خشک سالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ کھیتیاں سُوکھ گئیں، بارش نام کو نہیں ہوتی تھی۔ لوگ قحط کا شکار ہو گئے۔ عوام بھوکے مرنے لگے۔ زمین کا لگان کہاں سے دیتے۔ دورِ خالصہ میں حکومتِ وقت نے پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ میاں نتھا کے والد ماجد میاں الفا خاں نے کاشت کاری چھوڑ دی اور محنت مزدوری کرنے لگے۔ اس دور میں مزدوری دو پیسے یومیہ تھی۔ مزدوری بھی کسی خوش قسمت کو ملتی تھی۔ اس زمین کے لگان سے بچنے کے لیے کئی دفعہ رُوپوش ہونا پڑا۔ یہ قحط تقریباً بیس سال تک رہا۔ لوگ پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لیے دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے۔ مفلسی اور غریبی بُری بلا ہوتی ہے۔ اپنے بیگانے مفلس

ان میں سے نقل مکانی کر کے موضع جوالی تحصیل نور پور ضلع کانگڑہ میں رہتے تھے۔ یہ سب سنگرام دیو کے چہارم فرزند مبہ کی اولاد سے ہیں۔

چوتھا خاندان: راجہ چک دیو کے دوسرے فرزند رام دیو سے ۱۲۳۸ بکرم کے قریب علیٰحدہ ہوا۔ اس رام دیو کے سنگھا دیو اور جگو دو بیٹے تھے۔ سنگھا دیو کی اولاد ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئی۔ جگو کا فرزند بیرم دیو ہوا جس کے سموں اور موجو دو فرزند ہوئے۔ آخر الذکر کی اولاد بھی ضلع سیالکوٹ میں ہے۔ سموں کا فرزند بھیم دیو اس کا ادتم چند جس کے سرداور کیلاش دو فرزند ہوئے۔ یہ کیلاش بڑا بہادر ہو گزرا ہے۔ اس کو بعض نے دھند بار بھی لکھا ہے۔ اس نے بارہ منگا ضلع گورداسپور اور ضلع سیالکوٹ کے کئی گاؤں اپنے قبضے میں کر لیے۔

۱۵ بکرم کے قریب رائے کیلاش کے کھتی اور متی اور اشوپال فرزند ان زمانہ کی نیرنگیوں سے تنگ آئے ہوئے راجگان جسوال کی شرن آئے اور ممتاز عہدوں پر فائز ہوئے۔ کھتی کی اولاد ضلع جالندھر اور ہوشیارپور میں اور اشوپال کی اولاد موضع پالدی ضلع ہوشیارپور میں آباد ہوئی۔ یہ خاندان مہتہ راجپوت بھی کہلاتا ہے۔

پانچواں خاندان: منہاس رلمل دیو کی اولاد ہے۔ راجہ دیجے دیو والی جموں جس کا زمانہ ۱۳۰۰ بکرم کے قریب گزرا اس کے دو بیٹے نرسنگھ دیو اور رلمل دیو تھے۔ نرسنگھ دیو وارث ریاست قرار پایا اور رلمل دیو کی اولاد نے ہل پکڑ لی۔ پس اس کی اولاد بھی منہاس ہو گئی موضع سمبل پور تحصیل سانبہ میں آباد ہے۔

چھٹا منہاس خاندان نرسنگھ دیو کے دوسرے اور تیسرے فرزنداں سیدہ اور جنگھ دیو سے قریب ۱۳۵۰ بکرم میں ان کے ہل چلانے سے علیٰحدہ ہوا۔ یہ خاندان مواضعات سم۔ توپ۔ سوہانجنہ تحصیل جموں و جنٹیالہ علاقہ سرکار انگریزی میں تھا۔

ساتواں خاندان: منہاس راجہ ارجن دیو کے بیٹے جوہر دیو سے علیحدہ ہوا جس کا زمانہ قریب ۱۴۰۰ بکرم کے بیان ہوتا ہے۔ اس راجہ جوہر دیو کے بھی دو بیٹے مال دیو اور حکمان دیو آخر الذکر کی اولاد نے بھی ہل چلائی۔ ان کی اولاد منہاس کہلائی جو مواضعات پلاؤلہ، عاقل پور تحصیل جموں چندر کوٹ دکاستی گڑھ علاقہ تحصیل رام بن میں آباد ہے۔

مندرجہ بالا تاریخ راجپوتان منہاس سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں کہ بابا رحمت علی چشتی صابریؒ کا خاندان اشوپال منہاس کی اولاد جو موضع پالدی ضلع ہوشیارپور میں آباد تھی۔ پھر خاندان کے کچھ افراد بسی بلاہیں آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ ان کی گوت کرمڑا تھی جو ان کے بزرگوں میں سے کسی بڑے بزرگ کا نام ہوگا۔ لفظ گوت، ہمیشہ کسی بڑے بزرگ کے نام سے یا کسی خاص امتیازی نشان کی وجہ سے خاندان کی شناخت یا جان پہچان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بقول خاندانی افراد جب منہاس خاندان کے لوگ جموں سے نقل مکانی کر کے مذکورہ

کے سائے سے بھی دُور بھاگتے ہیں۔ اس آفت زدہ دور میں لوگوں نے پیپل کے بیج اور پیازی کے بیجوں کو پیس کر آٹا کے طور پر استعمال کر کے مشکلات سے دن کاٹے۔ یہ خشک سالی ایسی بڑھی کہ فصلیں ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ ایسے حالات میں تو انسان کا ایمان بھی ڈگمگانے لگتا ہے۔

میاں ننھا کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، جن میں ایک لڑکے کا نام بابا رحمت علی تھا۔ جس وقت بابا رحمت علی پیدا ہوئے۔ اس گھر میں سوائے اللہ کے نام کے کوئی چیز گھر میں نہیں تھی جب رحمت علی نے ذرا ہوش سنبھالا تو میاں

ضلع میں آئے ان میں سے چند افراد نے مذہب اسلام کو قبول کیا اور داخلِ اسلام ہو گئے۔ یہ اسلام میں کب داخل ہوئے کوئی نہیں جانتا۔ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، کون یاد رکھتا۔ بقول خاندانی روایات ، تقسیم ہند سے پہلے بیاہ شادی کے موقع پر ایک خاندانی بھاٹ برہمن جموں سے آیا کرتا تھا اور اس کو خاص طور پر بُلایا جاتا تھا تاکہ خاندان کا رشتہ ازدواج کسی دوسرے خاندان سے منسلک نہ ہو جائے۔ خاندانی خُون دوسرے میں منتقل نہ ہو جائے۔ جب تک وہ بھاٹ برہمن جس کو زبانی شجرہ نسب یاد ہوتا تھا یا تحریر شدہ ہوتا تھا۔ وہ کڑیاں ملا کر خاندان کی تصدیق نہیں کرتا تھا بیاہ شادی ہونا ناممکن تھا۔

بیاہ شادی کے متعلق بھی بقول خاندانی روایات خاندان میں دو تین چار بُزرگ منتخب ہوتے تھے۔ برادری کے لیے لازم ہوتا تھا کہ اُن کی ہر بات کو سرِ تسلیم خم کر کے اہمیت دی جائے۔ ان کے انجام دہندہ کاموں میں برکت بھی ہوتی تھی۔ اور ان کی دُعائیں بھی شاملِ حال ہوتی تھیں۔ خاندان کی ہر قسم کی بُرائی کو روکنے کے لیے بزرگ لوگ پیش پیش رہتے تھے۔ موجودہ دور کچھ ایسا نفس و نفسی کا شروع ہو گیا ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنے مقام پر خود ہی بڑا بن گیا ہے۔ بزرگ لوگوں کو درمیان میں سے نکال دیا گیا۔ خاندانی رسم ورواج اور روایات کو ختم کر دیا گیا۔ "دست خود دہانِ خود" جیسا معاملہ ہو گیا ہے۔ بڑوں نے جب دیکھا کہ اب خاندانوں میں ان کو کوئی پُوچھنے والا نہیں وہ بھی اپنی خاندانی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ ایسا کیوں ہو گیا؟ اس لیے کہ ؎

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے ، نہیں میرِ کارواں میں کوئی خوئے دلنوازی

لہٰذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر خاندانوں میں رشتہ دینے اور لینے کا رواج ہو گیا اور ذلیل بھی ہونے لگے۔ جب کہیں بات بگڑتی ہے تو اس کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ خاندانی بزرگ پُورے خاندان کو سنوارنے کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں، بات بھی اُنہیں سے بگڑتی ہوگی۔ وہی متحد نہیں رہے، اُنھی سے بات کا بگاڑ پیدا ہو گیا۔ انھی کی سیاست نے یہ دور بھی دکھایا ؎

بے وجہ تو نہیں ہیں پریشان سے ہم لوگ ، ڈرے ہوتے ہیں ہر اک مہرباں سے ہم لوگ

بھائی سے بھائی دھوکا کرتا ہے۔ بہنیں بھی اُن ہی بھائیوں کا ساتھ دیتی ہیں اور تعاون کرتی ہیں جن سے اُن کو نفع یا فائدہ کی اُمید ہوتی ہے۔ غریب آدمی کا رشتہ دار تو کجا کوئی بھی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اگر اس دُنیا میں کوئی ذات انسان کی مدد کرتی ہے تو وہ فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو سب کا خالق مالک ہے ؎ کشتیاں سب کی کنارے پر پہنچ جاتی ہیں ، ناخدا جن کا نہ ہو اُن کا خدا ہوتا ہے۔

ذات خداوندی کسی کا کام اُدھورا نہیں رہنے دیتی، سبھی کے کام بن جاتے ہیں۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ "الاقرب عقرب" عزیز و اقارب بچھو کی مانند ہوتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جہاں ڈنگ چلانا ہوتا ہے ایک دم چلا دیتے ہیں۔

نشاکی بینائی جاتی رہی، لہٰذا کھیتی باڑی مسلسل قحط سالی کی وجہ سے ختم ہوگئی۔ اُن کے بھائی اور تین چھوٹی بہنوں کا بوجھ اُن کے کندھوں پر آن پڑا۔ آخر کار محنت مزدوری کرنی شروع کر دی۔ انہی دنوں بابا رحمت علی سلسلہ عالیہ چشتی صابری قطب دوراں ولیٔ کامل سرکار پاک خواجۂ خواجگان خواجہ محمد دیوان چشتی صابری رحمتہ اللہ علیہ سے منسلک ہوگئے اور اُن کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ سرکار پاک علیہ الرحمتہ کے چشم کرم سے ایسے دن پلٹے کہ پھر کسی چیز کی کمی نہ رہی۔ سرکار پاک کی دُعائیں ہر وقت شاملِ حال رہتی تھیں۔ دوبارہ کاشت کاری شروع کر دی اور اب اراضی ٹھیکہ پر لیتے تھے۔ جس میں خود بڑی سخت محنت کرتے رہے اور روزی کماتے رہے۔ آہستہ آہستہ خوشحالی تو خیر نہیں آئی مگر گزر اوقات اچھے طریقے پر ہونے لگی۔ بچپن ہی سے جانفشانی سے کام کرنے کی عادت ہو چکی تھی۔ جب کاشتکاری سے تھوڑا وقت ملتا تو ایک اور کاروبار اُنہوں نے شروع کر دیا۔ یعنی کپڑے کا کاروبار شروع کر دیا۔ اُن کے مُرشد کی دعاؤں کی برکت سے رزق میں برکت ہوتی گئی۔ پھر اُنہوں نے اپنے بھائی اور بہنوں کی شادیاں بھی بڑی دھوم دھام سے کیں، بلکہ آپ کی زندگی میں ایسا وقت بھی آیا کہ محنت مزدوری کے سلسلہ میں ۱۹۳۶ء میں کوئٹہ بھی گئے۔ وہاں کچھ آب و ہوا راس نہیں آئی اور جسمانی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ اس تکلیف میں بمشکل مزدوری کر کے کرایہ بنایا۔

"وکفیٰ باللہ وکیلا" پر بھروسہ کرتے ہوئے واپس آگئے۔ اپنے گاؤں میں ہی زمین کی کاشت کرنے لگے۔ مگر بچپن ہی سے فطرتاً اور کچھ اپنے مُرشد پاک کے ارشاد اُن کے روزانہ کے معمول میں یہ بات شامل تھی کہ صبح جلدی بیدار ہوتے اور تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ تہجد گزار ہونے کے علاوہ اکثر شب بیداری کرتے اور سورج کے طلوع ہونے تک اپنے ورد وظائف میں مشغول رہتے۔ اسکے بعد فارغ ہو کر دُنیاوی کاموں میں مشغول ہو جاتے اور تھکاوٹ نام کی چیز ان میں قطعاً نہیں تھی۔

اولادیں: آپ کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ جس میں سے ایک لڑکی چھوٹی کا انتقال دوران تالیف کتاب ہذا ۴ مئی ۱۹۸۴ء بروز جمعہ ہوگیا۔ بڑے لڑکے محمد طفیل کو پیشہ خیاطی میں ایک اُستاد کی شاگردی میں دے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی جس دور کو وہ دیکھ چکے تھے اس قحط سالی دور کے پیشِ نظر کاشت کاری سے اکتاہٹ تو محسوس نہیں کی، لیکن پھر بھی اُن کا خیال تھا کہ کسب اور ہاتھوں کا سُتھرا ہونا زیادہ بہتر ہے۔ یہ سارا دھندا آپ نے اس لیے کیا کہ آپ کے مُرشد پاک نے یہ فرمایا تھا کہ محمد طفیل کو لڑکوں میں مت بیٹھنے دینا بلکہ ان کو پیشہ خیاطی سُپرد کر دو۔ اور قرآن پاک کی تعلیم بابا عمر دین دارا پوری سے دلائی۔ لہٰذا بڑے لڑکے محمد طفیل نے اس پیشہ خیاطی میں دو ایک استادوں کی شاگردی میں رہ کر کافی مہارت حاصل کر لی۔ اس کے بعد ۱۹۴۴ء میں شملہ چلا گیا وہاں ایک ٹھیکیدار گورنمنٹ برطانیہ کی ملٹری میں تھا۔ اُن کے پاس ملازمت اختیار کر کے اپنے کام میں مزید مہارت حاصل کی اور نان و نفقہ کماتے رہے۔

دوسرے لڑکے یعنی راقم الحروف کے لیے سرکار پاک علیہ الرحمتہ کا حکم ہوا کہ اُن کو مکمل تعلیم دلواؤ۔ خاندان کے اندر زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونا بہت ضروری ہے، لہٰذا آپ نے دوسرے چھوٹے لڑکوں کو بھی سکول میں داخل کروادیا۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے بٹوارہ کے بعد ہجرت کر کے پاکستان آئے اور یہاں آکر بچوں کو تعلیم دلوائی۔ اس کے بعد کچھ ایسا سرکار پاک صابریؒ کا کرم ہوا کہ آج وہ ملازمت کے اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔

یہ بزرگانِ دین ہی کا تصرف و صدقہ تھا کہ لوگ قحط سالی[1] کے بدحالی دور سے بچ گئے۔ اس بلائے ناگہانی کے ٹلنے کے بعد ایک دوسری بلائے عظیم نازل ہوئی جو طاعون[2] کے نام سے دوآبہ کے اندر آہستہ آہستہ پھیل گئی تھی۔ اس مرض طاعون میں ایک لڑکے فیض محمد کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہ راقم الحروف کے بڑے بھائی تھے۔

بابا رحمت علی چشتی صابری عمر کے آخری حصے میں زیادہ تر کمزوری کی وجہ سے علیل رہنے لگے مگر باوجود علیل ہونے کے روزمرہ کے ورد و وظائف میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ اپنی وضع داری کو قائم رکھتے ہوئے تمام عزیز و اقارب سے ملتے۔ کبھی کسی عزیز کو، دوست احباب کو اور برادرانِ طریقت کو بُرا بھلا نہیں کہا اور اخلاق سے پیش آتے رہے اور نہ ہی کبھی آپکے متعلق کسی کی زبان پر حرفِ شکایت ہوئی۔ آپ کی بیوی یعنی ہماری والدہ ماجدہ غلام فاطمہ کا انتقال ۳ جون ۱۹۸۵ء بوقت صبح بمقام اروپ شریف ضلع گوجرانوالہ میں ہوا۔

---

[1] گورنمنٹ برطانیہ کے دورِ حکومت میں ۱۸۶۰ء تا ۱۸۶۱ء میں قحط پیدا ہوا، جس کا زیادہ تر اثر ستلج اور دریائے جمنا کے وسطی علاقہ تک محدود رہا۔ گندم کی قیمت اس قحط سالی کے دور میں ایک روپیہ کی دس سیر تھی۔ اس کے بعد کچھ کچھ خوشحالی کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں، لیکن پھر دوبارہ ۱۸۶۹ء تا ۷۸ء تک قحط سالی پیدا ہوگئی۔ لوگ افلاس کا شکار ہوگئے۔ اشیائے خوردنی دوسرے مختلف علاقوں سے درآمد کر کے ضروریات کو پورا کیا گیا۔ گندم کی قیمت گیارہ سیر فی روپیہ مقرر کی گئی لیکن اس کے بعد حالات اور زیادہ مشکل اور پریشان کن ہوگئے۔ روپیہ پیسہ لوگوں کے پاس نہ ہونے کے برابر تھا۔ زیادہ تر کاشت کار لوگ جن کی زندگی کا دارومدار اراضی پر ہوتا تھا، اپنی زمینوں کو چھوڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ محنت مزدوری کرنے کے بہانے منتقل ہوگئے تھے۔

۱۸۹۵ء سے لے کر ۱۹۰۱ء تک دورِ قحط ایسا تھا کہ اس دور میں گندم کی قیمت آٹھ سیر فی روپیہ ہوگئی تھی۔ عوام نے اس مشکل دور میں جس طرح اپنی زندگی کے دن گزارے، پیپل کے درختوں کے بیج کا آٹا بنا کر کھاتے اور دوزخ کے پیٹ کو بھرتے تھے۔ اس دور میں بہت سے لوگوں نے کاشت کاری کو چھوڑ کر کسبِ دستکاری کو اپنایا۔

[2] مرض طاعون کا پنجاب میں موضع کھٹکڑ کلاں جو کہ بنگانواں شہر رود ضلع جالندھر میں واقع ہے سے آغاز ہوا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ موذی مرض ایک برہمن جس کا نام رام سرن تھا ہردوار سے شدید بخار کی حالت میں ۲۸ اپریل ۱۸۹۷ء دیوی کے درشن کر کے آیا اور وہ اس کے بعد جلد ہی مر گیا۔ اس کے بعد دسمبر ۱۸۹۷ء میں ہوشیارپور کے ایک گاؤں بیرام پور میں یہ موذی مرض شروع ہوا۔ پھر مارچ ۱۸۹۸ء میں

وصال شریف: بابا رحمت علی چشتی صابری کا وصال شریف ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ بروز اتوار بوقت عصر اُڑوپ شریف تحصیل و ضلع گوجرانوالہ میں ہوا اور وہیں مزار اقدس تعمیر ہوا۔ قبلہ میاں آصف صابری صاحب نے مندرجہ ذیل قطعہ وصال تحریر کیا تھا۔

جو بھی ہے اس جہاں میں فانی ہے — ساری دُنیا یہ آنی جانی ہے
میاں رحمت علیؒ کہو آصف — شد بہشت بریں مکانی ہے

(آصف صابری ۱۳۹۴ھ)



حضرت شاہ حسین قادریؒ

حضرت قبلہ و کعبہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں ایک معزز سادات گھرانہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت محمد شاہ علیہ الرحمۃ تھا جو کہ شہر دوسوہہ کے محلہ فتح اللہ پور ریداں میں کافی جائیداد اراضی کی ملکیت رکھتے تھے۔ حضرت قبلہ محمد شاہ علیہ الرحمۃ حضرت قبلہ سید پیر علی شیر رحمۃ اللہ علیہ جو دوسوہہ کے ایک قابلِ احترام اور بزرگ شخصیت تھی کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف تھے۔ اپنے دور کے ایک جید عالم تھے اور عالم باعمل درویش تھے۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ کے ایک بلند پایہ بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی تعلیم زیادہ تر مدرسہ یا سکول کی بجائے مسجد میں ہوئی اور یہ تعلیم آپ

گزشتہ سے پیوستہ

گڑھ شنکر اس مرض کی لپیٹ میں آیا۔ بعد میں جولائی ۱۸۹۸ء میں ستر گاؤں ضلع جالندھر اور تقریباً ۱۶ گاؤں ضلع ہوشیارپور کے طاعون میں مُبتلا ہوئے۔ بعد میں وسیع پیمانے پر اس مرض نے پورے ضلع کے اندر پھیلنا شروع کر دیا۔ لوگ ہر وقت قبرستان میں ہی رہتے تھے اور وہیں کھانا وغیرہ کھاتے تھے۔ اس موذی مرض نے گاؤں کے گاؤں خالی کر دیئے۔ جنازہ پڑھانے اور دفنانے کے بعد دوسرا جنازہ تیار ہو جاتا۔ لوگ گاؤں چھوڑ کر جنگلوں میں جا بسے۔ لوگ ہر وقت پریشان رہتے تھے۔ خدا کے سامنے پوری مخلوق جُھک گئی۔ بزرگوں کے پاس دعاؤں کے لیے سر کے بل جانے لگے۔ خدا خدا کر کے بزرگوں کی دعاؤں سے یہ مرض پانچ سال کے طویل عرصے کے بعد اپریل ۱۹۰۲ء میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۵ء اور ۱۹۲۱ئ-۱۹۲۲ء میں دوبارہ یہ مرض طاعون شروع ہوا اور ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ اسی مرضِ طاعون میں راقم الحروف کا بڑا بھائی فیض محمد فوت ہوا تھا۔

نے اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ فارسی، عربی اور اُردو زبانوں کے علاوہ علمِ فقہ، حدیث، طب اور ریاضی میں بھی ماہر تھے۔ اکثر محبین نے آپ سے گلستان اور بوستان سعدیؒ کی کتابوں میں درس لیا تھا۔

حضرت قبلہ شاہ حسین کی شادی راہوں بنگا ضلع ہوشیار پور کے ایک معزز سادات خاندان میں ہوئی۔ آپ کے تین صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں جن کی شادی موضع اعواناں بھیکھے خاں ضلع ہوشیار پور میں ایک معزز اور قابل صد احترام سادات خاندان میں ہوئی تھی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے کا اسم گرامی حضرت سید عبد النبی شاہ تھا جن کا وصال پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بمقام چبہ نزد ٹھیکری والا بنگلہ ضلع فیصل آباد میں ہوا۔

آپ کے دوسرے صاحبزادے عبد العزیز شاہ تھے۔ اُن کا وصال بھی پاکستان میں ہوا۔ مزار اقدس چک نمبر ۱۹۹ نزد بنگلہ مریدوالا ضلع فیصل آباد میں ہوا۔

آپ کے تیسرے صاحبزادے قبلہ صادق شاہ صاحب تادمِ تحریر بقید حیات ہیں اور بمقام جڑانوالا ضلع فیصل آباد میں سکونت رکھتے ہیں۔

حضرت قبلہ شاہ حسین کے سینکڑوں مریدین تھے۔ حضرت سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ جب آپ کے در اقدس پر بارادہ بیعت تشریف لے گئے تو آپ کی دُور رس نگاہوں نے دستگیری فرماتے ہوئے مشورہ دیا کہ آپ کا فیض باطنی ہمارے پاس نہیں ہے لہذا اس مقدس فریضے میں کسی باکمال بزرگ سے قلبی رجوع کیا جائے۔ حضرت قبلہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کے بلند و بالا مراتب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ آپ کے ڈھور ڈنگروں اور گائے بھینسوں کے گوبر تک اُٹھاتے تھے اور صفائی کرتے تھے۔ اور با ادب ہونے کا یہ حال تھا کہ آپ کی بارگاہ اقدس میں سلام حاضری کے لیے جب تشریف لے جاتے تھے تو برہنہ پا جاتے تھے اور نشست و برخاست میں دست بستہ اور نگاہیں جھکی جھکی رہتیں۔ گفتگو کم کرتے، اکثر و بیشتر مہر بہ لب رہتے تھے۔

سرکار خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے بچپن میں جن بزرگ شخصیتوں سے دینی فیض اکتساب کیا اُن میں حضرت حافظ ولی محمد صاحب جو رنگریزی کا کسب کرتے تھے۔ وہ قبلہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کے صاحب روحانیت مریدین میں سے تھے، سے قرآن مجید پڑھا تھا۔ اس طرح سے قبلہ ولی محمد صاحب آپ کے اُستاد تھے اور نواح دوسوہہ کا نتقال میں رہائش رکھتے تھے۔ بہ نظر محبت و شفقت اور عقیدت مندی کے ارادے سے سب سے پہلے قبلہ ولی محمد صاحب ہی آپ کو اپنے مرشد پاک قبلہ شاہ حسین علیہ الرحمۃ کی خدمتِ اقدس میں لے گئے تھے۔

حضرت قبلہ شاہ حسینؒ متاع روحانیت کے علاوہ دنیاوی جاہ و جلال بھی رکھتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی خانقاہ میں ہر وقت لنگر جاری رہتا تھا۔ آتے جاتے مسافراں اور مخلوق خدا کو باقاعدگی سے کھانا میسر ہوتا تھا بلکہ ہر کس و ناکس

بلا تمیز و مذہب و ملت آپ کے در اقدس پر حاضر ہو کر دینی و دنیوی فیض اکتساب کرتا۔ کوئی بھی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔

آپ کے دو صاحبزادگان عبدالنبی شاہؒ اور صادق حسین شاہؒ آپ ہی سے شرف بیعت رکھتے تھے مگر تیسرے صاحبزادے قبلہ عبدالعزیز شاہ سرکار غریب نواز خواجہ محمد دیوان چشتی صابری کے مریدین میں سے تھے۔

حضرت قبلہ شاہ حسین رحمۃ اللہ علیہ کا وصال شریف ۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء میں دوسوہہ میں ہوا اور بعد وصال شریف مزار اقدس بھی دوسوہہ میں تعمیر ہوا جو کہ مرجع خلائق تھا۔



بابا دسوندھی شاہؒ (نوشاہی)

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد بخش ولد خیراتی قوم راجپوت تھا۔ آپ کا آبائی وطن کانٹھاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور تھا۔ بعد ازاں موضع کلہ وال متصل جمال پور مضافات لدھیانہ تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار فرمائی۔

آپ نے وہاں پر اپنا ڈیرہ جلال الدین ولد دائم علی اعوان کی رہائش گاہ پر لگایا ــــ جب ہندوستان کا بٹوارہ ہوا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو آپ ہجرت کر کے ملتان شہر تشریف لے گئے اور بیرون لوہاری دروازہ بوسن روڈ پر حضوری باغ میں پسماند وکیل کی کوٹھی میں ایک کمرہ میں رہائش پذیر ہوتے اور لنگر کا انتظام نذیر علی اعوان کے سپرد تھا۔

آپ کی بیعت و خلافت سائیں عبداللہ شاہ (نوشاہی) جو کہ موضع بہبل منجاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔

حضرت سائیں عبداللہ شاہ کی بیعت و خلافت سائیں بوٹے شاہ (نوشاہی) موضع منڈاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور سے تھی اور یہ مرید و خلیفہ حضرت حاجی عطا محمد ولد میاں شہاب الدین نوشاہی ساکن جھنگی بابا ماہی شاہ نوشاہی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے تھے۔

حضرت سائیں دسوندھی شاہؒ صاحب علم اور علم دوست تھے۔ اکثر دینی کتابوں کا مطالعہ پیشِ نظر رہتا تھا۔

بزرگانِ دین سے نہایت عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپؒ تمام عمر مجرّد رہے اور اسی طرح عمر گزار دی۔

وصال آپ کا وصال شریف ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۴ ہجری بمطابق ۳۱ اگست ۱۹۶۴ء سوموار کی شب ۲ بجے ہوا۔ وصال تو منڈی بہاؤالدین میں ہوا مگر آپ کا جسدِ اقدس ساہن پال شریف لایا گیا اور قبرستان نوشاہیہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کے خلفاء میں،

۱۔ سائیں حاکم شاہ گوجر ساکن چوہڑ پور متصل لدھیانہ

۲۔ مولوی ولایت علی شاہ (یہ لدھیانہ کے رہنے والے تھے اور مولوی محمد رمضان شاہ نوشاہی برقندازی کے والد تھے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ نہم صفحہ ۳۱)



باباکالے شاہ نوشاہیؒ

آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی ملک پیر بخش تھا اور آباؤ اجداد موضع پسی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ مگر آپ کے والد موضع واگھووال میں آرہے تھے اور یہیں پر آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ آپ کے دل میں بچپن ہی سے یادِ الٰہی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔

آپ کی بیعت و خلافت باباجیوے شاہ نوشاہی سے تھی اور اپنے پیر و مرشد کے خدمت گار تھے۔ متحمل مزاج اور بُردبار تھے۔ آپ کے متعلق مشہور ہو گیا تھا کہ باباکالے شاہ فقیر ہو گیا ہے۔ پسی کے ہندو راجپوتوں نے کہا کہ اگر وہ ہمارے چھپڑ ڈھکی (جگہ کا نام)، پر ایک رات گزارے تو ہم سمجھیں گے کہ فقیر ہے۔ آپ پہلے ہی سے ایسی وقف جگہ تلاش کرتے تھے۔ وہاں جنگل میں ایک چھپر تیار کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں اشتغال رکھتے۔

ایک روز ایک ہندو وہاں سے گزرا۔ آپ کلمہ طیبہ کا بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے اور اس نے گاؤں میں آکر مشہور کر دیا کہ کالے شاہ کے ساتھ جھاڑیاں اور جنگل کے درخت بھی ذکر کرتے ہیں اگر ایسا ہی وقت رہا تو اس چھپڑ پر غسل کرنے والے ہندو مرد اور عورتیں اس کے تصرف سے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ اس لیے درویش کو اُٹھا دینا چاہیئے۔ آپ کے معتقدوں نے آپ کے چھپر کے پاس کچھ کپاس کے بیج کاشت کر دیے۔ ہندوؤں نے یہ بہانہ بنایا کہ یہ جگہ ہمارے مُردے جلانے کی ہے۔ آپ اس پر اپنا قبضہ جما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں اس جگہ اس خیال سے نہیں بیٹھا تھا کہ قبضہ جمالوں۔ بلکہ اب میرا کام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم سے تکمیل کو پہنچ گیا

ہے اور اب تم اپنی جگہ سنبھالو۔ آپ اپنے مرشد بابا جیوے شاہ نوشاہی کے مزار اقدس پر تشریف لے گئے اور وہیں پر مجاورت میں عمر بسر کر دی ۔ آپ کے خلفاء مندرجہ ذیل ہیں ؛۔

سائیں امام دین عرف بولے شاہ برادر خورد واگھووال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور ۔

سائیں رمضانی شاہ ساکن بنیال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں شاہ دین

سائیں وریام شاہ عرف شیر شاہ

سائیں ساون شاہ

وصال شریف آپ کا وصال شریف بمقام واگھووال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوا اور وہیں پر سپرد خاک ہوئے ۔



سائیں بولے شاہؒ واگھووالی (نوشاہی)

آپ کا اصلی نام امام الدین شاہ تھا مگر بولے شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے ۔ والد ماجد کا اسم گرامی نور محمد تھا۔ اپنے بڑے بھائی بابا کالے شاہ واگھووال کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ آپ کی زبان سیف تھی۔

آپ جسمانی طور پر تنومند اور طاقت ور تھے ۔ آپ چاندی کے روپیہ کو انگوٹھے سے دبا کر ٹھوٹھی بنا دیا کرتے تھے اور اگر دوبارہ دباتے تو سیدھا بھی کر سکتے تھے ۔

آپ نے عالم شباب میں دریائے بیاس کے کنارے موضع کھیپڑاں علاقہ دوسوہہ کے متصل ایک چلہ کیا اور فیض یاب ہوتے ۔ آپ کی برکت سے کئی بے اولادوں کو اللہ تعالیٰ نے اولاد سے نوازا اور کئی گھر (خاندان) آباد ہوتے اور مریض شفایاب ہوئے ۔

ایک مرتبہ دریائے بیاس نے موضع کھیپڑاں کی طرف رُخ کیا اور زمین کاشت کاری دریا بُرد ہونے لگی ۔ وہاں کے نمبردار نے آپ کے پاس درخواست کی کہ دریائے بیاس نے ہماری اراضی کاشت کاری ضائع کر دی ہے ۔ آپ

یہ سُن کر دریائے بیاس کے کنارے تشریف لے گئے اور ایک خودرو "سرکنڈے" کے پودے کو گرہ لگادی۔ اور فرمایا جب تک یہ پودا قائم رہے گا حضرت نوشہ پاک کی برکت سے دریا اس جگہ سے آگے نہیں بڑھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک بدعقیدہ رکھنے والے نجدی نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک سرکنڈے (کاہی) کا پودا دریا کو روک دے۔ اُس نے جاکر کاہی کے پودے کو اُکھاڑ دیا۔ پودے کا اُکھاڑنا تھا کہ اسی شب دریائے بیاس میں سیلاب آگیا اور پُورے گاؤں کو تباہ و برباد کر دیا اور دوبارہ گاؤں آباد نہیں ہوا۔

آپ کے مریدین میں سے آپ کے برادر خورد بابا عبداللہ مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا مزار اقدس موضع واگھووال میں مرجع خلائق تھا۔



بابا رمضان علی شاہؒ (نوشاہی)

آپ کا اصلی نام محمد رمضان یا رمضان علی شاہ تھا۔ مگر آپ رمضانی شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا آبائی وطن بنیال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور تھا۔

آپ کی پیدائش ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء میں ہوئی اور یہیں اسی موضع میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ بابا کالے شاہ واگھووالی کے مرید و خلیفہ تھے۔

آپ نہایت عبادت گزار تھے اور پابند شرع درویش تھے۔ ایک مخلوق نے آپ سے فیض روحانی حاصل کیا۔ آپ کے در پر جو سوالی آیا خالی نہیں جاتا تھا۔ آپ کے مریدین میں سے سائیں قمر علی نواسہ خود بمقام دھرم کوٹ چک نمبر ۲۷۸ متصل پکا انا۔ عبدالحمید بٹ (سانگلہ ہل) وغیرہ تھے۔

وصال شریف بروز ہفتہ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ بمطابق ۴ دسمبر ۱۹۶۵ء بمقام دھرم کوٹ چک نمبر ۲۷۸ متصل پکا انا ضلع فیصل آباد میں ہوا اور وہیں مزارِ اقدس بنا۔



میاں بڈھے شاہؒ (جھنگی والے)

آپ حاجی عطا محمد بن میاں شہاب الدین صاحب ساکن جھنگی ماہی شاہ کے تیسرے بیٹے تھے اور اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے۔

آپ بڑے کامل اکمل ولی اللہ تھے۔ اور سالک مست تھے۔ جو کچھ آپ کی زبان سے نکلتا تھا اُسی وقت ظہور میں آجاتا تھا۔ آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔ عام خلق میں شہرہ آفاق تھے۔ آپ کی حالت مستانہ تھی۔ اور زیادہ تر عوام میں مست کے نام سے مشہور تھے۔

اولادیں :

آپ کے ایک فرزند میاں فضل کریم تھے اُن کے چھ بیٹے ہوتے۔

مزار اقدس مزار بابا ماہی شاہ جھنگی شاہ کے متصل بمقام جھنگی بابا ماہی شاہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں تھا۔



میاں جھنڈے شاہ نوشاہیؒ (جھنگی والے)

آپ حاجی عطا محمد ولد میاں شہاب الدین نوشاہی کے بڑے بیٹے تھے اور آپ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ صاحبِ علم اور کامل درویش تھے۔ آپ نے کافی ریاضت و مجاہدے کیے۔ باشرع درویش تھے۔ آپ سے کافی لوگوں کو فیض حاصل ہوا۔ آپ کے در پہ مخلوق خدا کو درد نہاں کا علاج میسر ہوتا۔ بگڑی ہوئی تقدیریں سنورتیں۔ ہر حاجت مند کی دعا قبول ہوتی تھی۔

اولادیں :

۱۔ میاں عبدالغنی ۲۔ میاں محمد حسین

وصال شریف :

میاں جھنڈے شاہ نوشاہی کی کی وفات ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۹۲۶ء بعہد جارج پنجم بطانوی عہد میں ہوئی۔

مادہ تاریخ وصال : فروغ محبوب ۱۳۴۴ ہجری

مزار اقدس قبرستان جھنگی ماہی شاہ میں ہے۔



میاں رحمت علی شاہ نوشاہیؒ

آپ حاجی عطا محمد نوشاہی کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ بڑے عابد اور پرہیزگار تھے اور باشرع درویش تھے۔

آپ کی اولاد میں ایک بیٹا میاں عبدالرحیم تھا۔ آن کا وصال ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۹ھ میں ہوا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ۱۔ عبدالعزیز ۲۔ نور احمد ۳۔ نصیر احمد

وصال شریف :

میاں رحمت علی شاہ نوشاہی کا وصال جھنگی بابا ماہی شاہی میں ہوا اور یہیں مزار مقدس بنا۔



میاں علی گوہر نوشاہیؒ

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی میاں نور الٰہی تھا جو میاں عبدالغفور بن میاں غلام مصطفٰے بن خواجہ بخت جمال نوشاہی کے سعادت مند پسر تھے۔ آپ ٹانڈہ شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے باشندے تھے۔ آپ کی قومیت جٹ وڑایچ تھی۔ آپ کی بیعت وخلافت میاں سُلطان مست بن میاں سُلطان ملک رحمۃ اللہ سے تھی

جو حضرت قبلہ وکعبہ سچیار پاک نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے۔آپ میں اوصاف درولیشی بہت تھے۔

اولادیں :

(۱) میاں مولا بخش نوشاہیؒ (۲) میاں غلام قادر نوشاہیؒ

خلفاء

آپ کے خلفاء میں سے ایک درویش بابا چوچنے شاہ نوشاہیؒ تھے۔



حضرت عبداللہ شاہ نوشاہیؒ

آپ اپنے بڑے بھائی سائیں امام الدین المعروف بولے شاہ نوشاہی کے مرید وخلیفہ تھے۔ جو اپنے بڑے بھائی بابا کالے شاہ ولد نور محمد کے مرید وخلیفہ تھے۔آپ بڑے حلیم الطبع صاحبِ منزل درویش تھے۔ اپنے برادران کلاں نیز دادا مرشد بابا کالے شاہ نوشاہی کو دیکھا تھا۔ چونکہ آپ کے پیرو مرشد پہلے وفات پا چکے تھے۔اس لیے آپ بابا کالے شاہ نوشاہی کے سجادہ نشین ہوئے اور گیارہ سال تک مسندِ سجادگی پر بیٹھ کر وصال فرمایا۔

اولادیں :

(۱) میاں غلام نبی ساکن رسالے والی چک نمبر ۱۳۲ ضلع فیصل آباد اپنے والد کے مرید تھے۔

(۲) میاں اللہ دتہ اپنے بڑے بھائی میاں غلام نبی کے مرید تھے۔

میاں اللہ دتہ کے مریدین میں سے ڈاکٹر مولوی صوفی نذر محی الدین انچارج حیوانات شفاخانہ سانگلہ ہل ہیں۔

وصال شریف :

آپ کا وصال شریف موضع واگھووال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوا اور یہیں مزارِ اقدس تعمیر ہوا۔



سیّد برکت علی شاہؒ نوشاہی

آپ کے آباؤ اجداد بجواڑہ تحصیل وضلع ہوشیار پور مشرقی پنجاب (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ صاحب علم وفضل بزرگ تھے۔ خاندانِ نوشاہی کے علاوہ سلاسل چشتیہ اور نقشبندیہ طریقوں سے بھی مستفیض تھے۔

مولوی محمود چشتی نظامی ۱۲۴۰ھ ساکن گنجہ علاقہ کھاریاں ضلع گجرات نے تصورِ شیخ کے جواز میں ایک رسالہ "طریق السالکین" نام تحریر کیا تھا جس پر چالیس سے زیادہ عُلمائے اکرام کی تصدیقات تھیں اور ننانوے کتابیں اس کی مآخذ ہیں۔ اس رسالہ میں سید برکت علی شاہ کی تقریظ ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہٗ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدی اللہ فلامضل اللہ ومن فضل اللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا للہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

امّابعد، افقر عباد اللہ الی رحمتہ اللہ عاجز ابو محمد برکت علی شاہ کان اللہ لہٗ کہتا ہے کہ مولف رسالہ موسومہ بہ طریق السالکین جناب مولانا محمود حنفی چشتی نظامی گنجوی نے اپنے رسالہ شریفہ کے مطالعہ سے فقیر کی نظر کو مشرف فرما کر ثبت مُہر کے واسطے مامور کیا۔ ہر چند فقیر اس لائق نہیں تھا کہ اس معنی کا مستول جانے لیکن جناب مؤلف کو شاید حُسنِ ظن بالمومنین نے اس معنی پر عاید کیا ہوگا۔

سبحان اللہ کیا عجیب رسالہ ہے۔ جامعہ اولہ صحیح مشمونہ بہ تحریرات عُلمائے ربّانی ومملوہ بہ تقریرات اولیائے حقانی الحق پیران سلاسل فقیر مُرشدان طرق حقیر کا یہی مسلک اور معتقد چلا آیا ہے اور اصحاب واحباب جو ہمیشہ اس مسئلہ میں فقیر سے استفسار کیا کرتے تھے، ان کو لازم وواجب ہے کہ اس رسالہ شریفہ کو نقد جاں سے خرید کر قلب ورُوح کے جزدان میں محفوظ رکھیں اور دستور العمل بنائیں۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

(شریف التواریخ جلد سوم۔ حصہ دوازدہم صفحہ ۱۰)

بابا جیوے شاہ نوشاہیؒ

آپ سید محمد علی شاہ کیلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ کافی عرصہ تک اپنے مُرشد پاک کی خدمت میں موضع کیسلے متصل دھاریوال ضلع گورداسپور میں رہے۔ وہاں اپنے ہاتھ سے ایک کنواں لگوایا اور پھلدار اشجار لگائے۔ پھر آپ مُرشد پاک کے حکم سے علاقہ دوآبہ ضلع ہوشیار پور میں جاکر موضع راگھووال میں سکونت گزیں ہوئے۔

آپ جب موضع راگھووال میں پہنچے تو ایک درخت برنا کے نیچے بیٹھ گئے جو جھاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ کچھ دنوں بعد مخلوق میں آپ کی چرچا ہوگئی۔ آپ آٹھ پہر کے بعد چہرے پر نقاب اوڑھ کر چند گھروں کی گدائی فرماتے اور ایک روٹی کا آٹا حاصل کر کے اُسے پکاتے اور پکی ہوئی روٹی کے چار ٹکڑے کرتے۔ ایک حصہ کتّے کو، ایک حصہ پرندوں کو، ایک حصہ حاضرین مجلس کو تقسیم کرتے اور چوتھا ٹکڑا خود تناول فرماتے۔

راگھووال میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ قریب کے گاؤں سے پانی لایا جاتا تھا۔ وہاں سکھوں کی آبادی تھی۔ وہ پانی لانے والی عورتوں سے مذاق کرتے تھے۔ آپ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ آپ نے راگھووال اور سہارنا کے درمیان کنواں لگوایا تاکہ دونوں گاؤں والوں کو پانی کی سہولت ہو جائے۔

وہاں پر داوو پنتھی سادھو فقیر آگئے۔ اُنھوں نے کہا کہ اس میں ہمارے نام کی اینٹ لگا دو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کنواں خدا کے نام پر تیار ہوا ہے۔ اس پر کسی کا نام نہیں لکھا جائے گا۔ اُنھوں نے وہاں سے آپ کو اُٹھا دیا۔ جب آپ وہاں سے چلے تو امرِ الٰہی سے کنوئیں کی عمارت پھٹ گئی پھر سب لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت خواہ ہوئے تو آپ نے ان کو معافی دے دی اور دوبارہ اس گاؤں میں جاکر آباد ہوئے۔ آپ نے قبر کھدوا کر چلّہ بھی فرمایا۔

آپ نے صرف ایک مرید و خلیفہ بابا کالے شاہ نوشاہی کو خلافت سے نوازا۔

مزارِ اقدس موضع راگھووال تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہے۔



بابا ملنگ شاہ نوشاہیؒ

آپ ماکھا متصل عمر پورہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کی بیعت و خلافت بابا احمد شاہ نوشاہی سے تھی۔ بابا احمد شاہ نوشاہی کی بیعت و خلافت حضرت بابا ماہی شاہ نوشاہی ساکن جھنگی شریف تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور سے تھی۔

ایک مرتبہ ایک مولوی صاحب اور ایک مراسی آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ مراسی نے راستہ میں مولوی صاحب سے کہا کہ میں برائے زیارت جا رہا ہوں۔ مولوی صاحب نے مراسی سے کہا کہ میں علم غیب کے مسئلہ پر مناظرہ کروں گا۔ جب دونوں آپ کی مجلسِ اقدس میں پہنچے تو آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ شغل بازی کرنے آئے ہو۔

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا ہے۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب آپ نے کچھ علم پڑھا؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں فاضل دیوبند ہوں آپ نے فرمایا حضرت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد خدائے پاک کا ہے۔

الرحمٰن علم القرآن۔ نیز ارشاد فرمایا علمک مالم تکن تعلم۔ اور اولیاء اللہ کے متعلق حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔

مازال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وکنت بصره الذی یبصر به الحدیث۔

تو جب اولیاء اللہ کی سب صفات فانی ہو جائیں اور ذات حق کی صفات کا ظہور اس میں ہو تو اس کے علم اور تصرفات سے کون سی چیز باہر رہ جاتی ہے۔ مولوی صاحب یہ گفتگو سن کر مرید ہو گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص دولا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ اس کو دولت علی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ سرکار! میں غریب آدمی ہوں۔ آپ مجھے دولت علی کے نام سے یاد فرما رہے ہیں۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور وہ شخص جلد ہی دولت مند ہو گیا۔

مریدین :

(۱) میاں ملک شاہ ساکن تلونڈی

(۲) میاں مبارک علی اعوان المعروف بابا گھوڑے شاہ ساکن سوہل چک نمبرہ، فیصل آباد

مدفن :

بابا ملنگ شاہ: اہی کا مزارِ اقدس عزت پور (غوث پور) اسٹیشن سے تھوڑا دور موضع ماکھا تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور۔ یہ دربار پاک بارہ گاؤں کے درمیان ہے۔



حضرت کالو شاہ نوشاہیؒ

حضور قبلہ عالم میاں کالو شاہ نوشاہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی نام کمال الدین تھا اور عرف حضرت کالو شاہ نوشاہی تھا۔

آپ کی پیدائش فتح کلہ متصل میانی افغاناں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہوئی۔ عالم شباب میں آپ موضع شینہ بھٹی میں تشریف لے گئے۔

تقریباً اسی سال کی عمر میں بتاریخ ۹ ربیع الاول ۱۳۶۳ ہجری میں وصال ہوا۔ مزار پاک شینہ بھٹی میں مرجع خلائق ہے۔ آپ نہایت سادہ متشرع اور خوش خلق درویش تھے۔

قطعہ تاریخ وصال ۔۔۔۔ مولانا شرقی ملتانی متصل اسلامیہ ہائی سکول نواں شہر، ملتان۔

آپ کمال الدین صوفی باکمال — عرف حضرت سائیں کالو شاہ شد

بلاتمم ۹ ربیع الاول آں — از نظر پنہاں چو رشک ماہ شد

یوم یک شنبہ بوقت چاشت آں — قطب دوراں واصل اللہ شد

بہر تاریخ وصلش عارفے — فکر بنمود از سروش آگاہ شد

است تاریخش حروف نکتہ دار

داخل جنت ولی اللہ شد

شجرہ شریف :

بابا ماہی شاہ سپاہی شاہ عبدالغفور شاہ و پیر شاہ ، شرف الدین قادری ، حاجی کالو شاہ (کمال الدین)

مولوی محمد یوسف (گوجرہ)



میاں شاہ چراغ نوشاہیؒ

آپ میاں عبدالغفور بن میاں شہاب الدین (جھنگی شریف) کے فرزندارجمند تھے۔ آپ کی بیعت وخلافت اپنے والد بزرگوار سے تھی۔ آپ بڑے کامل ولی اللہ تھے۔ زبان سیف تھی ، شب وروز قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔

اولادیں :

میاں احمد شاہ ، علی محمد شاہ ، میاں محبوب شاہ

تاریخ وصال ۱۳۲۲ ہجری بمطابق ۱۹۰۵ء



سیّد حیدر شاہ نوشاہیؒ

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید غلام قادر بن سید محمد علی شاہ بن سید احمد شاہ تھا۔ سید حیدر شاہ نوشاہی کی بیعت وخلافت میاں عبدالغفور بن میاں شہاب الدین ساکن جھنگی بابا ماہی شاہ سے تھی۔ آپ باشرع درویش اور رُوحانی فیض کے مالک تھے۔

اولاد :

سید گنج بخش نوشاہی اُن کے فرزند میاں غلام محمد ولد محمد بخش (سرکار ماہی شاہ کے مرید ہیں)۔

آپ کا مزار اقدس موضع ملکا تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔



میاں غلام محمدؒ نوشاہیؒ

آپ میاں محمد بخش ولد میاں شہاب الدین (ارائیں) کے اکلوتے فرزند ارجمند تھے۔ پابند شرع درویش تھے۔ اور عابد، زاہد، کامل اکمل ولی اللہؒ تھے۔ آپ کسبِ طبابت بھی فرماتے تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں اپنے دستِ خود سے تحریر فرمائیں۔

اولادیں:

(۱) میاں محمد علی صاحب (۲) میاں فضل احمد صاحب (یہ لا اولاد تھے)

خلفاء:

میاں محبوب علی ولد شاہ چراغ ساکن جھنگی شریف (بابا ماہی شاہ) سید گنج بخش ولد سید حیدر شاہ ساکن ماکھ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

آپ کا مزارِ اقدس قبرستان نوشاہی جھنگی شریف میں ہے۔

(شریف التواریخ جلد سوئم حصہ ششم، صفحہ ۱۲۲)



میاں عطا محمدؒ نوشاہیؒ

آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی میاں شہاب الدین بن بابا سپاہی شاہ ساکن جھنگی (بابا ماہی شاہ) تھا۔ آپ کی بیعت وخلافت اپنے بڑے بھائی میاں عبد الغفور بن میاں شہاب الدین سے تھی۔ حضرت حاجی عطا محمد صاحب بڑے کامل اولیاء اللہؒ میں سے تھے اور پابند شرع تھے۔ قرآن مجید کی شب وروز تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے ۱۲۶۱ ہجری بمطابق ۱۸۴۵ء میں خانہ کعبہ کا حج کیا اور وہاں سے عرصہ پانچ سال کے بعد جھنگی شریف واپس آئے۔

آپ کو بحکم السماع معراج العاشقین سماع بالمزامیر والمعارف کا بہت شوق تھا۔ اور حالتِ سفر میں بھی قوال آپ کے ہمراہ ہوتے تھے۔

اولاد:

(۱) میاں جھنڈے شاہ (۲) میاں رحمت علی شاہ (۳) میاں بُڈھے شاہ

خلفاء:

تینوں فرزندوں کو بیعت اور خلافت سے شرف حاصل تھا۔ اُن کے علاوہ سائیں بوٹے شاہ، سائیں امام شاہ، سائیں ثابت شاہ اور سائیں میراں بخش ساکن نون۔

آپ کا مزار اقدس جھنگی ماہی شاہ میں مرجع خلائق ہے۔

فقرائے حاجی عطا محمد نوشاہی، سائیں ثابت شاہ (ساکن گمتھالہ تحصیل پھلور ضلع جالندھر)

اُن کے مرید:

مہر غلام قادر، مہر عبدالستار، سائیں محمد، مہر طفیل محمد (یہ سب موضع رسول پور ضلع جالندھر)۔

سائیں بوٹے شاہ (موچی) ساکن منڈاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

اُن کے مرید و خلیفہ:

سائیں اللہ بخش ساکن سنوارا متصل حاجی پور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور

اُن کے مرید:

مولوی محمد بخش ولد خیراتی (راجپوت) ساکن کانتھاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔ سائیں الفے شاہ (گوجر) سائیں بگھو شاہ (گوجر) سائیں عبداللہ شاہ (کفش دوز) ساکن بہبل منجاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں عبداللہ شاہ نوشاہی (کفش دوز)

اُن کے مریدین:

سائیں امیر شاہ نوشہرہ متصل حاجی پور تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

سائیں دسوندھی شاہ ولد محمد بخش (راجپوت) ساکن کانتھاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور

سائیں چراغ شاہ ساکن موضع بریانہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

مائی دولت بی بی ساکن بہبل منجاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

میاں عبدالغفور نوشاہیؒ

آپ میاں شہاب الدین ولد بابا ماہی شاہ نوشاہی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ بیعت وخلافت اپنے دادا صاحب سے بلا واسطہ حاصل کی اور مسندِ سجادگی پر بیٹھے۔ گوشہ تنہائی اختیار فرمائی تھی۔ شب و روز عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔

اولاد:

آپ کا صرف ایک فرزند تھا، جس کا اسم گرامی میاں چراغ شاہ تھا۔

خلفاء:

اوّل، میاں شاہ چراغ (فرزند خود)

دوئم، حاجی عطا محمد (برادر خورد)

سوئم، بابا پیر شاہ ساکن جلال پور متصل میانی افغاناں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

چہارم، سید حیدر شاہ ساکن ماکھ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور۔

آپ کا وصال شریف اور مدفن بمقام جھنگی شریف بابا ماہی شاہ تھا۔



میاں محمد بخش نوشاہیؒ

آپ میاں شہاب الدین نوشاہی ولد بابا ماہی شاہ اپنے دادا کے بیعت وخلیفہ تھے۔ آپ سالک مست تھے اور صاحبِ کرامت تھے۔

اولاد:

آپ کے صرف ایک فرزندارجمند میاں غلام محمد نوشاہی تھے۔ ایک مخلوق کو آپ کے فیض سے رُوحانی منزلیں حاصل ہوئیں۔ آپ کا مزارِ اقدس جھنگی شریف میں مرجع خلائق ہے۔



بابا نُور شاہؒ (جھنگی نور شاہ والے)

آپ بابا ماہی شاہ صاحب کے مرید و خلیفہ تھے۔ فقراء میں خاصہ مرتبہ تھا۔ بابا نور شاہ بڑے کامل ولی اللہ، عابد و زاہد باشرع درویش گزرے ہیں۔ مزار اقدس جھنگی نور شاہ میں واقع ہے جو متصل موجووال پلاکی ہے اور وہاں کا ڈاکخانہ بھنگالہ شیخاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور ہے۔ ۱۳۴۸ ہجری/۱۹۲۹ء میں ایک عالی شان مسجد اُن کے سرپرستوں نے بنوائی۔



بابا سپاہی شاہ نوشاہیؒ

آپ بابا ماہی شاہ نوشاہی جھنگی شریف والے کے چھوٹے بھائی اور اُن کے مرید و خلیفہ تھے۔ اُن کے بعد سجادگی بھی کرتے رہے۔ والد ماجد کا اسمِ گرامی میاں علی محمد تھا۔ صاحبِ کرامات و خرق عادات تھے۔ عالم جنّات آپ سے تعلیم پاتے تھے۔

اولاد:

آپ کے ایک ہی فرزند میاں شہاب الدّین صاحب تھے۔

خلفاء:

(۱) میاں شہاب الدّین فرزند خود (۲) میاں عبدالغفور بن شہاب الدّین نبیرہ

وصال شریف جھنگی شریف میں ہوا اور وہیں مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔



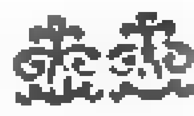
سیّد غریب شاہؒ (پنکھوہ والے)

آپ بابا ماہی شاہ ساکن جھنگی تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کے مرید تھے۔ آپ کامل ولی اللہ تھے۔

آپ کا مزار اقدس موضع (پنکھوہ) متصل بہبل منجاں میں واقع ہے۔ اس میں ایک عالی شان مکان میں بے شمار درخت اور درمیان میں ایک نہر جاری ہے اور ایک پختہ مسجد ہے۔

خلفاء:

آپ کے ایک خلیفہ بابا امیر شاہ نوشاہی تھے۔ اُن کے خلیفہ بابا منصور شاہ، اُن کے خلیفہ بابا حسین شاہ، اُن کے خلیفہ بابا کرم شاہ اُن کے خلیفہ میاں مہدی حسین (موضع باغ سکندر تحصیل سرہند ضلع امرگڑھ ریاست پٹیالہ)



شجرہ فقرائے بابا ماہی شاہ نوشاہیؒ (جھنگی شریف والے)

(۱) شیخ عبدالغفور المعروف بابا گھوڑے شاہ فیروز پوری۔ اُن کے فقیر بابا رحیم شاہ ڈپٹی (ضلع گورداسپور)

↓

بابا سلیمان شاہ (نرائن گڑھ والے)

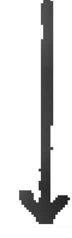
↓

بابا بہار شاہ ساکن باغ سکندر فیروز پور۔ اُن کے فقیر بابا ہادی شاہ (موضع تھیہ گمٹالہ) اور سائیں امر علی شاہ مہاجر پٹیالہ موضع بھٹی بھنگو ضلع گوجرانوالہ

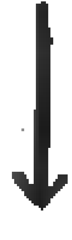
↓

محمد شاہ ولد امر علی شاہ۔ اُن کے مرید بابا فقیرے شاہ مدفن موضع ظہورہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور

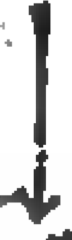
(۲) باباقادرے شاہ نوشاہی



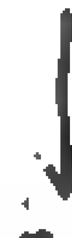
حافظ عبداللہ شاہ (لوہار چھت بنوڑ ریاست پٹیالہ)



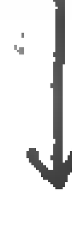
میاں جانی شاہ۔ قوم ارائیں ساکن شاہ آباد ضلع کرنال



میاں غلام قادر قوم لوہار (ڈیرہ بسی ریاست کلیسہ آن کے فقیر بابا نور شاہ مدفن کتووال راجپوتاں



میاں شرفو شاہ قوم تیلی سہارنپوری

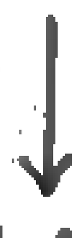


سائیں حب علی شاہ (موضع گرڈھی کوٹاہہ ضلع انبالہ)

(۳) سید حفیظ علی شاہ بخاری (موضع میانی افغاناں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور)



سید امیر علی گیلانی (وصال ۱۳۱۰ ہجری موضع میانی افغاناں)



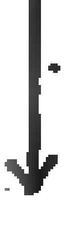
سید غلام مرتضیٰ شاہ فرزند امیر شاہ



سید فتح محمد شاہ (چک نمبر ۲۴۷ ضلع فیصل آباد)

(۴) ۱۔ میاں شرف الدین نوشاہی

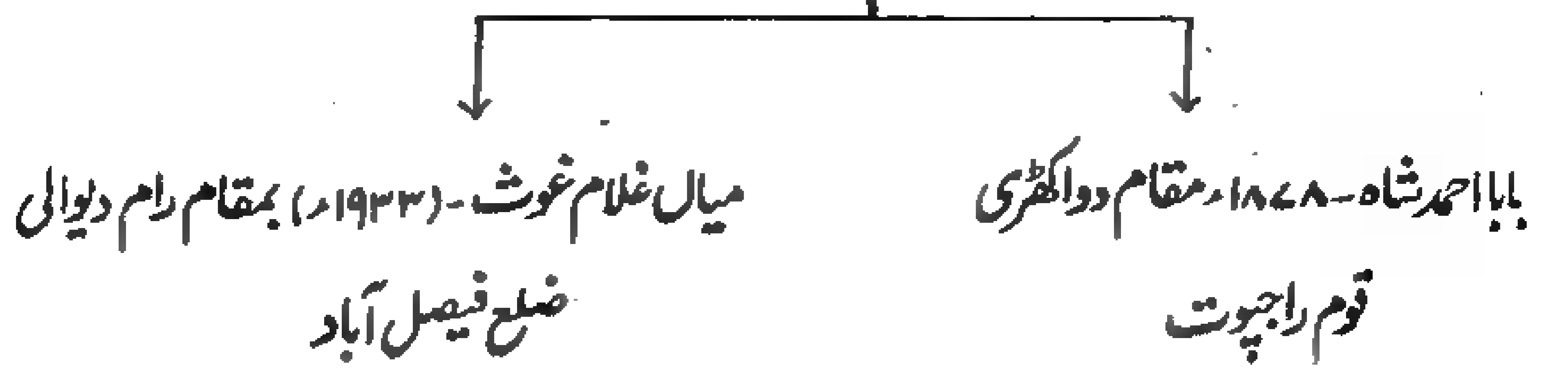
۲۔ بابا شادے شاہ (مدفن شاہ پور تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور)



بابا امام شاہ ولی



بابا گوہر شاہ ساکن دواکھڑی ۔ ڈہپر متصل منڈاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور)



بابا احمد شاہ ۔ ۱۸۷۸ء مقام دواکھڑی
قوم راجپوت

میاں غلام غوث ۔ (۱۹۳۳ء) بمقام رام دیوالی
ضلع فیصل آباد

سائیں یقین علی شاہ قوم سپرا

بابا برکت علی شاہ ۱۹۱۲ء
ساکن ڈگل دواکھڑی

بابا ملنگ شاہ عمرپور ماکھ
متصل مکیریاں ضلع ہوشیارپور

علی بخش بن مولا بخش

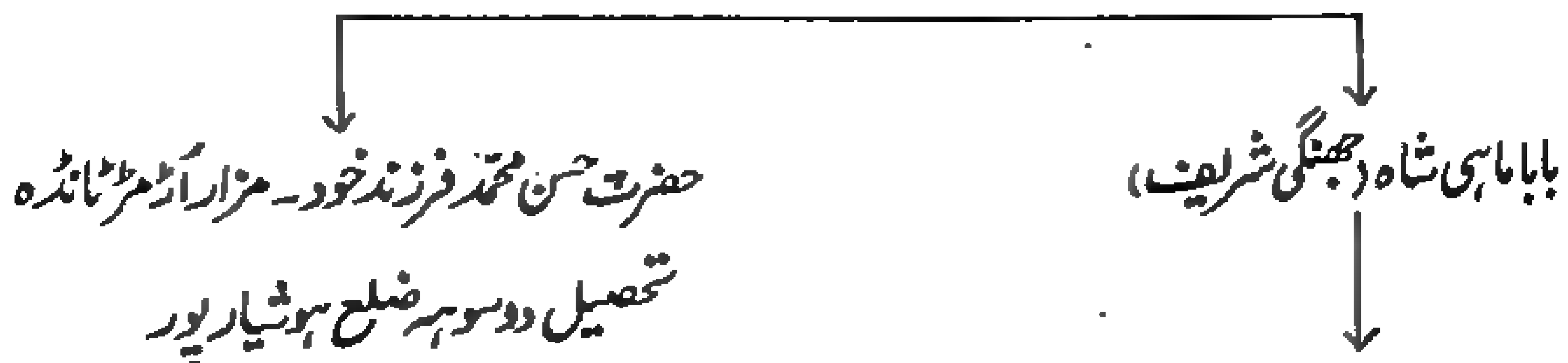
بابا کریم شاہ قوم لوہار ساکن ماچھیاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مدفن دھرم پور،
تحصیل کبیروالا ضلع ملتان ۱۹۶۹ء

سائیں احمد علی شاہ گوجر ۔ ساکن بسوہی
تحصیل گڑھ شنکر ۔ ضلع ہوشیارپور
(مدفن دھرم پور)

سائیں عنایت شاہ ہوشیارپوری
ساکن کاموں کے منڈی ۔ ضلع گوجرانوالہ

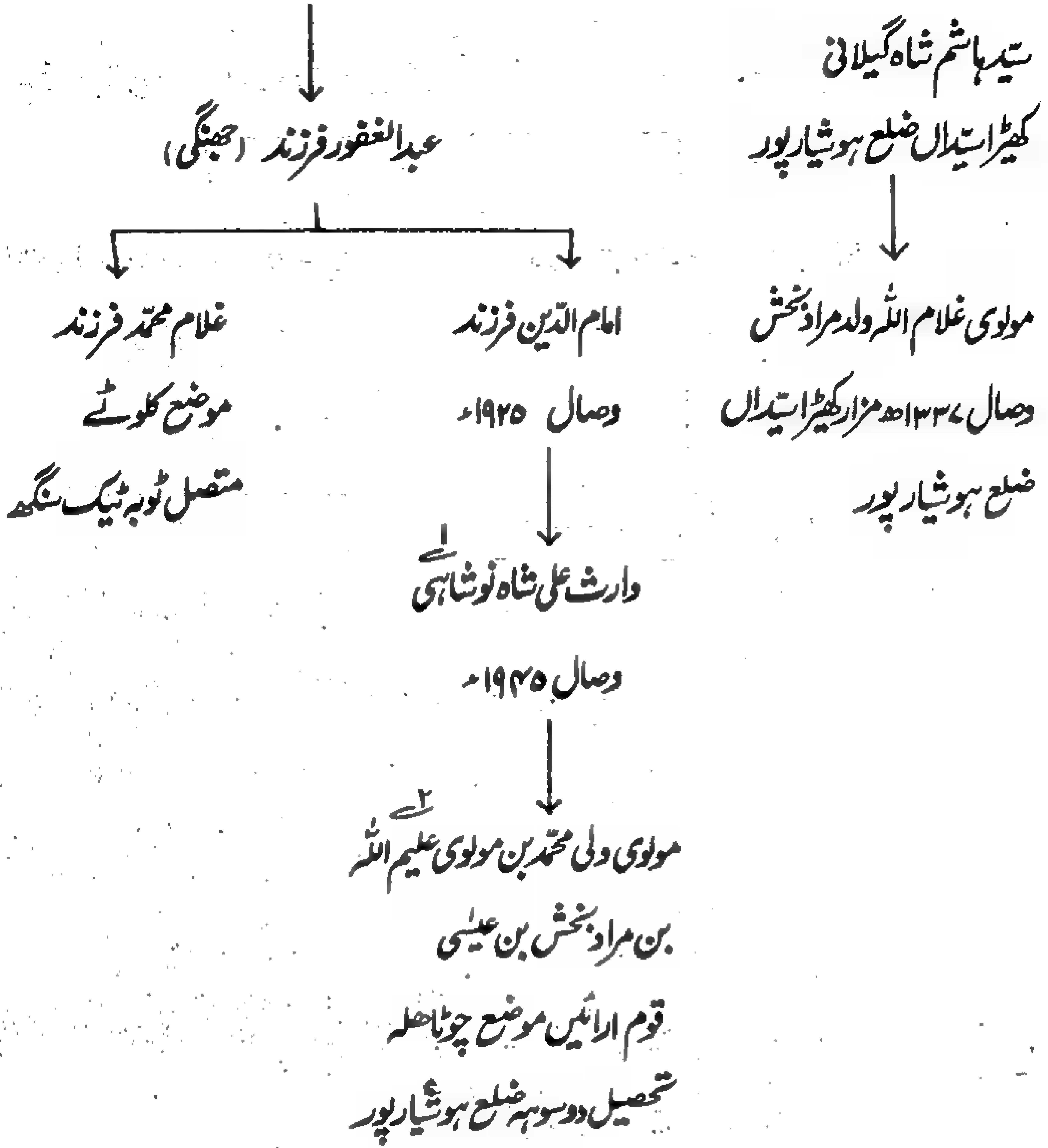


شجرہ ہائے حضرت خواجہ بخت جمال نوشاہیؒ



بابا ماہی شاہ (جھنگی شریف)

حضرت حسن محمد فرزند خود ۔ مزار آڑمڑ ٹانڈہ
تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور



---

[1] وارث علی شاہ نوشاہی قوم آرائیں ساکن کندھالہ شیخاں ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ آپ کا وصال شریف ۱۹۴۵ء بعمر ۸۵ سال ہوا۔ آپ کے مریدین میں صاحبِ خلافت بابا نتھو شاہ نوشاہی (قوم ارائیں) ساکن باقی پور ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ اس کے علاوہ دیگراں ۴۶ مریدین تھے۔

[2] مولوی علیم اللہ صاحب نے موضع بٹالہ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر بعد میں بھنبھوٹی میں درس وتدریس دیتے رہے۔ مولوی علیم اللہ صاحب نوشاہی بابا سید ہاشم شاہ گیلانی نوشاہی ساکن کھیڑا سیداں ضلع ہوشیار پور کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔ پرائمری سکول روپڑ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ صاحبِ تصنیف تھے۔ مندرجہ ذیل کتب آپ نے تصنیف کی ہیں۔

(۱) گلزار وارث (پنجابی منظوم) (۲) اسرار وارث (۳) معرفت باری تعالیٰ (۴) خطبات جمعہ (۵) خطبہ عید الضحیٰ

اولاد یہ: آپ کے چار لڑکے تھے اور مریدین کی تعداد تقریباً سو کے لگ بھگ تھی۔



مولانا عبدالغنی صاحبؒ

حضرت مولانا عبدالغنی ابن مولانا حکیم غلام رسول ۱۳۱۱ ہجری بمطابق ۱۸۹۲ء میں بمقام دسوہہ ضلع ہوشیار پور (پنجاب بھارت) میں پیدا ہوئے۔ عبدالغنی سعدی ۱۳۱۱ھ نے خود ہی سِن ولادت کا استخراج کیا۔ آپ کے اساتذہ کے بارے میں تفصیلات نہیں مل سکیں۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ امرتسر کے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ ابتدا میں آپ غیر مقلد تھے جب کہ آپ کے والد گرامی اور برادر گرامی[۱] دولت علی عارف سُنی حنفی عقیدہ سے محبت رکھتے تھے لیکن عارف باللہ حضرت شاہ سراج الحق چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ گورداسپوری کی محفل اقدس میں حاضری کے اثر نے قلب و رُوح کی کائنات کو بدل دیا اور آپ صحیح اور راسخ العقیدہ سُنی بن گئے اور پھر یہاں تک عشق و محبت کی آتش بھڑکی کہ اُن ہی کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے اور خلعت خلافت حاصل کیا۔ ان کے علاوہ آپ نے حضرت میاں شیر محمد صاحب (شرقپور شریف) حضرت میاں عبدالخالق جہاں خیلاں (ہوشیار پور) امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث (علی پور سیداں) حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی (علی پور سیداں) اور حضرت سائیں فتح علی (مزار بیبیاں پاک دامناں لاہور) جیسے نفوس قدسیہ حضرات سے بھی مستفیض ہوتے۔

تبلیغ دین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ کئی کئی ماہ بسلسلہ تبلیغ دین گھر سے باہر رہتے کبھی کسی سے معاوضہ طلب نہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ پنجاب کا کوئی گاؤں اور پاک و ہند کا کوئی قصبہ ایسا نہیں جہاں مَیں نے تبلیغ نہ کی ہو۔

اعلاء کلمۃ الحق آپ کا شیوہ تھا۔ اہلِ ثروت کے سامنے جُھکنا کبھی گوارا نہ کیا۔ مُسلمانوں کی زبوں حالی اور تجارتی، تعلیمی میدان میں، ہندوؤں کی اجارہ داری کو بہ نگاہ تشویش دیکھتے تھے۔ اسی بنا پر چند اہلِ ثروت مُسلمانوں کے تعاون سے آپ نے اسلامیہ ہائی سکول دسوہہ قائم کیا جس کی بُنیاد امیر ملت محدث علی پوری نے رکھی۔ اپنی گرہ سے زرِ کثیر خرچ کر کے مُسلمانوں کو تجارت کا مشورہ دیا۔ تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو مُسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور امیر ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کی معیت میں قریہ بہ قریہ نظریہ پاکستان کے حق میں تقریریں کیں۔

عُلماء میں سے سحبان زمان حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلویؒ۔ صدر الشریعہ

فٹ نوٹ [۱] (عُلمائے پنجاب) مدینۃ الاولیا

مولانا امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی۔ اُستاد المحدثین مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری سے گہرے تعلقات تھے۔ ایک دفعہ فرمایا، دیوبندی اور اہلِ حدیث بھی مولانا سید محمد دیدار علی شاہ کے علم کا لوہا مانتے تھے۔ واقعی اُن کا علم زیادہ تھا اور معلومات کافی تھیں۔

ایک خط میں مولانا علی اصغر چشتی (لاہور) کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

"بفضلِ خدا اہلِ سُنّت والجماعت ہوں۔ بریلوی حضرات سے عقیدت رکھتا ہوں اور میرے پیر و مُرشد حضرت سراج الحق چشتی صابری علیہ الرحمۃ (گورداسپوری) حضرت قبلہ مجدّدِ ملّت دورِ حاضر (حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) سے بھرپور عقیدت و محبّت رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کا فرمان تھا اگر احمد رضا خاں صاحبؒ کی شخصیت ہندوستان میں نہ ہوتی تو تمام ہند پر وہابیت کا اثر ہوتا۔

محدّثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری و خطیبِ پاکستان مولانا غلام دین (لاہور) خطیبِ ملّت مولانا غلام محمد ترنّم (امرتسری) مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش (جالندھری) وغیرہم آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالغنی عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں نماز تہجد اور اعتکاف کی ابتدا کی اور باقاعدگی سے ادا کرتے رہے حتّٰی کہ ۱۹۵۵ء میں ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے عشاء کے بعد جلد سو جاتے اور رات کے بارہ بجے اُٹھ کر نوافل ادا کرتے تھے اور پھر صبح کی نماز تک ذکر بالجہر میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر پاک کرتے یا سُنتے تو بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور تشریف لا کر بادامی باغ میں مقیم ہو گئے۔ پہلے بیگم شاہی مسجد میں خُطبہ دیتے رہے۔ پھر ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۶ء تک جامع مسجد شاہ ابوالمعالی میں فی سبیل اللہ خُطبہ دیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوتے۔ اس سفر میں حضرت قبلہ شیخ الحدیث مولانا سردار احمد لائل پوری کے ہم سفر رہے۔

وصال شریف :

۹ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ بمطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز اتوار کو ہوا۔ بادامی باغ ریلوے اسٹیشن کے شمال میں ایک گنبد میں مزارِ اقدس واقع ہے۔

اولاد :

آپ کے صاحبزادے محمد افضل حق خالد پروفیسر گورنمنٹ کالج بھمبر میں تھے جو اب ریٹائر ہو چکے ہیں راقم الحروف سے اکثر ملاقاتیں رہتی ہیں۔ آپ خوش اخلاق اور ملنسار شخصیت ہیں۔ اپنے والد ماجد کی طرح صوم و صلاۃ کے پابند ہیں۔

خواجہ محمدؐ افضل چشتیؒ

آپ کی ولادت باسعادت قصبہ سنور ضلع سرہند میں ایک معزز خالصہ خاندان میں ہوئی۔ تاریخ پیدائش کے متعلق کوشش بسیار کی گئی۔ متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا گیا مگر کامیابی و کامرانی نہ ہوئی۔ یہ ہماری قوم کی بدنصیبی ہے کہ ایسے برگزیدہ مقدس ہستیوں کے حالات حیات مبارک بھی کسی کو یاد نہیں۔ آپ عوام میں "روشنی والے پیر" کے نام سے مشہور ہیں۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ ابو یوسف علیہ الرحمۃ سرہندی نے شب کو خواب میں دیکھا کہ میرے دامن میں چاند ٹوٹ کر ہے۔ اگلی صبح حضرت خواجہ ابو یوسف علیہ الرحمۃ اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ ابو الفتح سرہندی کی خدمت بابرکت میں بغرض شرکت عُرس پاک سرہند شریف تشریف لے گئے۔ دوران عُرس پاک آپ بزرگان خواجگان کی سُنّت کی ادائیگی کے لیے محفلِ سماع میں تشریف لاتے۔ رنگ محفلِ سماع اپنے پُورے جوبن پر تھا۔ قوالی کے کلام نے آپ پر تواجد کی کیفیات پیدا کر دیں۔ محفلِ سماع میں کافی تعداد میں سامعین اور معتقدین شامل تھے۔ ان سامعین میں ایک سکھ خاندان کا فرد بھی شامل تھا۔ اس کی گود میں ایک طفل خورد تھا۔ محفل میں آپ حالتِ تواجد میں رقص کناں تھے۔ جب آپ رقص کناں اس سکھ فرد کے پاس تشریف لاتے تو زبان مبارک سے فرماتے" اوتے رات والا چاند تُو ہی تو ہے"۔ اسی طرح آپ مسلسل رقص کناں جب اس سکھ فرد کے پاس تشریف لاتے تو بار بار اس طفلِ خورد کو جو سکھ فرد کی گود میں تھا، مخاطب ہو کر فرماتے" اوتے رات والا چاند تُو ہی تو ہے"۔ حضرت خواجہ ابو یوسف سرہندی کے اس کیفیاتی تواجد کے تخاطب نے اس سکھ کی گود میں بیٹھے ہوئے طفلِ خورد کو بھی وجدانی کیفیات پیدا کر دی گئیں۔ اس نظرِ کرم نے ایسا کام کیا کہ وہ طفلِ خورد بھی اپنے سکھ باپ کی گود سے اُچھل کر سرکار پاک خواجہ ابو یوسف سرہندی کے قدموں پر گر گیا۔ آپ نے اس کو دستِ شفقت سے اُٹھایا، پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا "کہ اب تُو میرا ہے"۔ یہ تمام منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے لڑکے کا والد حیران و ششدر ہو گیا۔ پریشانی و گھبراہٹ میں اُٹھ کر لڑکے کو پکڑنا چاہا۔ جیسے ہی باپ اپنے لڑکے کو ہاتھ لگاتا، لڑکا بے ہوش ہو ہو جاتا تھا۔ اور جب حضرت خواجہ ابو یوسف سرہندی علیہ الرحمۃ

لڑکے پر دستِ شفقت پھیرتے تو لڑکا ہوش میں آجاتا تھا۔ دوبارہ جب پدری محبت نے جوش مارا اور لڑکے کو بڑے پیار سے اٹھانے کی کوشش کی تو لڑکا پھر بے ہوش ہو گیا۔ بعد میں حضرت خواجہ ابو یوسفؒ سرہندی نے پیار بھرے دستِ مبارک سے اٹھایا تو لڑکا ہوش میں آگیا۔ آخر کار تان یہاں پر ٹوٹی کہ باپ نے اپنے صاحبزادے کو حضرت خواجہ ابو یوسفؒ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی سپردگی اور پرورش میں دے دیا۔ اور خود ہی اپنی زبان سے کہا کہ اب یہ صاحبزادہ تمہارا ہے میرا نہیں ہے۔ حضرت خواجہ ابو یوسف سرہندی بچے کو اپنے ہمراہ سرہند شریف لے آئے۔ اس کی ہر طرح سے پرورش فرمائی اور خود ہی تعلیم و تربیت فرمائی۔ آپ نے اس صاحبزادے کو قرآن پاک، حدیث اور فقہ کی مکمل تعلیم فرمائی۔ اس کے علاوہ تصوف اور باطنی زیورِ تعلیم سے بھی نوازا۔ اٹھارہ سال تک آپ کی تعلیم و تربیت ہوتی رہی۔ جب ان علوم کی تکمیل ہو گئی تو اس کے بعد حضرت خواجہ ابو یوسفؒ سرہندی نے دستارِ فضیلت و خلافت سے نوازا اور آپ کو ٹانڈہ شریف تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے خود ہی اس بچے کا نام نامی تجویز فرمایا جو بعد میں حضرت خواجہ محمد افضل شاہ صابریؒ کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔

آپ نے اپنے علاقے کے گرد و نواح میں ایک مخلوق کو فیض بخشا۔ ہزاروں شیطان صفت مرد اور عورتیں آپ کے رشد و ہدایت سے تائب ہوئے۔ سینکڑوں افراد آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ اور راہ مستقیم پر گامزن ہوئے۔

وصال شریف

آپ نے اس دارِ فانی سے ۳ صفر ۱۲۷۱ھ کو ٹانڈہ شریف میں وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ یار محمد چشتی صابری زیادہ مشہور و معروف ہیں جن سے سلسلہ کی نشوونما ہوئی چراغ سے چراغ جلتا رہا اور ایسے ہی اس علاقے میں دینِ اسلام کی بھرپور تبلیغ و اشاعت ہوتی رہی۔ (بحوالہ بقول مولوی تاج الدین صابری)



میاں حسن محمدؒ (جھنگی شریف والے)

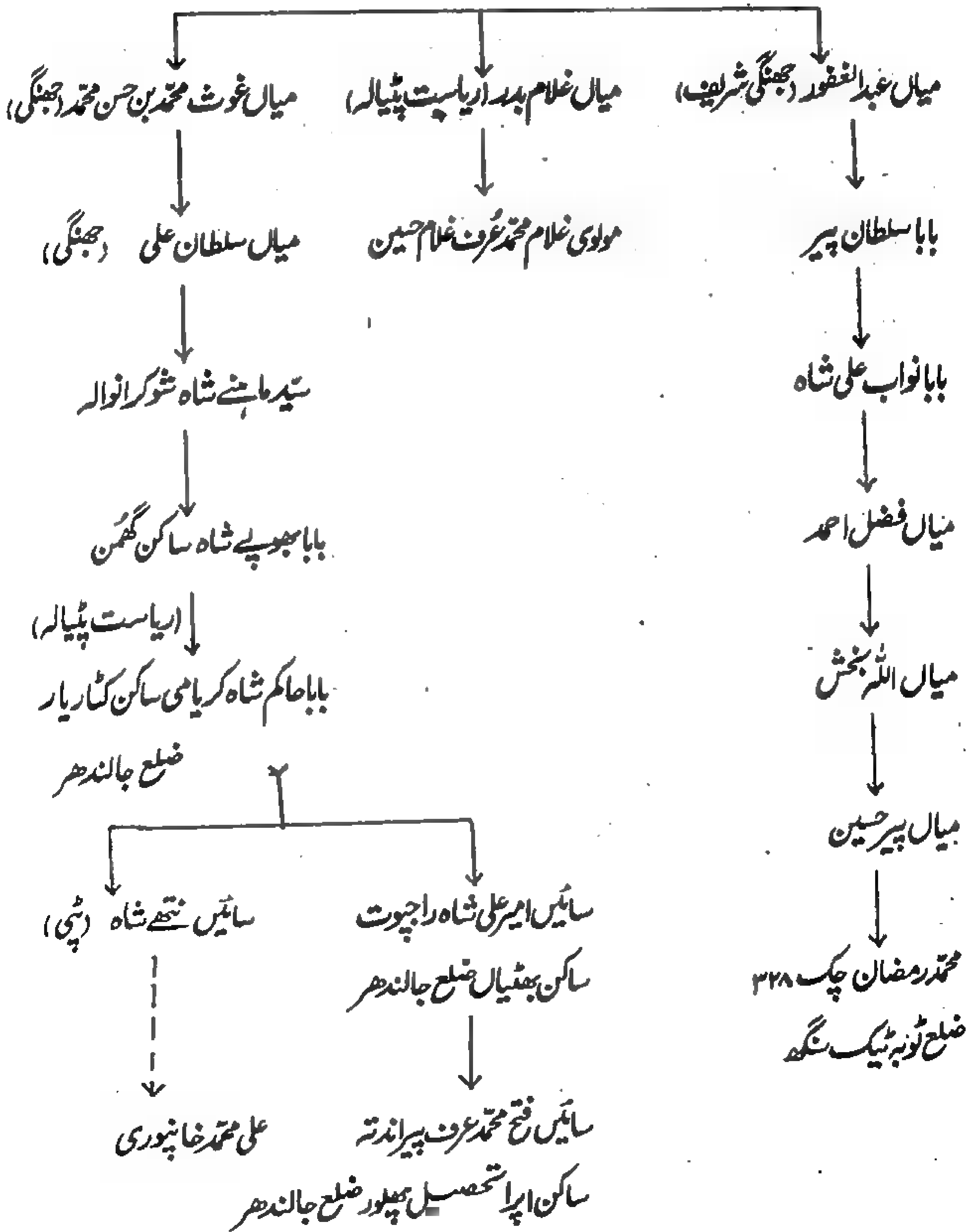
میاں حسن محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ بخت جمال علیہ الرحمۃ قوم وڑائچ ساکن جھنگی شریف ضلع گورداسپور (بھارت) کے فرزند اکبر تھے۔ بعض شجروں میں آپ کو اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ کا مرید صادق تحریر کیا گیا ہے۔ میاں غلام مصطفےٰ صاحب حضرت خواجہ بخت جمال نوشاہیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ مگر بقول صاحب مصنف " اسرار

وارثی ؒ کے میاں حسن محمد کو میاں محمد اکرم بن میاں عبدالجلیل بن حضرت قبلہ سچیار نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ نوشہروی کا مرید تحریر کیا ہے۔ آپ سے بہت سی مخلوق خدا نے فیض روحانیت حاصل کیا۔

آپ نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ زیادہ تر ضلع ہوشیار پور (بھارت) میں فرمائی۔

آپ کا مزار اقدس ٹانڈہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے۔

شجرہ فقرائے میاں حسن محمد نوشاہیؒ



بابا ہیرے شاہؒ

بابا ہیرے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت دوسوہہ قصبہ میں ہوئی۔ آپ کا حسب نسب گوجر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ بچپن ہی سے آپ کو درویشوں، فقیروں سے اُنس و محبت تھی۔ راقم الحروف اُن کی زیارت سے اُس وقت مشرف ہوئے جب کہ آپ کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ تمام عمر مجرّد رہے۔ آپ نے بہت سخت مجاہدے کیے۔ بہت کم گو اور کم سُخن تھے۔ اُن کی اپنی اراضی موضع ہردو تھلہ شریف کے نزدیک واقع تھی۔ آباؤ اجداد کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اسی اراضی میں ایک کنواں بنوایا ہوا تھا۔ اس کنوئیں پر ایک بہت ہی شاندار مسجد پختہ چونا گچ تعمیر کروائی ہوئی تھی۔ اور اسی مسجد کے متصل ایک کمرہ برائے عبادت و ریاضت بنوایا ہوا تھا۔ آپ ہمیشہ اسی کنوئیں پر مسجد میں رہتے تھے۔ آتی جاتی خدا کی مخلوق کنوئیں پہ آرام کرتی تھی۔ لنگر جاری تھا۔ اسی مسجد کے ملحق ایک باغ امبہ بھی لگوایا ہوا تھا۔ آپ کا تکیہ کلام ہر دُنیا دار شخص کے لیے "اوئے بھلیا مانسا تیرا کی حال اے" تھا۔ اور پھر فرمایا کرتے تھے "اوئے اللہ اللہ بھی کریا کر"

سبحان اللہ ایسی ایسی نفوس قُدسیہ بزرگ ہستیاں اب کہاں ہیں۔ جن کے انداز تکلّم میں عشق و محبت رچا بسا ہوا تھا۔

ع ایسے گئے کہ زندگی کی شام ہوگئی ! !
لاؤں کہاں سے ڈھونڈھ کے گزری سحر کو میں (میاں حیرت شاہ وارثی)

تمام عمر مخلوق خدا کی خدمت اور رہبری فرماتے رہے۔ آپ نے کبھی کسی سے نذرانہ طلب نہیں کیا۔ ویسے بھی آپ صاحبِ جائیداد تھے۔ راقم الحروف نے جب جب اُن کی زیارت کی ہر وقت تسبیح ہاتھ میں اور زبان پر ذکر جاری رہتا تھا۔

آپ کی بیعت و خلافت سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں دوسوہہ کے ایک مشہور و معروف بزرگ میاں محمد شاہ چشتی نظامی (جن کا مزار اقدس بستی نو دمیاں محمد خاں نزد ہوشیار پور میں مرجع خلائق ہے) کے دست حق پرست پر کی تھی۔ روحانی فیض کا یہ ازلی حصّہ اور نظر کرم ایسا پایا کہ ایک مخلوق خدا نے آپ کی ذات اقدس و بابرکت سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے مریدین زیادہ تر امرتسر، لاہور اور جالندھر میں تھے۔ آپ کے پاس ہر وقت کوئی نہ کوئی درویش

موجود رہتا تھا۔ ویسے بھی آپ کے صاحبِ ولایت ہونے میں کیا کمی تھی۔ جو کوئی آتا قدم بوس ہوتا مگر آپ زیادہ تر منع ہی فرماتے تھے "کہ میں تو کچھ بھی نہیں اگر کچھ ہیں تو میری سرکار پاک ہی ہیں۔"

مخلوقِ خدا آتی دُعائے کیمیا لیتی چلے جاتی اور دل میں آپ کی اُلفت و محبت بسا کر چلے جاتی۔

آپ کا رنگ گورا چٹا تھا۔ ڈاڑھی مبارک گھنی اور سفید چاندی جیسی تھی۔ قد مبارک درمیانہ تھا۔ سر پہ ہر وقت ایک پیلے رنگ کا رومال باندھے رہتے تھے اور ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی۔ لباس ہمیشہ سفید رنگ کا کُرتہ اور سفید رنگ لٹھے کا تہمند پہنتے تھے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ اپنے مریدین کے یہاں رہتے تھے۔ لاہور ہی میں آپ کا وصال شریف محلہ رنگ محل حویلی میاں خاں مورخہ ۱۹۵۲ء میں ہوا۔ آپ کے مریدوں میں بابا جھنڈے شاہ آپ کی میت کو سرگودھا لے گئے تھے اور وہیں چک جنوبی (موضع) نواح سرگودھا میں سپردِ خاک کیا گیا۔ مزارِ اقدس پر اب سالانہ عُرس پاک ہوتا ہے۔

شجرہ طریقت بابا ہیرے شاہ چشتی نظامیؒ

۱۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت مولائے کائنات علی علیہ السلام

۳۔ خواجہ حسن بصریؒ (بصرہ)

۴۔ شیخ عبدالواحد ابنِ زیدؒ (بصرہ)

۵۔ خواجہ فضیل ابنِ عیاضؒ (مکہ معظمہ)

۶۔ خواجہ ابراہیم ادہمؒ (بغداد یا شام)

۷۔ خواجہ حذیفہ مرعشی المعروف خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشیؒ

۸۔ خواجہ امین الدین ھبیرہ (بصرہ)

۹۔ خواجہ ممشاد علی الدین دینوریؒ

۱۰۔ شیخ ابواسحاق شامیؒ

۱۱۔ خواجہ ابو ابدال احمد چشتیؒ (چشت)

۱۲۔ خواجہ ناصح الدین ابو محمد چشتیؒ

۱۳۔ خواجہ ابو یوسفؒ المعروف خواجہ ناصر الدین ابو یوسفؒ

۱۴۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ

۱۵۔ خواجہ حاجی شریف زندنیؒ (قنوج) بھارت

۱۶۔ خواجہ عثمان ہارونیؒ (کعبہ میں مزار اقدس ہے)

۱۷۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (اجمیر شریف)

۱۸۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (دہلی۔ مہرولی شریف)

۱۹۔ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (پاک پتن شریف)

۲۰۔ خواجہ نظام الدینؒ اولیا محبوب الٰہی (دہلی شریف)

۲۱۔ خواجہ نصیر الدین روشن چراغؒ (دہلی)

۲۲۔ خواجہ کمال الدینؒ (دہلی)

۲۳۔ خواجہ سراج الدین چشتیؒ (پیراں پتن گجرات)

۲۴۔ خواجہ علم الحق چشتیؒ (" " ")

۲۵۔ خواجہ محمود راجن چشتیؒ (" " ")

۲۶۔ خواجہ جمال الدین جمن چشتیؒ (احمد آباد گجرات)

۲۷۔ خواجہ جمن محمد چشتیؒ (احمد آباد)

۲۸۔ خواجہ شیخ محمد چشتیؒ (احمد آباد)

۲۹۔ خواجہ یحییٰ مدنی چشتیؒ (مدینہ منورہ)

۳۰۔ مولانا شاہ کلیم اللہ چشتیؒ (دہلی)

۳۱۔ خواجہ نظام الدینؒ اورنگ آبادی (اورنگ آباد)

۳۲۔ مولانا فخر الدین چشتی نظامیؒ (دہلی)

۳۳۔ حاجی لعل محمد چشتی نظامیؒ (")

۳۴۔ مرزا بخش اللہ بیگ چشتی نظامیؒ (")

حضرت شاہ محب اللہ چشتی نظامی	(دہلی)
خواجہ محمد شاہ چشتی نظامی	(ابسی شریف ہوشیار پور)
حضرت محمد ہیرے شاہ چشتی نظامی	(چک جنوبی سرگودھا)



حضرت مائی بھاگن شاہؒ

حضرت مائی بھاگن شاہ صاحبہ علیہ الرحمۃ کا اصل اسم گرامی "بھاگ بھری" تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ایک روایت کے مطابق موضع عمرپورہ ماکھ اور ایک روایت کے مطابق موضع جیداں تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) بھارت میں ہوئی۔

آپ بقول ایک روایت کے ایک غریب منش خاندان میں پیدا ہوئیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی نتھو تھا جو کہ کفش دوزی (موچی) کا کسب کر کے اپنے کنبے کا پیٹ پالتے تھے۔ والدین نے آپ کا نام بھاگ بھری رکھا جس کے معنی بانصیب اور بابرکت عورت ہے۔ آپ کے والدین فرمایا کرتے تھے کہ بچپن ہی سے یہ لڑکی عام طفلاں خورد کی طرح کھیلنے کودنے سے بہت ہی پرہیز کرتی تھیں اور عام طور پہ الگ اور گوشۂ تنہائی میں خاموشی اختیار فرماتی تھیں۔ بہت کم گفتگو میں حصہ لیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا کرم کچھ ایسا ہوا کہ لڑکی کی ولادت کے بعد گھر کی کچھ ایسی حالت بدلی کہ گھر کے اندر خوشحالی ہو گئی۔ تنگدستی دور ہو گئی۔ والدین بھی اس لڑکی سے بہت پیار کرتے تھے۔ جب یہ لڑکی سن بلوغ کو پہنچی تو تقاضاً بشری کے تحت ہر والدین کی خواہش ہے کہ لڑکی کی کتخدائی ہو جائے۔ لہٰذا آپ کے والدین نے اپنے ہی خاندان میں ہوشیار پور میں ایک گھرانہ میں لڑکے کا انتخاب کیا اور شادی کے دن مقرر کر دیے گئے۔ برات مقررہ تاریخ پر دھوم دھام سے آئی۔ نکاح ہوا۔ اس کے دوسرے دن دلہن کی بڑے چاؤ اور پیار سے رخصتی کی گئی۔ جب برات واپسی پر قصبہ مکیریاں کے نزدیک پہنچی تو موسم گرما کی وجہ سے بارات تھوڑا سا آرام کرنے کے لیے سرراہ ٹھہر گئی۔ براتی ادھر ادھر پانی پینے کے لیے اور کچھ آرام کرنے اور حقہ کی چلم بھرنے میں مصروف ہو گئے۔ دولہا کے والد کو خیال پیدا ہوا کہ ہم سب نے آرام بھی کر لیا اور پانی وغیرہ بھی پی لیا مگر دلہن نے نہ تو پانی پیا اور نہ ہی طعام تناول کیا۔ لہٰذا انہوں نے اپنے صاحبزادے سے استفسار کیا کہ کہاروں سے پتہ کراؤ کہ دلہن کو کسی نے

کھانے پینے کے متعلق پوچھا بھی ہے مگر دولہا میاں خود ہی پانی کا گلاس بھر کر ڈولی کے پاس لے گئے اور ڈولی کا ذرا سا پردہ اُٹھا کر پانی کا گلاس اپنی دُلہن کو پیش کیا۔ ڈولی کا پردہ کچھ ایسے انداز سے سرکا جس سے دُلہن کا چہرہ دُولہا نے دیکھ لیا۔ دُولہا آپ کا سیاہی مائل رنگ دیکھ کر دل برداشتہ ہو گیا اور آ کر اپنے والد سے کہا کہ مجھے اس دُلہن کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں اسے لے کر جاؤں گا۔ برات میں شامل تمام افراد نے دُولہا کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ اُس نے کہا کہ کہار ڈولی کو واپس اُن کے میکے لے جائیں۔ دُنیا چاہے اِدھر سے اُدھر ہو جائے مگر میں اپنے ارادے اور خیال سے باز نہیں آؤں گا۔ باوجود منت سماجت کے بات بنتی نظر نہ آئی۔ مجبور ہو کر جب کہاروں نے ڈولی کو اٹھانا چاہا تا کہ اُن کو دوبارہ واپس میکے لے جائیں تو مائی بھاگ بھری صاحبہ رحمۃ اللہ علیہ ڈولی سے باہر نکل آئیں اور اپنے سر کے بالوں کو کھول دیا اور بالوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ اُس کے بعد کپڑے پھاڑ دیئے۔ براتیوں اور دُولہا کو کہہ دیا کہ تم سب چلے جاؤ۔ اُس کے بعد کہاروں کو فرمایا کہ تم بھی ڈولی کو خالی واپس لے جاؤ۔ چونکہ گھر والوں نے میری رخصتی کر دی اور جس مجازی خدا کے ساتھ نکاح کیا تھا اُس نے میری صورت سے نفرت کی۔ اب تم سب چلے جاؤ۔ اب میرا معاملہ خداوند تعالیٰ حقیقی کے ساتھ ہے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو مائی صاحبہ اسی جگہ پر بیٹھ گئی اور رو رو کر اپنا بُرا حال کر لیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا فرمائی کہ میرا حُسن، میرا رنگ جب کہ سراپا جسم تیرا ہی بنایا ہوا ہے اور تیری اس بنائی ہوئی بندی کو قبول کرنے کے لیے کوئی بھی شخص تیار نہیں۔ مائی صاحبہ کی دُعا ایسا رنگ لائی کہ آپ پر مجذوبانہ کیفیات طاری ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کا کچھ ایسا کرم ہوا کہ قربِ الٰہی پایا۔ اور آپ مائی بھاگن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور و معروف ہوئیں۔ گرد و نواح کے عوام آپ کے پاس آتے۔ اپنی التجائیں پیش کرتے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو الفاظ بھی نکلتے تھے قبولیت کا درجہ رکھتے تھے۔ مریض لوگ آتے۔ دُعا کرواتے شفا ہو جاتی تھی۔

حضرت قطب الاقطاب خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ کو سب سے پہلے جو فیض و برکات حاصل ہوئیں تو وہ مائی بھاگن شاہ صاحبہ سے ہوئیں۔ آپ نے خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کو مُرشد پاک کے گھر کا راستہ بتلایا اس کے علاوہ روحانی طور پر مدد فرمائی۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کو بھی آپ کے ساتھ ایسی ہی والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ جب مائی صاحبہؒ کا وصال ہوا تو حضرت خواجہ محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ نے آپ کے مزارِ اقدس کی تعمیر فرمائی۔ فرمایا کرتے تھے کہ مائی صاحبہ صاحبِ وقت تھیں اور ابدال تھیں۔ ہزاروں لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

ایک دفعہ ایک چٹھی رساں جو کہ علاقہ مکیریاں کا رہنے والا تھا ـــــ وہ مکیریاں ڈاک خانے سے ڈاک اور

منی آرڈر کی تھیلی وصول کر کے اپنے علاقے کے خطوط اور منی آرڈر تقسیم کرنے کے لیے چلا تو راستے میں ایک پان سگریٹ والے کی دکان سے سگریٹ خریدے اور منی آرڈر کی تھیلی وہیں پر بھول گیا اور چلا گیا۔ جب متعلقہ علاقے میں پہنچا تو ایک دم خیال آیا وہ منی آرڈر کی تھیلی دکان پر بھول گیا ہے۔ انگریز کا دور تھا۔ اس [redacted] میں نااہلی کی سزا بہت سخت تھی۔ بہت ہی پریشان ہوا۔ دل میں مائی بھاگن شاہ صاحبہ جو اس وقت بقیدِ حیات تھیں، کے نام پر چار آنے کی شیرینی کی منت مانی۔ اسی گھبراہٹ میں جلدی جلدی وہ ملکیریاں کی طرف روانہ ہوا اور جس دکان سے اس نے سگریٹ خریدے تھے، اسی دکان پر پہنچا تو دیکھا کہ منی آرڈر کی تھیلی بالکل بعینہٖ ہی پڑی ہوئی ہے۔ اس نے جھٹ سے تھیلی کو اٹھایا اور پھر چار آنے کی شیرینی لے کر اپنی منت کو پورا کرنے کے لیے مائی بھاگن شاہ علیہ الرحمۃ کی خانقاہ پر آیا۔ مائی صاحبہ نے اس چٹھی رساں کو دیکھ کر فرمایا کہ "اوئے توں چار آنے دی شیرینی دی خاطر ساڈے کولوں چوکیداری کرائی اے"۔

ایسے ہی آپ کی بہت سی کرامتیں ہیں جن کو بہ خوفِ طوالت پس انداز کرتا ہوں۔ آپ کا عرس مبارک ماہ جیٹھ میں منعقد پذیر ہوتا تھا۔ مزار اقدس ملکیریاں قصبہ میں مرجع خلائق ہے۔



باباشاہ نور جمالؒ

حضرت باباشاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ کے متعلق تاریخ کے کسی بھی کتاب میں نہیں ملتے۔ راقم الحروف نے اہلِ سلاسل چشتیہ کے تمام مشائخ کے تذکرہ جات چھان مارے اور کتابوں کو کھنگالا۔ مگر سوائے ایک کتاب "انوار الفرید" کے مصنف نے حضرت باباشاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کے متعلق صرف اتنا تحریر کیا ہے کہ آپ حضرت باباشیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلیفہ تھے اور صاحبِ ولایت تھے اور آپ کا اصل نام شیخ جلال الدین کابلی تھا مگر باباشاہ نور جمال چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کا بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض کرنے کا صرف ایک ثبوت ہی کافی ہے کہ جہاں حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ نے ہندو پاک کی سرزمین پر مختلف مقامات پر چلہ ہائے کشی فرمائے۔ ان مقامات میں ہوشیار پور بھی تھا جس مقام پر بابا فرید صاحب نے چلہ کشی فرمائی۔ وہ ہوشیار پور شہر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ مقام "جھڑی بابا فرید صاحب

کے نام سے مشہور اور زبان زدِ عام ہے۔

جس دور میں حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ مذکورہ چلّہ گاہ کے مقام پر ریاضت و عبادت میں مشغول تھے۔ حضرت بابا شاہ نور جمال صاحب بھی انہی ایام میں آپ کی صحبت برکت میں رہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے۔ راقم الحروف نے حضرت بابا شاہ نور جمال صاحب کے متعلّق معلومات حاصل کرنے کے لیے کتابوں سے لے کر بزرگ شخصیتوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلکہ موجودہ سجادہ نشین کے ساتھ بھی اکثر خط و کتابت ہوتی رہی۔ اس کے علاوہ موجودہ سجادہ نشین کے خلیفہ صاحب کے ساتھ بھی خط و کتابت کی مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ ایک اور تصنیف جو کہ جناب وحید احمد مسعود کی تحریر کردہ ہے۔ اس میں حضرت بابا فرید الدّین مسعود گنج شکر کے خلفا میں حضرت شیخ جلال الدّین المقلب شاہ نُور جمال علیہ الرحمۃ کو خلیفہ تحریر کیا ہے۔ اُن کا مزارِ اقدس ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) سے آٹھ میل دُور کوہِ شوالک کی پہاڑیوں میں مرجعِ خلائق ہے۔ اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ آپ کے متعلّق کئی کرامتیں زبانِ زدِ عام ہیں۔ مگر میں بخوفِ طوالت تحریر کرنے سے پرہیز کرتا ہوں۔ ہوشیار پور گیزیٹیر ۱۹۰۴ء میں آپ کے عُرس کے انعقاد کے متعلّق تحریر ہے کہ ماہ چیت میں ہوتا ہے۔

مولانا قادر گرامی ہوشیار پوری نے مندرجہ ذیل رُباعی سرکارِ شاہ نور جمال علیہ الرحمۃ کے متعلّق کہی ہے۔

اے مظہرِ ذاتِ ذوالجلال اے اکمل
اے آیتِ حق آفتابِ اوجِ کمال
[illegible] شاہِ ما نورِ جمال
اے نورِ جمال موسیٔ طورِ جلال

مولانا شاہ فقیر اللہؒ

مولانا شاہ فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی وطن قصبہ کلانور ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب (بھارت) تھا آپ قوم کے مُغل تھے آپ کی دینی و دنیوی تعلیم بحر کمال تھی ۔عربی ، فارسی ، ہندی ، اُردو اور پنجابی زبانوں پر عبور حاصل تھا ۔آپؒ کی بیعت و خلافت حضرت مرزا شاہ امانت نوشاہی برقندازی علیہ الرحمۃ سے تھی جو کہ منگلاں ریاست جموں کشمیر کے رہنے والے تھے ۔آپؒ نے اپنے پیر و مُرشد کے حکم سے قصبہ بکیریاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور کو اپنی سکونت سے نوازا ۔آپ پر مقام توحیدی وجودی منکشف تھا ۔آپؒ ایک مُدت تک قصبہ مذکور میں رہے ۔اس کے علاوہ آپ کو علمِ طب میں بھی کافی دسترس حاصل تھی ۔حافظ محمود شیرانی ؒ پنجاب میں اُردو میں لکھتے ہیں ۔فقیر اللہ خانوادہ نوشاہیہ میں بیعت تھے اور مرزا شاہ امانت علیہ الرحمۃ کے مرید ہیں حاجی نوشو پاکؒ اس سلسلے کے بانی ہیں ۔شجرہ طریقت اس طرح سے ہے شاہ امانت مرید حضرت عبدالغفور نوشاہی لود یہ مُرید محمد حافظؒ اور وہ مرید محمد ہادیؒ اور وہ مُرید حضرت نوشہ پاک علیہ الرحمۃ کے ۔

اولاد : آپ کا اکلوتا بیٹا میاں محمد بخش نام تھا جو لا ولد فوت ہُوا ۔

یاران طریقت : میاں گامے شاہ ولد غوث محمد اعوان جمال پور اعوانا ضلع لدھیانہ

میاں عظمت اللہ اعوان

شاہ فاضل صاحب

میاں حاجی شاہؒ ، نورنگ برادہ ضلع لدھیانہ

سید اکبر " "

آپ کا مزار اقدس قصبہ بکیریاں تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) میں مرجع خلائق ہے ۔آپ صاحب تصنیف بھی تھے ۔آپ کا سارا کلام تصوّف اور عشق و محبت میں ڈوبا ہُوا ہے ۔ایک مثنوی "سِرِ مکنون" نظم کی نمونہ کلام مندرجہ ذیل ہے ۔

امثالِ نمونۂ کلام حضرت مولانا شاہ فقیر اللہؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

آنند مُنا تیرے گُن گاواں — ہر دم تیرا نام دھیاواں
آنند بھئی ست گور میں پایا — اجپا جاپ جس مجھے بتایا
کُنت کنزاً نے کیا پسارا — سوہنگ ہونگ آئے پکارا
اَجپا جاپ جپا دے سوء — جس کا ہردا نرمل ہوء
ہواللہ ہے اجپا جاپ — جپ سین دکتھن کوتا پاپ
ہُوانا جپ جس نے کیا — سوجن ہواللہ ہو رہا
آپ ہے ہرجی آپ ہے تُوں — اَنا اَنا ہو بولے تُوں
ہُو جاپ سیں پاوے سُکھ — بن ہُو اور سبھی ہیں دُکھ
شاہ امانت بھید بتایا — تو ئیں انحد ناد بجایا
مہا مُکت کو جو کو پاوے — سوجن آپ ہی آپ کہاوے
تار پود کا تانا تنیا — نُورِ نبیؐ سے سبھ کچھ بنیا

::

غیر کہاں ہے دیکھو بھائی — اک حقیقت سمجھ میں چھائی
آپ ہی دیکھے آپ دکھاوے — آپ ہی بُوجھے آپ بوجھاوے

آپ ہی اندر آپ ہی باہر   یعنی ہے ؞ باطن ظاہر
کہیں داتا کہیں منگتا کہیں ٹھاکر کہیں داس
ہر ہر موں ہر پسر یو آلکھ پولکھ ابناس

؞

احدیت ہے ذات اللہ   وحدت کا ہے نام خدا
ذات احمد کی بوجھ خدا   ایسا بھید ہمن سے پادہ

؞

احدیت کے درجے تین   اس پر سالک آن یقین
قدم قدم اصل کون جان   احدیت دوجا مان
تیجا ہے احدیت ذات   لکھ اسماء اور ایک ہیں ذات

؞

جہاں آپ آلکھ ہے تہاں سُن مُتنا
دھرم کرم نائیں ہے نا پاپ نا پُتنا

؞

تین مراتب خلقے جہان   سُن لے طالب سگھڑ سجان
اوّل حضرت رُوح لطیف   پاک منزہ نا کثیف
نا وہ نیڑے نا وہ دُور   ظاہر باطن ہے بھرپور
سرِّ الٰہی اس میں ظاہر   ہے وہ نور محمّد طاہر
ازلی ابدی نُور مسلّم   صلّی اللہ علیہ وسلّم
نُور اللہ کا پاک نبیؐ   اور خلق سمجھ من نُوری
سبھے ارواح ہیں اس سے ظاہر   پرگھٹ نُور سے ہوئے باہر

؞

کام کرودھ لوبھ موہ ہنکار   ہیں یہ سادھو پانچ بیکار

کام کرودھ جب مار گواوے　　تب وہ سادھو سادھ کہاوے

::

سرِ مکنوں ہے شاہ کا نام　　جو کو پیوے اوس کا جام
جھن میں عارف کامل تھیوے　　یعنی حق کا واصل تھیوے
سرِ مکنوں کا جس نے جانا　　اپنے آپ کو پہچانا
فقیر اللہ کیا کہیے بات　　سرِ مکنوں ہے اُس کی ذات

::

حضرت قبلہ میاں قادر بخش قادریؒ

آپ گامے شاہ قادری علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ گرد و نواح کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عاشق و گرویدہ ہے۔ ان کے خلیفہ و مرید حضرت میاں جلال قادری تھے۔ آپ کا شجرۂ طریقت جناب غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔

شجرہ طریقت

حضرت میاں جلال الدین قادری　(بیرم پور تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور)

میاں قادر بخش قادری

میاں گامے شاہ قادری

حضرت سید پیر علی معظم قادری

حضرت سید احمدؒ

حضرت سید غلام مصطفےٰؒ

حضرت سید عبداللہؒ

حضرت سید عثمانؒ

حضرت سید احمدؒ

حضرت سید صالحؒ

حضرت سید طلحہؒ

حضرت محمد یاسینؒ

حضرت شرف الدین

حضرت تاج الدین

حضرت نور الدین

حضرت جمال الدین

حضرت یحییٰ

حضرت سید وہابؒ

حضرت سید عبدالرحیمؒ

حضرت سید عبدالوہابؒ

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ

(نوٹ)

حضرت میاں قادر بخش قادری رحمۃ اللہ علیہ موضع باغانوالی ضلع انبالہ (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔ آپ مرشد پاک کی تلاش میں گڑھ شنکر پہنچے اور آن کے دستِ حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے پیشوائے کامل کا نام حضرت میاں گامے شاہ قادری رحمۃ اللہ تھا۔ مزار اقدس موضع بیرم پور گڑھ شنکر تحصیل میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کا وصال شریف ۱۳۰۸ھ میں ہوا۔

جناب قبلہ پیر علی معظم قادریؒ

حضرت پیر علی معظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی باوجود کوشش بسیار کے دستیاب نہیں ہو سکے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مشرقی پنجاب جہاں آپ پیدا ہوئے کنڈھی کہلاتا تھا۔ (علاقہ کنڈھی جہاں دریائے ستلج حدود ضلع ہوشیار پور میں داخل ہوتا ہے یہ سارے کا سارا علاقہ کنڈھی کے نام سے مشہور ہے) اس کا شمار پسماندہ علاقوں میں ہوتا ہے۔ وہاں

پر تعلیم کا ہونا یا پڑھا لکھا ہونا کہاں میسر تھا۔ مدرسہ یا اسکول وغیرہ بہت کم ہوتے تھے۔ سیدھے سادھے لوگ ہوتے تھے۔ آمدنی کے ذرائع بہت کم ہوتے تھے محض گزارہ کر لیتے تھے، تعلیم حاصل کرنے کہاں جاتے اور اس کے لیے اخراجات کہاں سے حاصل کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع ہذا کے بہت سے بزرگانِ دین جنہوں نے اسلام کی تبلیغ بھرپور انداز سے کی اُن کے حالاتِ زندگی کون تحریر کرتا محض سُنی سنائی روائتوں پر ہی عقیدت رکھتے تھے اور ایک ہی بزرگ کے ساتھ اجتماعی روایات کو بیان کرتے تھے۔ سال چھ مہینے میں ایک آدھ عُرس کر لیتے تھے جس سے معلوم ہو سکتا تھا کہ صاحبِ مزار کا وصال کب اور کس مہینے میں ہوا۔ اس مقررتاریخ کو عُرس یا درُود فاتحہ سب لوگ علاقے کے مل ملا کر کرا لیتے تھے۔ باقی رہا سال یا سن وہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ ایسے ہی دیگر حالات تھے۔

جناب پیر علی معظم رحمۃ اللہ علیہ بمقام کندھی میں رہتے تھے مگر بعد میں نامساعد حالات کی بنا پر آپ نے قصبہ گڑھ شنکر کو مسکن بنا لیا جہاں پر آپ نے ہر طرح سے دینِ اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ صاحب ولایت تھے۔ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اپنا دامن مراد بھرتا۔ گردونواح کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند تھا۔ وصال شریف کے بعد آپ کا مدفن گڑھ شنکر میں ہوا۔ مزار شریف بڑے روضے والے کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

مَیں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ آپ کے پیشوا و رہنما حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ ہر وقت چہرہ اقدس پر نقاب رکھتے تھے۔ اسی کی تقلید میں حضرت سید علی معظمؒ نے بھی چہرۂ انور پر نقاب رکھنا شروع کر دی تھی۔ بہت کم سخن تھے۔ آپ کا مزار اقدس عاشقوں کی آماجگاہ اور صادقوں کی قبلہ گاہ ہے۔ وصال شریف ۱۲۱۳ھ میں ہوا۔



حضرت گامے شاہ قادریؒ

حضرت گامے شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت سید پیر معظم علی شاہ قادری کے تھے۔ صاحبِ ولایت تھے۔

گردونواح کا علاقہ زیادہ ارادتمند تھا۔

مزار اقدس تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مرجع خلائق ہے۔



باباصدرالدینؒ

یہ تقریباً انیس سو چالیس عیسوی کی بات ہے کہ میں (راقم الحروف) سکول سے پڑھ کر واپس آرہا تھا کہ شام کے پانچ بجے کا عمل تھا۔ موسم سرما کا آغاز ہو چکا تھا۔ میں اپنے خیال میں مگن گاؤں کی طرف رواں دواں تھا کہ اچانک اسلامیہ ہائی اسکول دوسوہہ ضلع ہوشیارپور کی جانب سے ایک باریک اور سریلی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ جب کانوں پر زور دے کر سُنا کہ اس آواز میں رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف پڑھی جارہی تھی جو کہ اس طرح سے تھی۔

"محمد ہمارے بڑی شان والے"

بڑی شان والے بڑی شان والے

نعت خواں جس کے سر پر ململ کی پگڑی اور بدن پر کرتہ اور تہبند گاڑھے کا زیب تن کیے ہوئے تھا۔ نیم مست آنکھیں، نورانی چہرہ اور باریش ہمارے گاؤں کی طرف نعت خوانی کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ اس کی آواز میں ایسی مٹھاس تھی کہ آج تقریباً چھیالیس یا سنتالیس برس ہونے کو آئے، مگر وہ میٹھی آواز ابھی تک کانوں میں رس گھول رہی ہے۔ میں جب کبھی خلوت میں ہوتا ہوں اور اپنے بچپن کے حالات کو یاد کرتا ہُوں تو ایک ایک کر کے بچپن کی ساری تصویریں آنکھوں کے سامنے گھوم گھوم کر آتیں ہیں اور پھر وہی تصویریں ایک کے بعد ایک پردۂ خیالات سے غائب ہوتی جاتی ہیں، مگر اس نعت خواں کی سریلی میٹھی اور لوچدار آواز اب بھی جب کبھی خیال کرتا ہُوں سُن لیتا ہوں۔ خیر! جب وہ نیک شخصیت نعت خواں آہستہ آہستہ نعت پڑھتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا تو اس نے سلام کرنے میں سبقت حاصل کی، حالانکہ مجھے سلام کرنے میں پہل کرنا چاہیے تھا۔ خیر سلام کے بعد اُس نے مسکراتے ہُوئے مجھ سے میرا نام پُوچھا۔ کس کے لڑکے ہو۔ کیا کرتے ہو اور کہاں سے آئے ہو۔ ان سب سوالوں کے جواب بالترتیب دیے گئے۔ پھر فرمایا کہ مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت ہے یہ کہتے ہُوئے اس پر رقت طاری ہوگئی۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے پھر اپنی پگڑی

جوکہ سر پر بندھی ہوئی تھی کے پلو کے کونے سے اور کندھے پر ڈلے ہوئے رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم نماز پڑھتے ہو۔ تمہارے مولوی صاحب کا کیا نام ہے۔ سکول کا نام پوچھا۔ سوال جواب ہوتے رہے۔ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ میں نعت پڑھوں گا۔ اور تم اس کو میرے ساتھ مل کر اور آواز ملا کر پڑھو۔ یعنی پندرہ بیس منٹ کی اس صحبت نے مجھے اپنا مونس بنا لیا اور فرمایا اب بات ٹھیک ہوئی نا۔ پھر میں نے اس بزرگ شخصیت کا اسم گرامی پوچھا۔ جواب دیا کہ میرا نام صدرالدین ہے۔ میں سیر کناں حضور پاکؐ کی نعت پڑھتا رہتا ہوں اور اسی میں مجھے لطف آتا ہے۔ یہی میری زندگی ہے اور یہی میری بندگی ہے اور میں تمہارے اس گردونواح کے علاقے میں رہائش رکھتا ہوں۔

اس نے اپنا ایک بستہ میری طرف سرکاتے ہوئے کہا یہی میری دولت و سرمایہ ہے۔ یہی میری زندگی کا حاصل ہے۔ میں نے اس کے بستے میں ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے مجھے 'حیات صابری' ہاتھ لگی جو کہ خواجہ خواجگان محمد دیوان چشتی صابری علیہ الرحمۃ مصنف مولوی سید عبدالغنی قانون گو کے حالات حیات مبارکہ پر مشتمل تھی اور اس کتاب کے اندر کلام صابری علیہ الرحمۃ تھا جس کو وہ اکثر ترنم میں پڑھا کرتا تھا اور خود ہی مزے لیتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دوسری کتاب اٹھائی تو حضرت ابر وارثی علیہ الرحمۃ کا نعتیہ کلام بعنوان 'ابر کرم' اور ابر بہار تھیں اس کے علاوہ درویشوں کی سوانح حیات کے متعلق کچھ نسخے تھے۔ دو ایک کاپیاں جن پر نعتیہ کلام مختلف بزرگوں کا درج تھا یہ تھی اس کی کل پونجی جس کو وہ سرمایہ حیات سمجھتا تھا۔ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا ناخواندہ تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں دل سرشار رکھتا تھا اور ذہن رسا تھا۔ قوت حافظہ تیز تھی۔ بس نعت شریف کا مصرع اولیٰ بتلا دو اس کے بعد پوری نعت ترنم اور سوزوگداز میں ڈوبی ہوئی سن لو۔ نعت سننے والے پر بھی رقت طاری ہو جاتی تھی۔ پھر اس نے اپنے بستے کو اٹھایا اور سر پر رکھتے ہوئے اور سلام وعلیکم کہتے ہوئے وہ چلا گیا اور زبان سے وہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں پڑھتا ہوا 'سانوں کلمہ نبیؐ دا تارے۔ سانوں کلمہ نبیؐ دا تارے' ترنم سے پڑھتا ہوا چلا گیا۔ اس کے . . . ب بھی ملتا یا ملاقات ہوتی۔ اس کے پندونصائح یہی تھے کہ برخوردار نماز پڑھا کرو اور درود پاک کا ورد بھی کیا کرو۔ پھر جو بھی اُسے ملتا اس کو یہی کہتا تھا کہ برخوردار! بزرگوں کا ادب کرو نماز پڑھا کرو۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں بس بابا صدرالدین خوش ہو گیا۔ اس سے اس قدر پیار کر کے خوش ہوتا تھا۔ گویا کہ اس نے سابقہ زندگی کی تمام نمازیں ادا کر لی ہوں پھر وہ ہر ملنے والے سے اصرار کرتا کہ میرے ساتھ ہم آہنگ ہو کر نعت پڑھو۔ جب اس نے اس کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر نعت پڑھی۔ وہ خوش ہو جاتا بلکہ اس کا قلب و رُوح خوش ہو جاتا وہ اسی طرح پورے ضلع کی سیاحی کرتا رہتا تھا۔ مجھے سوائے اس کی ذات کے نہ اس کے والدین کا پتہ تھا اور نہ کسی گاؤں یا قصبہ کا پتہ تھا۔ ۱۹۴۶ء کے بعد پھر وہ سریلی آواز سنائی نہیں دی۔ واللہ اعلم بالصواب کہاں گیا اور کیا ہوا۔

بابا رحمت علی شاہؒ مجذوب

بابا رحمت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق زیادہ تر حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ جو بھی کچھ آپ کے حالات معلومات میسر ہیں۔ وہ بہرحال نذر قارئین کرام کر رہا ہوں۔ آپ موضع میر پور نزد دوسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے رہنے والے تھے۔ راقم الحروف نے آپ کو بعمر پچاس پچپن سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ اس دور میں مجذوبیت کی کیفیات دل و دماغ پر طاری رہتی تھیں۔ اکثر ایک لمبا کرتہ جو ٹخنوں تک زیب تن رہتا تھا۔ پہنے ہوتے اور یا کبھی موج میں آئے تہ بند کا استعمال کر لیا ورنہ عموماً برہنہ لنگوٹ بند رہتے تھے۔ کبھی کسی جگہ مستقبل قیام نہیں تھا۔ بیشتر اوقات سیر کناں رہتے اور شب و روز جنگلوں بیابانوں میں گزارتے اور کبھی موج میں آئے تو آبادی کی طرف بھی نکل آتے۔ اگر کسی عقیدت مند نے کھانا کھلا دیا تو کھا لیا ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔ کبھی کبھی خاموشی اختیار فرماتے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ جو کچھ منہ میں آیا کہتے چلے گئے۔ اگر کسی نے اُن کے خیالات میں مداخلت کی تو مغلظات سے نوازے جاتے۔ اکثر لوگ آپ کے پاس عقیدتاً حاضر ہوتے اور دُعا کے طالب ہوتے۔

ہندوستان کے بٹوارے سے تین مہینے پہلے ہمارے پڑوس میں ایک صاحب خانہ کے ہاں آگئے اور یہیں قیام کر لیا۔ صبح شام مکان کی چھت پر رہتے اور ہمہ وقت اپنے منہ سے کچھ نہ کچھ باتیں کر کے رہتے اور سننے والا یہ محسوس کرتا تھا کہ کسی سے مخاطب ہو کر دشنامی لہجے میں مصروف گفتگو ہیں اور بلاناغہ اہل دیہہ کو پکار پکار حکم دیتے رہتے۔ "اوئے میں تہانوں کہندا ہاں تسیں ایتھوں چلے جاؤ" ہر روز تقریباً ایک مہینہ تک بوقت عصر اور مغرب یہی الفاظ بار بار دہراتے رہتے تھے اوئے! ایتھوں چلے جاؤ اوئے! مَیں تہانوں بار بار کہندا ہاں۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے دوران میں روزانہ قتل و غارت کی خبریں آ رہی تھیں۔ آج فلاں گاؤں میں اتنی تعداد میں ہندو اور سکھ جہنم واصل ہوئے۔ آج فلاں موضع پر سکھوں نے حملہ کر دیا ہے۔ آج اتنے مسلمان شہید ہوئے ہیں۔ ایسی پُرتشویش خبریں سن سن کر مسلمانوں کو اپنی اپنی جانوں کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ خاص طور پر مسلمان عورتوں اور بچوں کی طرف سے زیادہ فکر مند تھے خالصہ جتھے جب بھی مسلمانوں کے دیہاتوں پر حملہ آور ہوتے تو قتل و غارت کے علاوہ لوٹ مار اور جوان عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ عجیب افراتفری تھی آسمان سے آگ برس رہی تھی اور زمین پر آگ بھڑک رہی تھی۔ اس آگ کو بجھانے والا کوئی نہیں تھا۔

اک ہُو کا عالم تھا ایک دن حسب معمول اپنے الفاظ کو دہراتے ہُوئے فرمایا۔"اوئے! ادیکھ رحمت علی دا سر کھاں نے دڈھدا تا اُوئے! مینوں اگ دے وچہ سٹ دتا لاے" اس کے بعد گاؤں کے اُجڑنے تک یہی الفاظ روزانہ دہرائے جاتے تھے۔ رمضان شریف گزارنے کے بعد بروز عید الفطر گاؤں پر اچانک سکھ جتھوں کی طرف سے حملہ آور ہونے کا خدشہ تھا مگر بزرگوں کے صدقے میں گاؤں پر حملہ تو نہ ہُوا، مگر لوگوں نے اپنے دل چھوڑ دیے۔ نتیجہ اس کا یہ ہُوا۔ لوگوں نے گاؤں کو خالی کرنا شروع کر دیا۔ جہاں جہاں کسی کے سینگ سمائے اپنے عزیز و اقارب کے ہاں جا کر پناہ گزین ہو گئے اور اب فسادات بھی پورے زوروں پر شروع ہو چکے تھے۔ گرد و نواح کے مسلمانوں کے جتنے بھی گاؤں یا چھوٹے چھوٹے دیہات تھے۔ آہستہ آہستہ خالی ہو چکے تھے عید الفطر کے آٹھویں روز سکھوں کا ایک جتھہ جو تین چار سو افراد پر مشتمل تھا۔ گاؤں پر حملہ آور ہُوا تو اس وقت گاؤں کے اندر تین یا چار آدمی موجود تھے جو جتھے کو دیکھ کر ادھر اُدھر کہیں فصلوں میں چھپ گئے تھے۔ صرف ایک مرد ذات بابا رحمت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اُسی مکان کی چھت پر اپنی موج میں تشریف فرما تھے۔ جتھے نے گاؤں کے اندر داخل ہو کر جائزہ لیا کہ گاؤں کے اندر کوئی بھی نہیں ہے تو اُنہوں نے مکانات کو نذرِ آتش کرنا شروع کر دیا اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایک ظالم اور درندہ صفت سکھ بابا رحمت علی شاہ کی طرف بڑھا اور تلوار سے آپ کا سر مبارک کاٹ دیا اور برابر ہی ایک سرکنڈوں اور راولوں کا ڈھیر تھا جس کو اُنہوں نے پہلے ہی آگ لگا رکھی تھی۔ اس جلتے ہُوئے ڈھیر میں آپ کا سر مبارک پھینک دیا اور بعد میں دھڑ کو بھی اس میں ڈال دیا۔ آپ نے اپنی جان کی قربانی دے کر پُورے گاؤں کو اس حملہ سے بچا لیا۔ جب یہ ظالم حملہ آور اپنا کام کر کے واپس چلے گئے تو فصلوں وغیرہ میں چھپے ہُوئے آدمیوں کو بابا رحمت علی شاہ کی تلاش ہُوئی۔ تو تلاش بسیار کے بعد پتہ چلا کہ "انے ہے! بابا بھی شہید ہو گئے۔ سر اور دھڑ کو جلتے ہُوئے سرکنڈا اور راولوں کے ڈھیر میں پھینک دیا گیا ہے۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی جسم مبارک کے جلے ہُوئے ٹکڑے نکالے اور ان کو اکٹھا کر کے گاؤں کے قبرستان میں دفن کر دیا یہ واقعہ ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۱۰ شوال ۱۳۶۶ھ اور ۱۲ بھادوں ۲۰۰۴ بکرم بروز جمعرات بوقت سہ پہر میں ہُوا۔ آپ کی عمر مبارک تقریباً ساٹھ سال تھی۔

آپ کے اس جذبۂ قربانی شہادت سے تمام گاؤں پاکستان کی سرزمین پاک تک پہنچنے تک ہر آفت و مشکل سے محفوظ رہا۔ آپ نے جو پیشگوئی تین مہینے پہلے فرمائی تھی۔ وہ اس انداز سے پُوری ہُوئی۔ مزار کیا بنتا۔ پھر اس کے بعد اہلِ دیہہ حکومت ہند کے قائم کردہ کیمپوں میں چلے گئے۔ ایک مہینہ یا ڈیڑھ مہینہ کیمپوں میں رہنے کے بعد پاکستان کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔

بابا برھمی شاہؒ

حضرت بابا برہمی شاہ علیہ الرحمۃ کا مزار اقدس بمقام بھنگالہ[1] تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔ گردونواح کا علاقہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند ہے۔ آپ کے حالات حیات مبارکہ بھی پردۂ اخفا میں ہیں۔ عرس پاک ماہ جیٹھ میں ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب۔) عرس پر کافی بھیڑ بھاڑ ہوتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ آکر اپنی دکانداریاں لگاتے تھے۔ ہنڈولے اور پنگوڑے بھی لگائے جاتے تھے جس میں بچگان سوار ہوتے اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ جگہ جگہ حلوائیوں کی دکانیں سجائی جاتی تھیں۔ زیادہ تر گردونواح کے علاقہ جات کے لوگ عرس پاک کی تقریبات میں شمولیت کرتے تھے اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتے۔ درویش فقرا بھی اپنے اپنے محبین کے ہمراہ آتے۔ قوالیاں پڑھی جاتی تھیں۔ میلاد پاک کی محافل بھی انعقاد پزیر ہوتی تھیں۔



حضرت پیر دریائیؒ

جن بزرگان دین کے حالات حیات مبارکہ نہیں مِل سکے ان میں بابا پیر دریائی علیہ الرحمۃ بھی شامل ہیں۔ آپ کے مزار مبارک کا بھی کہیں سُراغ نہیں ملتا۔ بس عوام میں پیر دریائی کے نام سے مشہور تھے۔ کچھ عقیدتمندوں کا خیال ہے کہ دریائے بیاس کے نواح میں دوسوہہ کے قریب یہاں دریائے بیاس کی گزرگاہ ہے۔ اُن کا مزار مکیریاں ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ حضرات مائی بھاگن شاہ صاحبہ (مزار مکیریاں) کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور آپ مردانہ بھیس میں سیر کناں رہتی تھیں۔ اور سرکار خواجہ محمد دیوان چشتی صابری آپ کی دُعا سے پیدا ہُوئے۔ وَاللہُ اَعلَمُ بِالصَّواب

---

[1] یہ تاریخی قصبہ ہے روایت ہے کہ جب سکندر اعظم پنجاب فیروز پور کے راستہ ہوشیار پور میں داخل ہُوا تو یہاں کے لوگوں نے اس کا شاندار استقبال کیا تھا۔

باباسالار غازیؒ

باباسالار غازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات حیاتِ مبارکہ بھی پردۂ اخفا میں ہیں، ہوشیار پور کا علاقہ پنجاب کے اندر پس ماندہ علاقہ ہی کہلواتا تھا۔ عوام تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ بزرگوں کے شجرہ ہائے نسب وطریقت کون یاد رکھتا تھا۔ ایسا ہوتا تھا۔ عوام بچے بوڑھے اور جوان مزار پر اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ڈھول یا نقارے بجائے جاتے تھے۔ لوک رقص کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ عورتیں چوریاں تیار کر کے سروں پر اُٹھائے ہوئے دیہاتی ماحول کے گیت گاتی ہوئی مزار پر حاضر ہوتی تھیں اور یُوں اپنی عقیدت کا اظہار کرتی تھیں۔ دو چار دیگیں دلیے یا نمکین اور میٹھے چاولوں کی اتاری جاتی تھیں، صاحبِ مزار کے نام کا فاتحہ پڑھا گیا بعد میں دیگیں تقسیم ہوئیں لوگ کھا پی کر گھر چلے آئے، صُبح سے شام تک ڈھول بجانے والا ڈھول پیٹتا رہتا۔ شام ہوتے ہی وہ بھی چلے جاتا۔ بس عرس یا میلہ ہو گیا۔ باباسالار غازی کے عرس کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ کسی کو کوئی پتہ نہیں ہے کہاں اور کس خاندان میں ولادت ہوئی۔ کونسے سلسلہ طریقت سے منسلک تھے۔ مزار اقدس بمقام ہر دو بھلہ شریف تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) میں واقع ہے۔ عقیدتمند مسلمان مزار اقدس پر ہر جمعرات کو دیا جلا دیا کرتے تھے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔



حضرت باباچراغ شاہؒ

حضرت باباچراغ شاہ علیہ الرحمۃ کے زیادہ تر حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ آپ نے اپنے سلسلے کی کافی تبلیغ فرمائی۔ گرد ونواح کا تمام علاقہ آپ کی بزرگی اور ولایت کا احترام کرتا تھا۔ زیادہ تر آپ کے مریدین امرتسر۔ جالندھر اضلاع کے رہنے والے تھے۔ راقم الحروف نے اکثر عرس پاک کے دنوں میں دیکھا ہے کہ باہر کے مریدین جب آتے تو اپنے ساتھ خورد ونوش کا سامان اور اس کے علاوہ اپنے اپنے ساتھ اوڑھنے بچھونے کا سامان بھی لاتے تھے۔ آپ کا مزارِ اقدس برساتی نالا (چو) کے بائیں کنارے اور دسوہہ مکیریاں ریلوے لائن کے مشرق کی طرف واقع تھا۔ آپ کے وصال شریف کے متعلق بھی نہیں پتہ چل سکا۔ ذہن پر زور دے کر تحریر کر رہا ہوں کہ شاید ۱۹۴۴ء میں وصال شریف ہوا ہوگا۔ میری نظروں نے یہ مزار کچا دیکھا تھا۔ صرف ایک کچی قبر بنی ہوئی تھی۔ ارد گرد مٹی کا ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا تھا جس کے اُوپر تعویز تھا

اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً ۱۹۷۵ء میں مزار اقدس کی نئے سرے سے تعمیر شروع ہوگئی تھی اور ۱۹۷۵ء تک مکمل بھی ہوگیا تھا۔ مزار اقدس ایک چار دیواری کے اندر تھا۔ مزار آبادی کے نزدیک نہیں تھا۔ اس کے تھوڑی دُور آگے موضع عثمان شہید[1] تھا۔ آپ کا عرس پاک کی تقاریب ماہ اساڑھ میں ہوتی تھیں۔ یہ عرس تقریباً دو دن جاری رہتا۔ گرد ونواح کے لوگ عرس میں شمولیت کرتے تھے۔ مزار اقدس جنگل میں ہونے کے سبب بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔



حضرت بابا بُلّے شاہؒ

حضرت بابا بلے شاہ علیہ الرحمۃ جن کا مزار اقدس منسوال (MANSWAL) ضلع ہوشیار پور میں عاشقوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ان کے حالات حیات مبارکہ پردۂ اخفا میں ہیں۔ زبان زد روایات تو کافی ہیں جن کو بخوف طوالت پیش کرنا اچھا نہیں لگا۔ گرد ونواح کا تمام علاقہ کیا سکھ کیا ہندو کیا چوہڑہ چمار اور کیا مسلمان سبھی آپ کے عقیدتمند تھے۔ آپ نے اسلام کا پرچار کچھ ایسے انداز سے عوام کے سامنے پیش کیا جس میں خدا کی مخلوق ایک دوسرے سے محبت اور رواداری سے پیش آنے لگی، لہٰذا بلا مذہب و ملت مخلوقِ خدا آپ سے اکتساب فیض کرنے لگی اور راہ مستقیم اختیار کی۔ مخلوق کو ہمیشہ سکونِ قلب کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ دُنیادی کاموں کے چکروں میں مصروف رہ کر ہر قسم کی برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ برائی کو دُنیادار بُرائی نہیں سمجھتے بلکہ بُرائیاں کرتے کرتے وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں پر انہیں بُرائی بُرائی نظر نہیں آتی۔ ان کے قلبوں سے احساس برائی کا مادہ خارج ہو چکا ہوتا ہے۔ اللہٰذا جب وہ سکونِ قلب کھو بیٹھتے ہیں۔ تو پھر وہ انہیں آستانوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں پر امراضِ قلوب کا علاج روحانیت سے ہوتا ہے۔ جب زخم بھر جاتے ہیں تو پھر سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں۔

---

[1] نواب ذکریا خاں کے عہد میں جالندھر اور ہوشیار پور دوآب کا آدینہ بیگ گورنر مقرر ہوا۔ اس نے پنجاب میں سکھوں کی طاقت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ اس کے مشورہ ہی سے لاہور کے گورنر شاہ نواز نے احمد شاہ ابدالی کو پنجاب پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی تھی۔ اس کے ایما پر مرہٹوں نے تیمور شاہ خلف احمد شاہ ابدالی صوبیدار پنجاب پر حملہ آور ہو کر شکست دی تھی۔ مرہٹوں کے اس حملہ کے دوران میں ہوشیار پور کے متعدد گاؤں اور مواضعات تباہ و برباد ہوئے جس میں تحصیل دسوہہ کا ایک مشہور قلعہ رسول پور افغاناں بھی تھا اور انہی مرہٹوں کے خلاف لڑتے ہوئے نوجوان عثمان خان نے جام شہادت نوش کیا۔ موضع عثمان شہید متصل دسوہہ اس بہادر جوان کی یادگار ہے۔

حضرت صُوفی شیخ احمدؒ

حضرت صوفی شیخ احمد علیہ الرحمۃ حضرت شیخ اللہ داد خاں برکی کے فرزندارجمند تھے۔ آپ نے اٹھارہویں صدی کے صاحب کمال اور بزرگ ہستی کے زمرۂ خاص میں مقام رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت سیّد عبدالوہاب نقشبندی کے حلقۂ درس سے قرآن پاک فقہ و حدیث کے علاوہ مروجہ متداولہ میں پُوری دسترس حاصل کی، لیکن تصرف روحانی اور سلوک و معرفت کے مدارج، آپ نے بجواڑہ میں قیام کے دوران والدِ محترم کی شفقت اور توجّہ باطنی سے طے کرکے نومُسلم راجپوتوں کے عقائد درست کرنے اور رشد و ہدایت کی شمع فروزاں کرنے کی غرض سے جہاں آباد (کوہ شوالک پہاڑ کے دامن میں ایک علم و ادب کا مرکز) میں اپنا قیام ضروری خیال فرمایا۔ اس جگہ حضرت موصوف اسلامی شعائر و نظائر کو پروان چڑھانے میں ساٹھ سال تک ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ کے مواعظ حسنہ اور درس و تدریس کی گرم بازاری کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف علمائے عصر اور دانشوروں نے آپ کو قیادت و سیادت کا تاج پہنایا۔ بلکہ آپ کے انفاس قدسیہ کی بدولت اربابِ حکومت اور سلاطین و خوانین غرض ہر طبقہ خیال کے لوگوں نے بھی اخذ فیض کیا۔ آپ کے اس چشمۂ فیض سے قرب و جوار کے ہزاروں تشنگانِ توحید و صداقت نے اپنی اپنی پیاس بُجھائی۔ نومُسلم راجپوتوں کا مذہب ہنود جن میں تفریقی اور تقسیم در تقسیم کا محرک عظیم ان کا مذہبی اختلاف ہے۔ بہت کچھ مذہبی اختلاف کی بُنیاد برہمنی دھرم کے عروج کے زمانہ میں پڑی۔ جب برہمنوں نے کافی اقتدار حاصل کرلیا اور چاروں ورنوں کی قید اس طرح پختہ ہوگئی کہ نیچ ذات کے بلند ہونے کی اُمید ہمیشہ کے لیے زائل ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ویدک دھرم برہمنی دھرم کی صُورت میں ایک وحشیانہ اور جاہلانہ دھرم نظر آنے لگا اور دھرم جو ہمیشہ شانتی اطمینان قلب اور اخلاقیات کا مسلمہ ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ جو اہل ہنود کی شانتی اور تسکین قلب کا ذریعہ نہ رہا، لہٰذا نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ مسلمان صوفیوں کا قرب ان غیر مسلموں کے لیے وجہ سکونِ قلب ہوگیا اور مذہب اسلام بھی ایسا سیدھا سادا جس کی تعلیمات انسان کو انسانیت کے مقام پر لاکر کھڑا کر دیتی تھیں۔ بقول!

صُحبتِ صالح ترا صالح کُند

اہل ہنود اس مذہب اسلام کی طرف زیادہ رجوع کرنے لگے۔ ان بزرگوں کے اخلاقیات سے متاثر ہوکر اکثر

بیشتر مذہب اسلام اختیار کرتے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد جنوبی وزیرستان کے ایک مشہور اور تاریخی مقام کانی گرام سے آکر پہلے جالندھر میں قیام پذیر ہوئے۔ پھر آپ کے والد ماجد حضرت صوفی اللہ داد خان بجواڑہ میں ہجرت کر کے آگئے۔ حضرت صوفی شیخ احمد علیہ الرحمۃ نے اسی جگہ سے علوم مروجہ و متداولہ اور سلوک و معرفت کی منازل طے کرنے کے بعد جہاں آباد جاکر سکونت پذیر ہو گئے۔ یہیں پر مخلوق خدا کو راہ ہدایت پر لاتے رہے۔ گرد و نواح کا تمام علاقہ آپ کا گرویدہ اور عقیدت مند تھا۔



حضرت شیخ رانڈے

تحصیل دوسوہہ میں واقع لودی افغانوں کی ایک بستی 'رانڈے' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس بستی کی بُنیاد رکھنے والے شیخ رانڈے لودی افغانوں کے خاندان سے ایک صاحب کشف و کمال بزرگ ہستی تھے۔ آپ صاحب ارشاد و ہدایت تھے اور اس کے علاوہ صاحب تصنیف بھی تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے ایک ہزار سے زیادہ افغانوں کی قیادت کرتے ہوئے شام چوراسی کے مقام پر مغلوں کی افواج سے دست بدست جنگ میں حصہ لیا تھا لیکن جب لودھی افغانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تو حضرت موصوف بھی ان منتشر شدہ افراد کے ہمراہ مختلف مقامات کے سفر و حضر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اپنی عمر کے آخری ایام میں موضع مذکور میں سکونت پذیر ہو گئے۔

اسی مقام پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے حلقہ ارادت میں ہزاروں مقامی اور بیرونجات کے عقیدتمند تھے۔ اسی بستی رانڈیاں میں وصال فرمایا اور یہیں پر مزار اقدس تعمیر ہوا۔ گرد و نواح کا تمام علاقہ آپ کا معتقد تھا۔ سالانہ عرس پاک منعقد پذیر ہوتا تھا۔ (افاغنہ ہوشیارپور)



حافظ محمدؐ حنیف بٹالویؒ

حضرت حافظ محمد حنیف صاحب علیہ الرحمۃ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ رسول دہلوی علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر شرف بیعت رکھتے تھے۔ آپ کا مزار اقدس محلہ پہاڑ گنج دہلی میں مرجع خلائق ہے۔ آپ صاحب کشف و کرام ہستی تھے۔ حافظ محمد حنیف علیہ الرحمۃ کا سلسلہ رشد و ہدایت بجواڑہ میں جاری رہا تھا۔ ان کے خلیفہ حضرت اعظم[1] جی علیہ الرحمۃ تھے اور ان کے خلیفہ مولوی برکت علی صاحب مسند ارشاد پر فائز تھے۔ شہباز خاں آف جہاں خیلاں نے حافظ محمد حنیف علیہ الرحمۃ کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ان کا مزار جہاں خیلاں کے پختہ باغ میں تعمیر کیا تھا جہاں شوال کی دس تاریخ کو عرس ہوتا تھا۔ اسی طرح ۲۲ شب برات کی شاہ اعظم جی علیہ الرحمۃ کا عرس بجواڑہ میں اور اسی ماہ کی تیئس تاریخ کو جہاں خیلاں میں عرس ہوتا تھا۔ عوام الناس عرسوں میں شرکت کرتے تھے۔ صاحب مزارات سے فیض اکتساب کرتے تھے۔

وہ کون ہے جو تری بزم ناز میں جاکر
حواس باختہ باچشم تر نہیں آتا



حضرت سرکار یار محمدؐ چشتی صابریؒ

حضرت سرکار یار محمد صاحب چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ زیادہ تر پردۂ اخفا میں ہیں۔ آپ کی بیعت و خلافت حضرت سرکار خواجہ محمد افضل جی چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر تھی۔ گرد و نواح کا علاقہ آپ کے دربار اقدس سے اکتساب فیض کرتا تھا۔ مزار اقدس بمقام ٹانڈہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مرجع خلائق ہے۔

---

[1] مولانا غلام قادر گرامی نے حضرت اعظم جی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مندرجہ ذیل رباعی کہی ہے۔

اعظم آں شیخ ما چہ عالی نسب است ؛ برق نگہ مرشد ما ما را سوخت
بر ما نظرش بے سببی ہا سبب است ؛ خاکستر ما سُرمہ چشم ادب است

حضرت سرکار شیخ جلال الدین چشتی صابریؒ

حضرت سرکار شیخ جلال الدین چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ بھی پردۂ اخفا میں ہیں۔ دراصل ہوشیارپور کا ضلع پس ماندہ ہونے کی وجہ سے بہت کم تعلیم یافتہ تھا۔ لوگوں کا ذوق شوق بزرگوں کے اعراس میں فقط شرکت حاصل کر کے اپنی عقیدت و محبت کو تقویت دینا ہوتی تھی۔ گو زبان زد روایات تو بہت ہیں، مگر اس کی کوئی سند نہیں ہوتی۔ ایک ہی روایت مختلف بزرگان دین کے ساتھ متعلق و وابستہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ کرامتیں کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ عقیدتمندوں کی محبت میں بھی فرق آسکتا ہے۔

بزرگان دین تو ویسے ہی مجسمہ کرامات ہوتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ ایسے بزرگ شخصیتیں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کی بھرپُور پیروی کرتے ہیں۔ اور اس عمل میں سر مو فرق نہیں آنے دیتے۔ اور اولیاء اللہ کے لیے کرامات کا اظہار فرض نہیں ہے۔ آپ کو حضرت سرکار امیر شاہ چشتی صابری علیہ الرحمۃ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ مزار اقدس بمقام ٹانڈہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مرجع خلائق ہے۔ گردونواح کا علاقہ کافی عقیدت و محبت رکھتا تھا۔



حضرت سرکار امیر شاہ چشتی صابریؒ

حضرت سرکار قبلۂ عاشقاں خواجہ امیر شاہ چشتی صابری علیہ الرحمۃ کے حالات حیات مبارکہ بھی باوجود تلاش بسیار اور مختلف محققین اہل قلم نگار سے رابطہ رکھنے کے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آپ کے سینکڑوں لوگ عقیدتمند تھے۔ گردونواح کا تمام علاقہ آپ کے دست کرم کے طالبان میں سے تھے۔ آپ حضرت خواجہ جلال الدین چشتی صابری سرکار علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ مزار اقدس ٹانڈہ تحصیل دوسوہہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب

بھارت) میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے مریدین میں سے ایک بہت ہی کامل واکمل بزرگ ہستی قبلہ حافظ خواجہ کرم بخش تھے جن کا مزار اقدس ہوشیارپور شہر میں مرجع خلائق ہے۔



حضرت سیّد بڈھن شاہؒ

آپ کا مزار اقدس بمقام کیرت پور ضلع ہوشیار پور میں واقع ہے۔ آپ کے حالات زندگی بھی میسر نہیں ہو سکے۔ مقامی روایت ہے کہ باباگوراںؒ دتہ جو اس قصبے میں سکھوں کے گرو بھی تھے۔ انہوں نے اپنے چیلوں کو ایک بار فرمایا تھا کہ جو سکھ میرا پیروکار ہے اور سکھ پنتھ پر قائم ہے میرے پاس آنے سے پہلے وہ میرے دوست اور ولی اللہ سید بڈھن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چرنوں میں سیس نوائیں اور پھر بعد میں میرے استھان پر آئیں؛ لہٰذا خالصہ اس قول کی پیروی کرتے ہیں۔ گردونواح کا تمام علاقہ کیا ہندو، سکھ اور کیا مسلمان سبھی آپ کے عقیدتمند ہیں۔ مزار کی یاترا کے لیے جاتے ہیں اور فیض اکتساب کرتے ہیں۔ کیرت پور انند پور صاحب سے ۱۱ کلومیٹر دور ہے۔ یہاں پر ایک مقامی روایت کے مطابق گورونانک صاحب سکھوں کے پہلے گرو نے سید بڈھن شاہ صاحب سے اکتساب فیض کیا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)



سیّد بانی شاہؒ

حضرت سید بانی شاہ علیہ الرحمۃ ضلع ہوشیار پور میں ایک بزرگ شخصیت تھی۔ آپ کا شمار اکابرین میں سے تھا۔ حالات حیات مبارکہ باوجود کوشش بسیار کے نہیں میسر ہو سکے۔ آپ کا لگایا ہوا ایک کنواں موضع جھنگڑاں کلاں میں جو دوسوہہ سے تقریباً ۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے، ابھی تک موجود ہے۔ ہندو، سکھ اور مسلمان اس کنوئیں کے پانی کو تبرک کے طور پر استعمال کرتے تھے اور ان کا عقیدہ ہے کہ اس کنوئیں کے پانی میں شفاء کی ہے اور مقامی / بیرونی مریضاں اس کو استعمال کر کے اپنے درد کا علاج کرتے تھے۔ گردونواح کا علاقہ آپ سے قلبی لگاؤ رکھتا تھا۔

جھینگڑاں کلاں میں زیادہ تر راجپوت گوت بھیٹھ رہتے ہیں جو تقریباً چار سو سال سے زائد سے ضلع فیروز پور سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ یہاں کا ایک مشہور شاعر جس کا نام گوی گردھر رائے تھا اور جس کا ایک بہت ہی مشہور شعر مندرجہ ذیل ہے۔ یہیں پر پیدا ہوا تھا۔

سونا لینے پیو گئے سُونا کر گئے دیس
نہ سونا ملا نہ پیو ملے موہے رُوپا کر گئے کیس



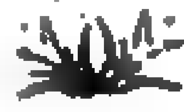
صُوفی غلام محمدؒ المعروف بابا گھوڑیاں والا

قبلہ صوفی غلام محمد المعروف بہ بابا گھوڑیاں والا قوم جٹ بمقام گھڑیال شریف تحصیل پٹی ضلع امرتسر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ولادت تقریباً ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ بچپن ہی سے دل میں شوقِ الٰہی تھا۔ لہٰذا ایک دفعہ اپنے کھیتوں میں کام کر رہے تھے کہ خاندان سادات کا ایک بزرگ اتفاق سے آپ کے پاس سے گزرا جس کی آپ نے ہر طرح سے خدمات سرانجام دینے میں اور آداب بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ تیرا فیض روحانیت ضلع ہوشیارپور کے موضع دارا پور میں ایک نہایت ہی پاکباز بزرگ شخصیت میاں محمد بخش صاحب قادری علیہ الرحمۃ کے پاس ہے۔

آپ کی اس مشفقانہ گفتگو سے متاثر ہو کر شام کو گھر آئے اور تمام کنبے کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں آج سے تمہارے پاس سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہوں اور فقط ایک چادر کندھے پر ڈالی اور گھر بار چھوڑ کر پیدل پا پیادہ امرتسر پہنچے۔ پھر جالندھر پہنچے۔ وہاں سے اڑمڑ ٹانڈہ پہنچ کر موضع مذکور دارا پور پہنچے۔ جب اتنا لمبا سفر طے کر کے اپنے مرشد کے پاس حاضر ہوئے تو دیکھتے ہی میاں محمد بخش صاحبؒ نے فرمایا کہ میں بھی تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ بابا گھوڑیاں والا چند مہینے اپنے مرشد پاک کی خدمت میں رہا۔ بعد میں بحکم مرشد پاک قصبہ مکیریاں کے بطرف مشرق تقریباً چار میل ایک موضع پنج ڈیرہ کے نواح میں ایک جنگل فتو آنہ میں مستقل قیام اختیار فرمایا۔ اپنے پاس دو چار گھوڑیاں رکھتے تھے۔ اس لیے بابا گھوڑیاں والا کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ جہاں بھی جاتے گھوڑیاں برابر ساتھ رہتی تھیں۔ فتو آنہ کے جنگل میں ایک تکیہ میں سخت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ شب بیداری میں گزرتی اور دن دیہات کے ارد گرد کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور کسانوں کے پاس خدمت کرتے گزر جاتا۔ موضع سگھوال اور فتو آنہ کی نہر کی کھدائی پر آپ نے دو آنے یومیہ پر مزدوری کی تھی اور اسی دو آنے میں

مزدوروں کو کھانا کھلاتا اور خود بھی ان میں شریک ہو جاتا تھا۔

آپ کے مریدین کی تعداد کافی تھی۔ پاکستان معرض وجود میں آیا تو ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آگئے تھے۔ کسی خاص جگہ پر نہ قیام کیا اور نہ سکونت اختیار فرمائی۔ بہ مصداق فقیر کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ زیادہ تر فیصل آباد، جڑانوالہ یا کاموںکے (گوجرانوالہ) میں اپنے مریدین کے ہاں رہتے تھے۔ جہاں بھی رہتے تھے۔ مریدوں کے لیے بوجھ بن کر نہیں رہتے تھے۔ بلکہ مریدین کی احسن طریقے سے چھپ چھپا کر مالی امداد بھی کر دیا کرتے تھے۔ سادھو یا درویش معاشرے کے لیے بوجھ نہیں بنتے۔ بلکہ معاشرے کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹنے اور دُور کرنے کے لیے درویش معاشرے کو تعلیم دیتا ہے اور خود بھی اس راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ چند سال ہوئے آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ مزار آپ کا موضع سریاں والا نواح شیخوپورہ میں واقع ہے۔ مریدین ہر سال تاریخ وصال پر سالانہ عرس کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔



حضرت محمدؒ جان نقشبندیؒ

آپ کے حالات حیاتِ مبارکہ بھی زیادہ تر پردۂ اخفاء میں ہیں۔ ایک شجرہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ احسنیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی بیعت و خلافت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ سے ہے۔ اس پوری عبارت کا متن جو مندرجہ ذیل ہے۔ قارئین اکرام ملاحظہ فرمائیں۔

"فقیر عبدالنبی ساکن قصبہ سیام سلوک طریقہ حضرات نقشبندیہ قدسنا اللہ سبحانہ بہ سرہم اولا از خدمت کامل مکمل حضرت حاجی عبداللہ سلطان پوری اخذ نمود بعد وفات ایشاں از حضرت حاجی شیخ محمد طاہر عالم پوری قدس سرہ تتمہ را اخذ نمودہ کہ خلیفہ اجل کامل مکمل حضرت حاجی عبداللہ بودند و ہم از میر صحبت محقق رفیقی میاں محمد جان ساکن قصبہ میانی بہرہ مندے یافت و ایشان نیز از خلفاء کامل مکمل حضرت حاجی عبداللہ جیو ہستند و ہر دو عزیز یعنی حضرت حاجی محمد طاہرؒ اور حضرت شیخ حاجی محمد جانؒ بے واسطہ از حضرت قطب دوران حاجی عبداللہ سلطان پوری کمال طریقت و حقیقت حاصل نمودہ اند۔"

آپ قصبہ میانی جو کہ دوسوہہ سے بطرف جنوب ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ سلطان پوری علیہ الرحمتہ سے شریعت و طریقت کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے وقت کے کامل درویشوں میں سے تھے۔ آپ سے بھی کافی لوگوں نے اکتساب فیض کیا۔

شجرہ طریقت مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت پاک رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ

حضرت سلمان فارسیؓ

حضرت امام قاسم بن محمد بن ابو بکر۔

سید امام جعفر صادق

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی

حضرت خواجہ ابوالقاسم گرگانی

حضرت ابو علی فارمدی طوسی۔

حضرت یوسف ہمدانی۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی

حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری۔

حضرت خواجہ محمود انجیر فغنفی

حضرت خواجہ عزیزان شاہ علی رامتینی

حضرت خواجہ شمس الدین۔ سید میر کلال

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند

حضرت مولانا یعقوب چرخی۔

حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار

حضرت مولانا محمد زاہد وخشی

حضرت خواجہ درویش محمد

حضرت مولانا خواجگی امکنگی

حضرت خواجہ باقی باللہ۔

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی

حضرت سید آدم بنوری

حضرت محمد شریف متقی شاہ آباد

حضرت حاجی عبداللہ سلطان پوری

حضرت میاں محمد جانؒ (میانی والے)



قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہر عالم

حضرت بابا شیخ محمد طاہر عالم پوریؒ کی ولادت باسعادت عالم پور میں ہوئی۔ ولادت تقریباً ۱۰۰۱ھ میں ہوئی۔ آپ کے پیر و مرشد موضع کڑی دریائے بیاس کے کنارے نواح دوسوہہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت پذیر تھے، مگر آپ گاؤں کے باہر ایک ویرانے میں ایک معمولی سی جھونپڑی بنا کر رہتے تھے۔ لوگوں کی آمد و رفت اور ہر کس و ناکس سے میل ملاقات سے پرہیز کرتے تھے۔ ہر وقت ذکر خدا زبان پر جاری رہتا تھا۔ حضرت بابا شیخ طاہر رحمۃ اللہ نے اپنے مرشد پاک سے ملنے کے لیے حجام کا پیشہ اختیار کیا ہوا تھا اور ایسے ہی مخلوق خدا کی بھی خدمت کرتے تھے۔ اس کا معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے آپ ہر جمعرات کو مرشد کے پاس جاتے تھے خط وغیرہ بناتے مگر اپنا منہ نہیں کھولتے تھے۔ خاموشی اختیار کیے رہتے تھے۔ ایک عرصہ تک اپنے مخدوم کی خدمت کرنے کے بعد آپ پر نظر کرم ہو گئی اور حکم ہوا کہ اسی گاؤں کے لوگوں کی بھی موتراشی کیا کرو اور معاوضہ کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ (مندرجہ ذیل واقعات مولوی تاج دین صاحب کی زبانی سنے گئے)

ایک دفعہ ایک افغان نے آپ کو بلوا بھیجا اور کہا کہ ہمارا ایک رقعہ جالندھر شہر میں ہماری ہمشیرہ کے پاس پہنچا دو اور اس رقعے کا جواب بھی لیتے آدیں آپ نے ہاں کر دی اور اس سے رقعہ لے کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اس وقت ظہر کا وقت تھا اور جالندھر شہر بھی اس مقام سے کم از کم تیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ اہم کام آپ نے نماز عصر سے پہلے سر انجام دیے اور اس کا جواب لے کر واپس آ چکے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اچانک اس افغان نے عصر کے وقت آپ کو دیکھ لیا۔ آپ اس وقت مسجد سے نماز پڑھ کر واپس لوٹ رہے تھے۔ اس افغان نے تحکمانہ اور جارحانہ انداز میں کہا کہ او دُسورائیں نے تمہیں جالندھر شہر میں اپنی ہمشیرہ کے پاس پیغام رسانی کے لیے بھیجا تھا، مگر افسوس، تم ابھی تک یہیں پھر رہے ہو۔ آپ نے اس تحکمانہ انداز کو قلوب سے محسوس کیا اور اپنی حجامت بنانے والے اوزاروں کی گچھی سے

آئینہ نکال کر اس افغان کو دیا اور کہا کہ خاں صاحب! دیکھئے! اس آئینے میں دیکھیے اور اپنی شکل کو ملاحظہ کریں کہ سور میں ہوں یا آپ سور ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی ہمشیرہ کا تحریری جواب جو جالندھر سے حاصل کر کے لائے تھے۔ اس کے سامنے پیش کر دیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ ولی اللہ کے منہ سے جب کوئی بات نکل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے پورا کر دیتا ہے

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ حلقوم عبداللہ بود

لہٰذا جب اس افغان نے اپنی شکل آئینہ میں دیکھی، تو اپنی شکل سور کی شکل میں تبدیل ہوتے دیکھ کر بہت گھبرایا۔

اس گھبراہٹ سے پریشان ہوتا دیکھ کر اس کے اہل و عیال اور دیگر اقربا حضرت بابا طاہر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور سبھی مل کر باباجی سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کام میں میرا کیا دخل ہے۔ میں ایک غریب حجام ہوں۔ تم جانو یا جس نے تمہاری شکل سور کی شکل میں تبدیلی کی ہے وہ جانے۔ اللہ پاک سے معافی مانگو اور اس کا فضل مانگو۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ مگر میں تمہیں ایک حکم دیتا ہوں کہ جب کوئی تمہاری نسل سے فوت ہو جائے تو اس کو کفن دینے کے بعد اس کا چہرہ مت دیکھنا اور اس کو ایسے ہی دفن کر دینا۔ ورنہ اس کی شکل سور جیسی پاؤ گے۔ اب بھی اس قوم میں اگر کوئی مر جاتا ہے۔ تو اس کو کفن دینے کے بعد چہرہ نہیں دیکھتے۔ جب حضرت باباجی سے یہ کرامت ظاہر ہو گئی تو آپ اس بستی کو چھوڑ کر ویران مقام پر چلے گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ عبادت میں مصروف ہو گئے۔ گرد و نواح کا تمام علاقہ آپ کا گرویدہ و معتقد تھا۔

حضرت عبدالنبی شامیؒ (شام چوراسی والے) جن کا تعلق ایک امیر ہندو گھرانے سے تھا۔ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مسلمان ہو گئے تھے۔ جب آپ نے مذہب اسلام اختیار کر لیا۔ تو اس کے بعد آپ نے حضرت باباجی طاہر صاحبؒ کی خدمت اقدس میں آمد و رفت شروع کر دی۔ ہر جمعرات کو صبح اُٹھ کر غسل کرتے اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر ایک دیگچہ جس میں چاول دودھ وغیرہ ڈال لیتے اور اُسے سلگتے ہوئے کوئلوں والی انگیٹھی پر رکھ کر سر پر اُٹھا لیتے اور شام چوراسی سے سیدھے عالم پور آتے آتے اس دیگچہ کا تمام کھانا پک جاتا۔ اور کھیر کی سی شکل میں ہو جاتی۔ وہ کھیر کا دیگچہ اپنے مرشد پاک حضرت بابا طاہر صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ آپ بسم اللہ پڑھ کر اس کھیر کو حاضرین مجلس میں تقسیم فرما دیتے۔ اسی طرح حضرت باباجی کی خدمت کرتے ہوئے حضرت عبدالنبی شامیؒ کے بارہ سال گزر گئے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ جب آپ اس پورے ساز و سامان کے ساتھ گھر سے نکلے گھٹائیں گھر آئیں اور بارش شروع ہو گئی اور انگیٹھی میں سے آگ بجھ گئی اور انگیٹھی میں سے گیلی راکھ بہنے سے تمام کپڑے خراب ہو گئے اور دل میں رہ رہ کے خیال آتا تھا کہ آج کھیر نہیں پکے گی۔ اسی خیال و فکر میں مرشد پاک کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور آب دیدہ ہو کر انگیٹھی بمعہ دیگچہ زمین پر

رکھدی اور دیگچہ کا ڈھکنا اُٹھا کر دیکھا تو کھیر پک چکی تھی، مگر آپ کے مرشد کامل نے جب عبد النبی شامی کے چہرے اور کپڑوں کو داغدار دیکھا تو زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ عبد النبی! آج تو تم پر رنگ چڑھ گیا ہے آپ کے اس اندازِ تکلم کے جواب میں عرض کیا کہ رنگ کا چڑھنا جناب آپ کی نظر عنایت ہے۔ آپ کے اس اندازِ گفتگو سے حضرت عبد النبی شامیؒ کو بھی رُوحانی قوت سے پتہ چل گیا تھا کہ ان پر واقعی رنگ چڑھ گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ عبد النبی شامیؒ! کہ اب میرے پاس آنے کی زحمت نہ کیا کریں، بلکہ میں خود ہی کسی وقت آؤں گا۔ ایک دن ایسا بھی آیا کہ آپ کے مزاج مبارک میں اُمنگ پیدا ہوئی کہ چلو آج عبد النبی شامی کے پاس جایا جائے۔ جب آپ شام چوراسی پہنچے تو آپ نے حضرت عبد النبی شامی کے دروازے پر پہنچ کر دربان سے پتہ کرایا کہ آیا حضرت عبد النبی شامیؒ گھر میں موجود ہیں یا نہیں۔ دربان نے آپ کو ایک معمولی شخص سمجھ کر جواب دیا کہ سرکار عبد النبی شامی صاحب اس وقت آرام فرما رہے ہیں۔ وہ جب اُٹھیں گے غسل فرمائیں گے اور ناشتہ کرنے کے بعد میں ملاقات کریں گے، لہذا آپ انتظار کریں۔ جب آپ (بابا طاہر) کو انتظار کرتے کرتے کافی دیر ہو گئی تو آپ نے دوبارہ دربان سے دریافت فرمایا کہ اندر جا کر عبد النبی شامیؒ سے کہنا کہ عالم پور سے ایک باباجی طاہر نام آپ سے ملنے کے لیے آیا ہے اور دروازے پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ جب دربان نے اندر جا کر حضرت عبد النبی شامیؒ کو اطلاع کی کہ عالم پور سے ایک باباجی طاہر نام دروازے پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ حضرت عبد النبی شامیؒ گھبرائے ہوئے دروازے پر آئے اور معافی طلب انداز میں دست بستہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنے سر سے پگڑی اُتار کر گھر کے صحن تک بچھا دی اور عرض کیا کہ اس پگڑی پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے ہوئے غریب خانہ کے اندر تشریف لے چلیے۔ جب آپ گھر کے اندر داخل ہوئے تو آپ کے استقبال کے لیے خاص اہتمام کیا گیا۔ پلنگ بچھوائے گئے اور مختلف قسم کے طعام تیار کروائے گئے۔ جب خورد و نوش کا سامان تیار ہو گیا تو عبد النبی شامیؒ نے اپنی دوشیزہ کو حکم دیا کہ باباجی کے ہاتھ دُھلوائے۔ جب وہ لڑکی ہاتھ دھلوانے میں مصروف تھی تو حضرت باباجی لڑکی کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے اور اور ہاتھ بھی دھوتے رہے۔ اسی طرح کافی دیر تک ہاتھ دھلنے میں پانی کا مصرف بھی زیادہ ہوا۔ حضرت عبد النبی شامیؒ اور آپ کی اہلیہ کے دل میں کچھ ایسے خیالات پیدا ہوئے اور اُسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے رہے کہ شاید حضرت باباجی کے مزاج اقدس میں ہماری لڑکی گھر کر گئی ہے۔ لہذا اُنہوں نے اپنی سعادت مندی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے گزارش کی کہ گر قبول اُفتد زہے عزو شرف را۔ تو آپ نے ان کی عرض سن کر فرمایا یہ ہماری اپنی لڑکی ہے۔ دوشیزہ خود سے نکاح اسلام میں جائز نہیں۔ تمہارے دل میں جو شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ اس کے جواب میں آپ سے کیا کہوں! اس لڑکی کے اندر تین سو عیب تھے جو اب کلی طور پر دھوئے گئے ہیں۔

مجموعۃ الاسرار میں رقمطراز ہے کہ حضرت سید حاجی محمد طاہرؒ عالم پوری خاندان سادات میں سے تھے۔ اُن کے

آباؤ اجداد کابل سے دین حق کے لیے ہجرت کر کے ہندوستان میں آئے اور یہاں سکونت اختیار کر کے حجام کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، تاکہ ان کی روحانیت ظاہر نہ ہو سکے۔ آپ نے ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ آپ نے اپنا جبہ اور دستار مبارک اور ایک بوتل پانی کی اپنے خادم کو دے کر کہا کہ عبدالنبی شامی کو یہ امانت دے دیں۔ اس میں دونوں جہانوں کی روحانیت کی طاقت منتقل کر دی گئی ہے۔

گرد و نواح کے علاقے میں آپ کے بے شمار عقیدتمند تھے۔ جو سب کے سب آپ کی رُوحانی قوت سے متأثر ہو کر بُرے کاموں سے پرہیز کرتے تھے۔ ہندو مسلم دونوں قومیں آپ کو دل و جان سے چاہتیں تھیں۔

وصال شریف!

آپ کا وصال شریف بعمر ۱۱۸ سال بروز دوشنبہ ۱۷ جمادی الاول ۱۱۹۱ھ بمطابق ۱۵ اگست ۱۰۰۰ء بمقام عالم پور تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں ہُوا اور وہیں پر مزار اقدس تعمیر ہُوا اور عاشقوں کی آماجگاہ بن گیا۔ آپ کے مزار اقدس کے بالمقابل مولوی غلام رسُول صاحبؒ کا بھی مزار ہے۔

فٹ نوٹ:

حضرت سید محمد طاہر عالم پوری کے پیشوا و مقتدا حضرت حاجی عبداللہ سلطان پُوری تھے جن کا مزار اقدس مغل پورہ دہلی میں مرجع خلائق ہے۔ سلطان پور ریاست کپورتھلہ میں ہے اور دسوہہ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ دربار اکبری: ملا عبداللہ سلطان پُوری اکبری دربار کا ایک مشہور عالم تھا۔ جالندھر کپورتھلہ کا رہنے والا سکندر لودی اسلام شاہ اور شہنشاہ اکبر کے عہد میں اس کا ستارہ عروج پر تھا۔ پانی پت کے میدان میں جب ہیموں بقال کو شکست ہُوئی۔ اس وقت اکبر اعظم دہلی میں تھا۔

سکندر سور نے ملا عبداللہ سلطان پُوری کے مشورہ سے جالندھر، ہوشیار پور اور دوآب پر قبضہ کر لیا تھا۔ لاہور کا گورنر خضر خان مقابلے کے لیے فوج لے کر آیا مگر چمیاری کے مقام پر اُسے شکست ہوئی۔

۱۷ دسمبر ۱۵۵۶ء کو اکبر خود ایک بھاری بھرکم فوج لے کر سکندر سُور کے مقابلے میں دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں آکر مقیم ہو گیا۔ بیرم خان کو فوج دے کر سکندر سُور کے خلاف روانہ کیا۔ سکندر سُور کا دوست نور پور کا راجہ اس کا ساتھ چھوڑ کر اکبر کے آگے سرنگوں ہو گیا۔ سکندر کو بہ امر مجبوری مان کوٹ (کانگڑہ) میں قلعہ بند ہو کر لڑنا پڑا۔ جنگ کا یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ آخر سمجھوتہ ہو گیا۔ (ملا عبدالقادر بدایونی (منتخب التواریخ)



شجرۂ طریقت

قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہرؒ

۱	حضرت پاک رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ	مدینہ شریف		۶۳ سال
۲	حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ	۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ	״	״	۶۳ سال
۳	حضرت سلمان فارسیؓ	۱۰ رجب ۳۳ھ	مدائن	(عراق)	۱۵۰ سال
۴	حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ	۲۴ جمادی الاوّل ۱۰۱ھ	جنت البقیع مدینہ منورہ		۷۲ سال
۵	حضرت سیدنا امام جعفر صادقؓ	۱۵ رجب ۱۴۸ھ	״	״	۶۸ سال
۶	سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ	۱۵ شعبان المعظم ۲۶۱ھ	بسطام	(ایران)	۱۲۵ سال
۷	خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ	۱۰ رمضان المبارک ۴۲۵ھ	خرقان	(ایران)	۷۳ سال
۸	خواجہ ابوالقاسم گرگانیؒ	۲۲ صفر ۴۵۰ھ	طوس	(ایران)	۷۳ سال
۹	خواجہ ابو علی نارمدی طوسیؒ	۴ ربیع الاوّل ۵۱۱ھ	مشہد	(ایران)	۷۷ سال
۱۰	خواجہ یوسف ہمدانیؒ	۲۰ رجب المرجب ۵۲۵ھ	مرو	(روس)	۹۶ سال
۱۱	خواجہ عبدالخالق غجدوانی	۱۲ ربیع الاوّل ۵۷۵ھ	غجدوان	(روس)	۹۶ سال
۱۲	خواجہ محمد عارف ریوگریؒ	یکم شوال ۶۱۶ھ	ریوگر	(بخارا)	۹۶ سال
۱۳	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ	۱۷ ربیع الاوّل ۷۱۷ھ	فغنہ	(روس)	۱۳۰ سال
۱۴	حضرت خواجہ عزیزاں شاہ علی رامیتنی	۲۷ رمضان المبارک ۷۲۱ھ	خوارزم	(روس)	۱۳۰ سال
۱۵	حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ	۱۰ جمادی الآخر ۷۵۵ھ	سماس بخارا	(روس)	۱۴۰ سال
۱۶	حضرت خواجہ شمس الدین سید میر کلالؒ	۱۳ جمادی الآخر ۷۷۲ھ	سوخار بخارا	(روس)	۱۴۰ سال
۱۷	شیخ بہاؤالدین نقشبند	۲ ربیع الاوّل ۷۹۱ھ	بخارا	(روس)	۲ ماہ ۸۳ سال
۱۸	حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ	۵ صفر ۸۵۱ھ	قصبہ باغنور ماوراء النہر	(روس)	۲ ماہ ۸۳ سال
۱۹	حضرت خواجہ ناصر الدین عبیداللہ	۲۹ ربیع الاوّل ۸۹۵ھ	سمرقند	(روس)	۲ ماہ ۸۸ سال

۲۰	حضرت مولانا محمد زاہد وخشیؒ	یکم ربیع الاوّل ۹۳۶ھ	وخش (رُوس)	۲ ماہ ۸۸ سال
۲۱	حضرت خواجہ درویش محمدؒ	۱۸ محرم الحرام ۹۷۰ھ	موضع اِلفرازہ (خراسان)	[illegible] ماہ ۸۸ سال
۲۲	حضرت مولانا خواجگی امکنگیؒ	۲۲ شعبان المعظم ۱۰۰۸ھ	امکنگ نزد بخارا (رُوس)	۹۰ سال
۲۳	حضرت سید رضی الدین محمد المعروف بہ خواجہ، خواجہ باقی باللہؒ	۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ	دہلی (بھارت)	۴۱ سال
۲۴	امام ربانی شیخ احمد فاروقی المعروف بہ مجدد الف ثانیؒ	۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ	سرہند شریف (بھارت)	۴ ماہ ۶۲ سال
۲۵	قطب الاقطاب سید آدم بنوریؒ	۱۲ شوال ۱۰۵۳ھ	جنت البقیع (مدینہ منورہ)	۱۴ دن ۶۳ سال
۲۶	غوثِ زمان حضرت محمد شریف متقیؒ ، شاہ آبادی	۱۰۸۳ھ	موضع شاہ آباد انبالہ	۶۲ سال
۲۷	سلطان العارفین حاجی عبداللہ سلطانپوری	۱۱۱۹ھ	منگلپورہ دہلی (بھارت)	۱۲۰ سال
۲۸	قطب عالم حضرت حاجی سید محمد طاہرؒ عالم پوری	۱۷ جمادی الاوّل ۱۱۱۹ھ	عالم پور تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور (بھارت)	۱۱۸ سال



حضرت میاں دولت علی چشتی صابریؒ

حضرت میاں دولت علی قبلہ عالم حضرت خواجہ حافظ کرم بخش رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے وقت آپ کی عمر نو برس کے لگ بھگ تھی۔ عہدِ طفولیت میں بعارضہ چیچک بیمار ہوگئے جس کے اثر سے آپ کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ آپ کی والدہ صاحبہ بہت متفکر ہوئیں اور ہر وقت اسی غم کی وجہ سے پریشان رہنے لگیں۔ حضرت قبلۂ عالم نے جب یہ حالت دیکھی تو فرمانے لگے۔ فکر کیوں کرتی ہو، ہم دوائی بنا دیتے ہیں، آنکھوں کی بصارت ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ نے ایک عدد کوڑی زرد لے کر اُس کی دوا تیار کی اور آنکھوں میں ڈالنے کے لیے کہا۔ حسبِ ارشاد دوائی پہلے ایک آنکھ میں ڈالی گئی اور باقی پُڑیہ کہیں رکھ دی۔ دوسرے دن دوسری آنکھ میں دوائی ڈالنے کے لیے پُڑیہ تلاش کی گئی، لیکن پُڑیہ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ ہر چند گھر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن پُڑیہ نہ ملی۔ جس آنکھ میں دوائی ڈالی تھی۔ اُس کی بینائی عود کر آئی اور نظر بالکل دُرست ہوگئی۔ دوسری آنکھ کے لیے دوائی دوبارہ تیار کرنے کے لیے کئی بار آپ کی والدہ صاحبہ نے حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں عرض کی لیکن آپ نے کوئی التفات نہ فرمایا۔ جب آپ کو بہت مجبور کیا گیا تو آپ نے فرمایا، "ایک ہی آنکھ کافی ہے"۔

حضرت قبلۂ عالم کی رحلت کے وقت چونکہ آپ بچے ہی تھے اس لیے آپ نے رنگریزی کا فن حاصل نہیں کیا تھا۔ آپ کے برادرِ بزرگ حضرت میاں فخر الدینؒ تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ ریلوے میں ملازم ہوگئے تھے۔ جب حضرت میاں دولت علیؒ جوان ہوگئے اور کاروبار کرنے کے قابل ہوئے تو آپ کو بھی محکمہ ریلوے میں ہی ملازم کروا دیا گیا۔ ملازمت کے دوران ہی آپ کی شادی خانہ آبادی جالندھر شہر کے ایک مُغل گھرانے میں ہوگئی جس سے آپ کے ہاں دو صاحبزادے ہوئے۔ بڑے صاحبزادے حضرت میاں غلام مصطفٰے صاحب ہیں اور دوسرے چھوٹے صاحبزادے غلام مرتضٰے ہیں۔ غلام مرتضٰے ابھی شیر خوار ہی تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے ساری عمر تجرّد ہی میں گزار دی۔

میاں غلام مصطفٰے صاحب ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن غلام مرتضٰی صاحب اپنی پھوپھی صاحبہ کے زیرِ عاطفت پرورش پاتے رہے۔ اہلیہ محترمہ کی وفات کے بعد حضرت میاں صاحب کا دل ملازمت سے

اُچاٹ ہوگیا۔ اس لیے آپ نے کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کر دی اور ہوشیار پور واپس تشریف لے آئے۔

سرکارِ غریب نواز خواجہ محمد دیوان صابری رحمتہ اللہ علیہ آپ کا ہر طرح خیال رکھتے اور وقتاً فوقتاً جب بھی آپ سرکارِ غریب نواز کی خدمتِ اقدس میں جاتے آپ بوقت رُخصت آپ کو اشیائے خورد و نوش اور پارچات کے علاوہ نقد نذرانہ بھی پیش کرتے اور ہمیشہ ایسے ہی رُخصت کرتے جیسے کہ مرید اپنے پیر کو رُخصت کرتا ہے۔

سرکارِ غریب نواز خواجہ محمد دیوان صابری رحمتہ اللہ علیہ اپنے مُرشد زادوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بڑے صاحبزادے حضرت میاں فخر الدین تو بدستور ریلوے میں ہی ملازمت اختیار کیے ہوئے تھے، لیکن جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے حضرت میاں دولت علی ملازمت ترک کر چکے تھے۔ سرکارِ غریب نواز نے کسبِ معاش کے لیے آپ کو کمیٹی بازار ہوشیار پور میں مٹی کے برتنوں کی دُکان کھول دی اور میاں صاحب وہاں بیٹھ کر برتن فروخت کرتے رہتے۔ کچھ عرصہ تو برتنوں کا کاروبار بڑے وسیع پیمانے پر جاری رہا، لیکن میاں صاحب کی طبیعت آزادی کی خواہاں تھی اور آپ آہستہ آہستہ علائق دُنیاوی سے بے نیاز ہوتے جا رہے تھے۔ اس لیے یہ کاروبار بھی آپ کی عدم توجہی کی وجہ سے زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ آخر کار ایک دن دُکان بند کر دی گئی۔

چونکہ سرکار خواجہ محمد دیوان صابریؒ حضرت میاں صاحب کا بہت خیال اور ادب ملحوظِ خاطر رکھتے تھے۔ اس لیے آپ کے مریدین اور معتقدین بھی حضرت میاں صاحبؒ کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ حضرت خواجہ محمد دیوان صابریؒ کے وصال شریف کے بعد آپ نے مکمل طور پر درویشی اختیار کر لی۔ سرکار کے اتباع میں لباس تو پہلے ہی آپ جیسا پہنا کرتے تھے۔ اب نعلین چوبی بھی پہننے لگے۔ سرکار کے وصال کے بعد آپ نے چارپائی پر بیٹھنا اور سونا تک ترک کر دیا۔ ہمیشہ زمین پر ہی سویا کرتے اور زمین پر ہی بیٹھا کرتے۔

آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے میاں غلام مصطفےٰ صاحب کو بھائی فضل محمد صاحب گھڑی ساز مرحوم و مغفور کے پاس گھڑی سازی کا فن سیکھنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود زیادہ وقت دربار ہر دو تھلہ شریف میں گزارنے لگے۔ آپ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ آپ نے حُقہ نوشی بھی ترک کر دی۔ کبھی کبھی گوشت کا کھانا بھی ترک کر دیا کرتے تھے۔ لہسن کا استعمال تو آپ نے قطعاً بند کر دیا تھا۔ ہمیشہ سادہ غذا اور کم کھانے پر اکتفا کرتے۔

تقسیمِ مُلک کے بعد آپ سب سے پہلے گوجرانوالہ پہنچے اور قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے صاحبزادے میاں غلام مصطفےٰ صاحب رفیق واچ کمپنی لائل پور میں ملازم ہو گئے اور لائل پور میں ہی سکونت اختیار کر لی۔ میاں دولت علی صاحب کچھ عرصہ گوجرانوالہ میں رہے پھر وہاں سے قلعہ دیدار سنگھ چلے گئے۔ آخر وہاں سے بھی طبیعت اُچاٹ ہو گئی تو لائل پور تشریف لے آئے۔ لائل پور میں غلام محمد آباد کالونی کوارٹر نمبر ۱۴۴ میں قیام پذیر ہوئے

اور ہر سال ۲۱ چیت کو باقاعدگی کے ساتھ عرس خواجگانِ چشت، خواجہ حافظ کرم بخشؒ اور خواجہ محمد دیوان صابری رحمۃ اللہ علیہما کرایا کرتے تھے۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ماہِ رمضان شریف ۱۳۷۹ھ میں آپ علیل ہو گئے۔ باوجود بیماری کے روزے رکھنے شروع کر دیے، لیکن جب بیماری نے شدت اختیار کر لی تو روزے ترک کر دیے گئے۔ علاج میں حضرت میاں غلام مصطفےٰ صاحب نے بڑی کوشش اور جانفشانی سے کام لیا۔ لیکن طبیعت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ آخرہ ۲۵، رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز جمعرات بوقت ڈیڑھ بجے بعد دوپہر آپ واصلِ بحق ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

آپ کا مزار چوہڑ ماجرا بر لب سڑک نڑوالا بنگلہ واقع ہے۔

حضرتؒ مولوی نوازش علی چشتی نظامی

آپ حضرت شیخ المشائخ حافظ محمد موسیٰ[1] مانکپوری چشتی صابری کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت سید محمد اعظم چشتی صابریؒ (روپڑ ضلع انبالہ) بھارت سے مشرف بیعت تھے۔ آپ کے حالات زندگی پردہ اخفا میں ہیں۔ کوشش بسیار کے باوجود کہیں سے میسر نہیں ہو سکے۔

---

[1] حضرت حافظ محمد موسیٰ چشتی صابریؒ نے سید محمد اعظم جی چشتی صابریؒ سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ خاندان چشتیہ صابریہ کے مشائخ ہیں۔ آپ بے نظیر وقت تھے۔ آپ اویس حضرت میراں جی رحمۃ اللہ کے تھے۔ حضرت عارف باللہ مولانا سید امانت علی صاحب امروہوی فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ جی کو یہ کہتے ہوئے سنا (میراں جی یہ کام نہیں ہوا) مرضِ وفات میں حضرت مولانا سید امانت علی صاحب اور حضرت شاہ خاموش صاحب حیدرآبادی اور عبداللہ شاہ تھانیسری اور حضرت شاہ جی جان اللہ صاحب خانپوری اور حضرت حاجی مسکین شاہ صاحب کو حضرت حافظ صاحب نے اشارہ فرمایا کہ تم میں میری جگہ کوئی بیٹھے اور خانقاہ تعلیم و تربیت کا کام اپنے ذمے لے۔ مگر ہر ایک نے عذر کیا۔ آخر الامر پیر شاہ کو منتخب فرمایا اور تمام درویش بھی اس امر سے رضامند ہو گئے۔ کیونکہ بیماری میں حضرت حافظ صاحب کی بڑی خدمت کی تھی۔ ۱۶، رمضان المبارک ۱۲۴۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔ تمام درویشوں نے پیر شاہ کو دستار باندھی اور مسند پہ بٹھادیا۔ حضرت حافظ صاحب کے خلفاء میں مولانا سید امانت علی صاحب زیادہ مشہور عارف واصل اور شیخ کامل تھے۔ ابتدا ہی سے آپ زیور تقویٰ اور پرہیزگاری سے آراستہ تھے علوم ظاہری آپ نے بمقام دہلی حاصل کیے تھے۔ اور طریقت کے آداب ابتدا میں حضرت شاہ غلام حسین صاحب خلیفہ حضرت اخوند فقیر صاحب اور حافظ کامگار خاں صاحب سے سیکھے تھے۔ حسب ہدایت حضرت حافظ سید محمد حسین عرف بانکے صاحب مانک پور پہنچ کر حضرت حافظ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت فرمائی۔ عباس خاں رئیس مراد آباد حضرت مولانا سے مرید ہو گیا تھا۔ آپ کے کئی خلیفہ ہوئے۔ شاہ سعادت اللہ صاحب آپ کے قدیمی خادم اور خلیفہ تھے۔ اُن کے خلیفہ میر غلام حسین امروہوی ہوئے، اُن کے خلیفہ حکیم اعظم علی دہلوی ہیں اور حکیم اعظم علی صاحب نے شاہ عنایت احمد صاحب قدوسی کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ حکیم اعظم علی صاحب ہر مہینہ کی تاریخ سیزدہم کو حضرت مخدوم العالمین کلیری کی فاتحہ دلواتے تھے اور مجلس سماع منعقد کرتے تھے۔ حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں ایک خلیفہ حضرت مولوی نوازش علی صاحب ساکن ضلع ہوشیار پور تھے۔ اُن کے خلیفہ مولانا سید عبدالعزیز صاحب انبیٹھوی تھے۔ (انوار العاشقین، مؤلفہ مشتاق احمد)

حضرت سیّد اللہ یار شاہ ؒ

حضرت سید اللہ یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بجواڑہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کے متعلق حالات حیات مبارک پردۂ اخفاء میں ہیں۔ آپ صائم الدہر قائم اللیل صفت انسان تھے۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہنتے۔ لذیذ غذا سے کلّی طور پر پرہیز رکھتے تھے۔ شب کے آخر پہر ذکرِ جہر میں مشغول رہا کرتے تھے۔ کافی عرصہ تک اپنے پیر و مُرشد حضرت سید حسن رسُول ؒ نما[1] دہلوی کی خدمت بابرکت میں حاضر رہ کر تحصیل علم باطن کر کے پیر و مُرشد کے حکم سے اپنے

---

[1] آپ کا اسم گرامی سید حسن اور لقب رسُول نما تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد بخارا سے ترک سکونت کر کے موہان متصل لکھنؤ میں سکونت پذیر ہوتے پھر وہاں سے نارنول چلے آئے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں حضرت عثمان نارنولی اور سید تاج الدین شیر مار چابک مار شہرۂ آفاق بزرگ تھے۔ آپ کا طریقہ اویسیہ مشہور ہے؛ لیکن شجرہ منظوم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ مادر زاد ولی تھے۔ اپنے والد کے فوت ہونے پر سرکاری طور پر خوانین کے منصب پر فائز ہوئے۔ جب آپ کی عمر ۱۸ سال کی ہوئی تو خاندانی پریشانیوں سے تنگ آ کر تحصیلِ علم کے لیے اکبر آباد چلے آئے۔ وہاں سے آپ نے پورب کا رُخ کیا۔ ایک دن اثنائے راہ میں کسی سے یہ حدیث قُدسی سنی۔ "جو شخص ایک بالشت بھر مجھ سے نزدیک ہو مَیں ایک گز اُس کے نزدیک ہو جاتا ہوں"۔

یہ خیال آتے ہی غلبہ عشق و محبت میں اُونچے اونچے پہاڑوں اور درختوں پر چڑھ کر چلاتے بار الہا! مَیں تو یہاں تک پہنچ گیا ہوں تُو کہاں ہے۔

آپ نے چودہ سال تک درس و تدریس کی۔ شب کو یادِ الٰہی میں منہمک رہتے۔ ایک دفعہ جون پور میں قصبہ ببلول میں قیام فرمایا۔ وہاں کا چودھری جلال لینؔ مرید ہو گیا۔ اُس نے استدعا کی میرے بارہ بیگھے خربوزے کے کھیت ہیں ان میں قدم رنجہ کی تکلیف گوارا فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تین بیگھے سرکار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پرفتوح کی نیاز کے لیے پیش کرو تو حاضر ہوں ورنہ نہیں۔ صاف جواب پا کر وہ شخص رنجیدہ ہو کر سویا تو خواب میں حضور رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہیں سید حسن رسُول نما ارشاد فرماتے ہیں تعمیل کرو۔ چنانچہ وہ شخص خواب سے بیدار ہو کر خوش خوش علی الصبح حاضر ہوا اور مقررہ نیاز پیش کی۔ آپ نے ہنس کر فرمایا کہ کل تو انکار تھا اور آج اقرار اور پھر اصرار ایں چہ معنی۔ اُس نے دست بستہ عرض کی کہ سرکار انکار میری پست ہمتی کا نتیجہ تھا اور اقرار رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الاذعان کا کرشمہ التفات بمد زہے مراتبے خوابے کہ بہ بیداری است

آپ نے نیاز قبول کر کے غرباء و مساکین کو عام اجازت دے دی کہ خربوزوں کا کھیت لوٹ لو۔ یہ منادی سُن کر غریب مسکین جوق در جوق آ گئے اور کھیت لوٹ لیا۔ اس دن سے آپ سید حسن رسُولؐ نما کے لقب سے مشہور ہو گئے۔

ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کُرسی پہ رونق افروز ہیں۔ دست مبارک میں ایک انگوٹھی ہے جس کے نگینہ پہ اللہ کا اسم پاک کندہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک کے نام کی اس طرح نگہداشت کرنی چاہیے۔ اس کے بعد اپنا ہاتھ میرے دل پر رکھا دل سے ظلمت دُور ہو کر اسم پاک منقوش ہو گیا۔ چودہ سال درس و تدریس اور ریاضات و مجاہدات کے بعد نارنول واپس لوٹے۔ اپنے نفس پر مندرجہ ذیل

وطن بجواڑہ ضلع ہوشیار پور تشریف لے آئے اور دینِ اسلام کی تبلیغ کر کے عوام و خاص کو راہِ مستقیم دکھائی۔

شرائط کی پابندی عاید کرلی : خویش و اقربا کی وعظ و نصیحت سے محترز رہوں گا۔ اپنے منہ کو سیاہ کر کے گلی کوچوں میں پھروں گا۔ ہر ایک سے بھیک مانگ کر کھایا کروں گا، کسی سے راہ و رسم نہ رکھوں گا۔ اگر عوام میرے پاس آئیں تو دیوانہ بن جاؤں گا۔

آپ بارہ سال تک نارنول میں رہے۔ ایک رات کو دربار نبوی سے حکم ملا کہ فوراً جہاں آباد چلے جاؤ۔ خواب سے بیدار ہو کر اُسی وقت دلی چلے گئے۔

آپ کے خوارق و عادات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے ذریعے ہزاروں اللہ کے بندے جمال جہاں آرائے نبویؐ سے فیض یاب ہوئے۔ اس لیے آپ کو سید حسن رسولؐ نما کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سعادت ہے جو بزور بازو حاصل نہیں ہوتی۔

ارشاداتِ عالیہ

انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اُس سے حیا کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندگی اُٹھانی پڑے۔ اخلاص کی کوشش کرو۔ اگر سالہا سال حرمین میں عبادت کرو لیکن اخلاص سے بہرہ ور نہ ہو گے تو کچھ نہ پاؤ گے۔ نماز پڑھو جہاں تک ہو سکے امام نہ بنو کسی شخص کے ضامن نہ بنو۔ دوسرے کے معاملے میں دخل نہ دو۔ کم خوردن پر عمل کرو۔ نامحرم اور اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے سے پرہیز کرو، مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کے لیے دستِ سوال پھیلانے سے دریغ نہ کرو، اپنا کام اپنے ہاتھوں سے کرو اور خادموں کا ہاتھ بٹاؤ۔ اگر غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں تو اُن کو پوشیدہ رکھنے چاہیے۔

مریدین : ۱۔ میاں علی خاں صاحب مشاہدہ و مجاہدہ تھے۔ ۲۔ غضنفر بیگ، گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے، صفائی باطن بدرجۂ کمال حاصل تھی۔ ۳۔ مرزا بیگ گکھڑ مشائخ کی وضع کے پابند اور فیاض تھے۔ ۴۔ میاں سلطان محمد کرنالی، اپنے وقت کے متوکل اور متورع عالم تھے۔ ۵۔ میاں جمال خاں معلم، درس و تدریس کا پیشہ رکھتے تھے۔ ۶۔ میاں لعل محمد قدم درگاہ رسولؐ کے خادم تھے۔ ۷۔ سید رحمت اللہ سامانی۔ ۸۔ شیخ بازید حسن پوری۔ ۹۔ شیخ عبدالواحد۔ ۱۰۔ شیخ نورالدین، صاحبِ مکاشفات تھے۔ ۱۱۔ سید محمد مراد۔ ۱۲۔ محمد سعید درویش۔ ۱۳۔ محمد رضا میرٹھی۔ ۱۴۔ شاہ محمد افغان۔ ۱۵۔ عمر خاں۔ ۱۶۔ محمد رضا کرنال۔ ۱۷۔ شیخ ابراہیم کرمانی۔ ۱۸۔ پیر محمد یہ گویا تھے درویشی اختیار کرلی تھی۔ ۱۹۔ جان محمد۔ ۲۰۔ سید عبدالرحمٰن۔ ۲۱۔ جان فقیر۔ ۲۲۔ رستم علی۔ ۲۳۔ خواجہ سلطان۔ ۲۴۔ سید محمد ہاشم۔ ۲۵۔ سید قطب ہاپوڑی۔

وصال شریف : ۲۲، شعبان ۱۱۰۳ھ بروز ہفتہ۔ مزار اقدس دہلی میں مرجع خلائق ہے۔

مآخذ

تاریخی فیصلہ (عبدالواحد قریشی نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی)
فیصلہ کن معرکہ (بیدار ملک۔ پاکستان سٹڈی سنٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور)
سلیم التواریخ (مولوی محمد اکبر علی صوفی جالندھری۔ ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی)
ہوشیار پور گزیٹیئر (جلد ۸ (XIII) پبلشر پنجاب گورنمنٹ)
جغرافیہ ہوشیار پور (پنڈت ہیمراج بی۔ اے)
تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء (حبیب احمد چودھری)
تحریک پاکستان (مرزا جانباز)
حدیقۃ الاولیاء (مفتی غلام سرور مترجم پروفیسر اقبال مجددی)
مخزن پنجاب (مفتی غلام سرور)
حیات صابری (سید عبدالغنی قانونگو)
مشائخ نقشبند (نور بخش توکلی ایم اے)
مشائخ قادریہ (محمد دین۔ بی اے)
پاکستان کی قیمت (منشی عبدالرحمان خاں)
شریف التواریخ (جلد سوئم حصہ سوئم، ششم، نہم اور دوازدہم۔ حضرت شرافت نوشاہیؒ)
یاد پیر (محمد عمر خاں ہوشیار پوری)
مکتوبات عبدالنبی شامی (مترجم سلیم الرشید شامی)
تذکرہ رؤسائے پنجاب (سر لیپل ایچ گرفن۔ کرنل میسی صاحبان)
تاریخ راجپوتاں (بھائی کاہن سنگھ)
افاغنہ ہوشیار پور (محمد ایوب خاں انصاری)

تاریخ ہند (مولوی ذکاء اللہ)
تاریخ اسلام جلد نمبر۱ (شاہ معین الدین احمد ندوی۔ سعید اینڈ کو پاکستان۔ چوک کراچی)
تاج التواریخ (نصرت علی قیصر۔ مطبوعہ نصرت مطبع دہلی)
اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (ناشر دانش کدہ پنجاب لاہور)
ذکر پاکاں (محمد صدیق ناصر)
تذکرہ علمائے اہلِ سُنّت وجماعت (علامہ اقبال احمد فاروقی۔ ایم اے)
سیرت امیرِ ملّت (محمّد صادق قصوری / سید اختر حسین علی پوری)
صوفیۂ نقشبند (حکیم امین الدین احمد)
مشائخ چشت (خلیق احمد نظامی)
سرِّ مکنوں (شاہ فقیر اللہ نوشاہی مکیریانیؒ)
احسن القصص (مولوی غلام رسُول عالم پوریؒ)
فوائد الفواد (خواجہ حسن سجزیؒ)
مہابھارت (منظوم) (ناشر منشی نول کشور، کان پور)
قائداعظم میری نظر میں (حسن اصفہانی)
حیات قائداعظم (چودھری سردار محمّد خاں عزیز)
کاروانِ شوق (آفتاب قرشی) ۔ سیالکوٹ گیزٹیئر ۱۹۰۴ء
انوار العاشقین (مشتاق احمد) ۔ تذکرہ شعراء پنجاب (مولا بخش کشتہ مرحوم)
اخبارات: پیسہ اخبار ۱۹۴۶ء ، سراج الاخبار۔ ۲۲ جنوری ۱۸۹۴ء جہلم
نوائے وقت ۔۱۹۴۶ء ، ایسٹرن ٹائمز لاہور ۱۹۴۷ء
رسائل: المعارف لاہور، مئی جون ۱۹۸۲ء۔ خاتون (ہفتہ وار) لاہور
زمانہ (ماہوار) کان پور ۔ اُردو (سہ ماہی) کراچی
قومی ڈائجسٹ (صحابہ کرامؓ نمبر)
مقالہ جات: پنجاب مُسلم لیگ کی سول نافرمانی تحریک ۱۹۴۷ء (فردوسیہ فضل)
پنجاب میں ۱۹۱۹ء میں فسادات (مس شہناز اختر)

تذکرہ شعرائے وارثیہ (زیرِ طبع)

مرتبہ: میاں عطا اللہ ساگر وارثی

شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

تذکرہ ہذا میں بانی سلسلۂ عالیہ وارثیہ قطبِ زماں حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ اعلیٰ مقامہٗ کا جامع اور مختصر تذکرۂ حیات کیا گیا ہے تاکہ قارئینِ کرام مستفیض ہوسکیں اور سرکار عالم پناہ کے پسندیدہ اشعار بھی درج کئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ دربار وارثیہ کے شعراء حضرات جو دربارِ وارث دیوی شریف ضلع بارہ بنکی یو پی (بھارت) کے مشاعروں میں نہایت عقیدت، محبت اور وضع داری کے ساتھ شمولیت کرتے تھے جن میں مضطر خیر آبادیؒ، سیماب اکبر آبادیؒ، اکبر وارثیؒ، قبلہ بیدم شاہ وارثی، اوگھٹ شاہ وارثی اور ابوالحسن شاہ وارثی کے علاوہ تقریباً ایک سو شعرائے وارثیہ کا چیدہ چیدہ کلام درج کیا گیا ہے۔ ان حضرات کے کلام کو ان کے اپنے دور میں جو پذیرائی حاصل تھی وہ آج بھی قائم و دائم ہے۔ اُن کی اہلیت، اُن کی آزادی، اُن کی بے باکی، اُن کا شعر و شباب کا ماحول اب کہاں میسر آسکتا ہے۔ آج بھی اُن کے کلام کو پڑھ کر روحانی مسرتیں حاصل ہوتی ہیں ؎

یارب وہ بزم میں کیا ہوئیں وہ لوگ کیا ہوئے
مُدت ہوئی جسم کو جاں سے جُدا ہوئے

ان حضرات کے کلام فصاحت و بلاغت اور لطافت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی شخصیت اور وجاہت سے بھی ایک دُنیا مرعوب تھی۔ وہ نازک خیال پاکیزہ مقال تھے۔ تذکرہ ہذا حمدیہ، نعتیہ، غزلیات اور سلام و منقبت سے آراستہ کلام بڑی محنت، لگن اور تحقیق کر کے درج کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ جن شعرائے حضرات کے حالاتِ زندگی دستیاب ہوسکے بمعہ حوالہ کتب و رسالہ جات درج کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ موجودہ دور کے سلسلۂ عالیہ سے وابستگی رکھنے والے شعراء حضرات کا کلام بھی درج کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں ؎

خوشبو ہر ایک رنگ کی عطرِ سُخن میں ہے
ہر پھول کی بہار ہمارے چمن میں ہے

ملنے کا پتہ: وارثی منزل، پاک سٹریٹ، اسلام آباد کالونی، سمن آباد لاہور

بسمه تعالى

بلغ العلى بكماله

كشف الدجى بجماله

حسنت جميع خصاله

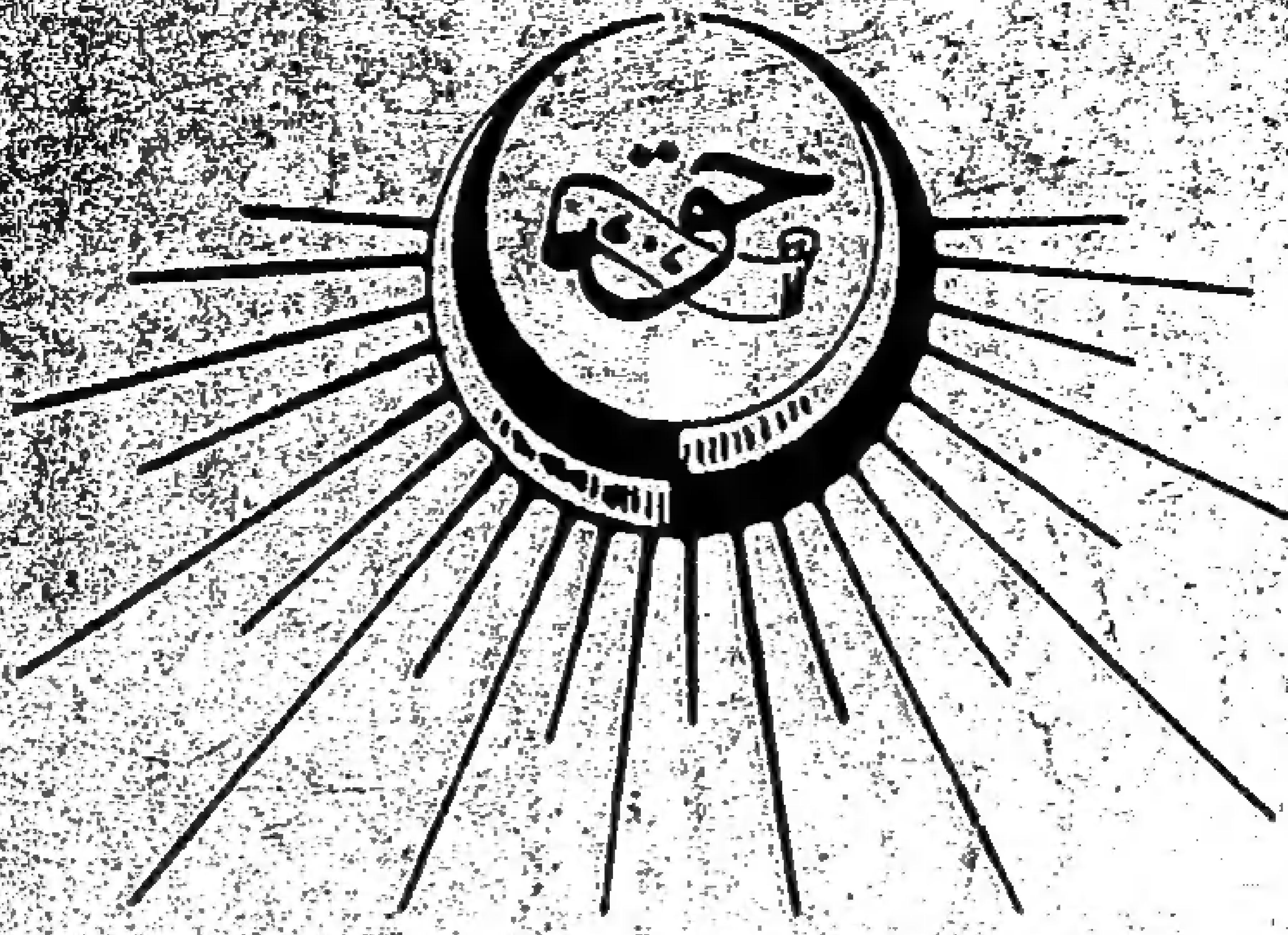
صلوا عليه وآله

١٤١٠ هـ

١٩٩٠ م

درست نامہ

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	درست
۴۷	۷	خانوادہ کے رہتے تھے	خانوادہ میں رہتے تھے
۴۹	آخری دو	کئی ہندو گوجر بھی ہیں	کئی ہندو گوجر بھی تھے
〃	〃	اکثر گوجر کھیتی باڑی کرتے ہیں	اکثر گوجر کھیتی باڑی کرتے تھے
۵۰	۱	تمام آرائیں مسلمان ہیں	تمام ارائیں مسلمان تھے
۵۶	۱۸	عمرین عبدالعزیز	عمر بن عبدالعزیز
۶۴	۵	بقول ہندو	ہوشیار پور سے
۱۴۶	۱	ہوشیا پور	ہوشیار پور
۱۵۱	۳	جلاء	جلا
۱۷۸	۱۵	حضرؑ	خضرؑ
۲۳۶	۱۷	بستی نو	بسی نو
۲۵۴	۵	مستقبل	مستقل
۲۵۶	۱۰	ان کا مزار مکیریاں ہے	ان کا مزار مکیریاں میں ہے
۲۶۷	۹	ایک دفعہ ایک افغان	ایک دفعہ ایک شخص
۲۶۷	۱۲	اچانک اس افغان	اچانک اس شخص
۲۶۸	۱	اس افغان	اس شخص



مشائخ ہوشیار پور

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی